حوالہ

جملہ حقوق محفوظ

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا

٨

25496
108/072
6609809

سلسلۂ دار المصنفین
(۱۶۰)

# شذراتِ سلیمانی

## حصۂ اوّل

مولانا سید سلیمان ندوی رح کے ان شذرات کا مجموعہ
جو جولائی ۱۹۱۶ء سے دسمبر ۱۹۲۴ء تک مختلف النوع
موضوعات پر معارف میں شائع ہوئے۔

دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ
Pin. 276001

نام کتاب : شذرات سلیمانی

مصنف : سید سلیمان ندوی

طابع : معارف پریس اعظم گڈھ

صفحات : ۳۷۰

بار اول مئی ۱۹۹۰ء

قیمت : ۴۵ روپیے

دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ

Pin 276001

433
25496
10/8/072
9809

# دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدِنِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

دارالمصنفین کے قیام و تاسیس کی طرح ایک ماہوار علمی رسالہ کا اجرا بھی علامہ شبلی مرحوم کے پیش نظر تھا جس کا نام معارف وہ خود ہی تجویز کر گئے تھے، اور جس کے اغراض و مقاصد کا خاکہ بھی وہی تیار کر گئے تھے، ان کی وفات کے بعد حاشیہ نشینان بساط شبلیؒ نے مقدور بھر ان کی تمام تحریکوں کو زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ۱۹۱۶ء میں جب دارالمصنفین کا اپنا پریس قائم ہوا تو اسی سال جولائی میں معارف کا پہلا شمارہ بھی شایع ہوا اور اس کی ادارت کی سعادت بھی جانشین شبلیؒ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حصہ میں آئی جو الندوہ کی ترتیب میں علامہ شبلیؒ کے معاون اور الہلال کی ادارت میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے شریک رہ چکے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنی سعی بلیغ اور گذشتہ تجربات کے علاوہ اپنے علمی خواجہ تاش مولانا عبدالسلام ندویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے اشتراک و تعاون سے معارف کو بہت ممتاز اور بلند پایہ رسالہ بنا دیا۔ یہ دراصل علامہ شبلیؒ کی ادارت میں شایع ہونے والے الندوہ کا مثنیٰ تھا۔ حضرت سید صاحبؒ اس کے پہلے شمارے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> "الندوہ سے رخصت ہو کر پانچ چھ مہینے کے بعد آج ہم پھر پبلک میں آتے ہیں اور معارف کے نام سے ایک دوسرا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ع
>
> آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند"

آگے اس کے اغراض و مقاصد کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

> ”ملک میں اس وقت علم و مذہب کے متعلق جو خیالات بھی پھیلے ہوئے ہیں وہ بالکل غیر معتدلانہ ہیں، کچھ ایسے اشخاص ہیں جو عقل پرستی کے غرور میں مذہب اور مذہبی علوم کے ساتھ تمسخر سے نہیں شرماتے، دوسری طرف حامیان مذہب و علوم مذہبی کا جمہور اعظم ہے جو عقل و علم، مصالح و حکم، فلسفہ و اسرار کی ضرورت سے منکر ہے، ملک میں دونوں قسم کے مضامین اور تصنیفات ہر روز شایع ہوتے ہیں، ہماری جماعت صلح عام کی منادی ہے، وہ دونوں فریق کو مصالحت کی دعوت دیتی ہے، وہ جدید علوم، تازہ خیالات، نئی تحقیقات کی بہ جان و دل خریدار ہے لیکن اس کے معاوضہ میں اپنے بزرگوں کا اندوختہ کھونا نہیں چاہتی ہے...
>
> اس رسالہ کا مقصد و موضوع بخوبی سمجھنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لینا چاہیے کہ زمانہ اپنی موجودہ ضرورتوں کے ساتھ قایم ہے لیکن موجودہ نسل کے بجائے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا میں آگیا ہے، اس حالت میں اب غور کرو کہ اس گروہ کے کیا علمی مہمات ہوں گے۔“

معارف نے اپنے اعتدال و توازن، متانت و سنجیدگی اور تحقیق و تدقیق کی بنا پر قدیم و جدید دونوں طبقوں کو متاثر کیا۔ قدیم طبقہ کو اس نے مذہب اسلام اور اسلامی علوم و فنون کی خدمت کے لیے نئے وسائل اور علمی مسائل کی تحقیق و تنقید اور انشا و تحریر کے نئے طریقوں سے آشنا کیا۔ ماضی کی عظمت سے ناواقف جدید طبقہ کو اس نے اپنی تاریخ اور اپنے علوم کی طرف متوجہ کیا، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے بقول:۔

> ”معارف نے سیکڑوں علمی موضوعوں اور مسائل پر اور اسلامیات کی مختلف شاخوں پر مضامین کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا جس سے اسلامی انسائیکلوپیڈیا مرتب کیجا سکتی ہے۔“

اپنے رنگ کے اس منفرد علمی رسالہ کی پذیرائی اہل علم نے بھی کی۔ اور الحمد للہ اب تک اس نے اپنا امتیاز باقی رکھا ہے۔

معارف کے سنجیدہ علمی و تحقیقی مضامین کی طرح اس کے اداریے بھی اس کا خاص طرۂ امتیاز

ہوتے تھے جو واقعی اسم بامسمی شذرات دسونے کے ٹکڑے تھے۔ ان میں ہر ماہ کے اہم علمی حوادث پر تبصرہ مختلف النوع وقتی امور و مسائل اور کبھی کبھی مستقل معاملات پر بھی فاضل مدیر اظہار خیال فرماتے تھے، انھوں نے مسلمانوں کی مذہبی و ملی زندگی کے اجزا و عناصر پر جن شذرات میں اظہار خیال فرمایا ہے وہ بڑے حکیمانہ اور خصوصیت کے ساتھ نہایت اہم ہیں، دراصل ان میں مسلمانوں کی ترقی و تنزل اور بقا و استحکام کا پورا فلسفہ بیان کیا گیا ہے اس طرح یہ شذرات گذشتہ قومی و ملی تحریکوں اور مختلف رجحانات و خیالات اور پیش آمدہ حالات و واقعات کا مرقع ہیں جو بہت غور و فکر سے لکھے گئے ہیں اور خیالات کی صحت و پختگی اور اصابت رائے کا عمدہ نمونہ بھی ہیں، معارف کے عالمانہ مضامین کی گراں باری محسوس کرنے والے بھی اس کے مفید، موثر، حکیمانہ اور دلچسپ شذرات کا مطالعہ کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔

سید صاحبؒ کے شذرات کی پذیرائی علمی حلقوں میں جس طرح کی گئی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم جیسے مبصر تحریر فرماتے ہیں:۔

> "آپ کے شذرات اور معارف کا وجود ندوۃ العلما کی کامیابی پر برہان قاطع ہے، علوم دینیہ تو موجود تھے لیکن صورت حال یہ تھی کہ
>
> طاؤس را ز نقش و نگارے کہ ہست خلق      تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش"

شذرات سلیمانی کی، ادبی رعنائی و تر و تازگی کا حال مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کے سحر طراز قلم سے ملاحظہ ہو:۔

> "صاحبِ معارف کی شذرات نگاری ایک خصوصی و امتیازی شان نگارش رکھتی ہے بے لاگ لیکن نہ درشت نہ کرخت، عمیق لیکن نہ ادق نہ مغلق، رنگین لیکن نہ پر تکلف نہ ثقیل، سلیس لیکن نہ سطحی نہ عامیانہ، شگفتہ لیکن نہ ناول نہ خطیبانہ، جاندار لیکن نہ گرما گرم نہ پر خروش، صالح لیکن نہ خشک نہ مولویانہ، سلیمانی ادب و انشا کا اردو کی

تاریخ ادب و انشا میں جو ایک خاص مقام ہے.... اس کی اصل بنیاد بھی معارف کے اوراق صفحات سے پڑی اور معارف کے شذرات نے بہتوں کے لیے ایک نئی راہ کھول دی۔"

یہ شذرات صرف وقتی اور عارضی اہمیت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی معنویت و تازگی آج بھی برقرار ہے اور ان سے ہر زمانے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اہل علم کی طرف سے اس کو کتابی صورت میں شایع کرنے کے لیے عرصہ سے تقاضا ہو رہا تھا، معارف کی پرانی جلدیں اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں اس لیے بھی اسے کتابی صورت میں محفوظ کر دینا ضروری معلوم ہوا۔

ضخامت کی وجہ سے یہ کتاب تین حصوں میں تقسیم کر دی گئی ہے، پہلے حصہ میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک کے شذرات شامل کیے گئے ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لیے اس میں تین قسم کے اشاریے بھی دیے گئے ہیں جن کو سید شہاب الدین دسنوی معتمد دار المصنفین نے محنت و عرق ریزی سے تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے اور اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

ناچیز

**ضیاء الدین اصلاحی**

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# شذرات

## جولائی ۱۹۱۶ء تا دسمبر ۱۹۱۶ء

(۱)

رسالہ معارف کا پہلا نمبر ہم رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کے مقدس مہینہ سے شروع کرتے ہیں کہ ہمارے تمام علوم و معارف کی سب سے پہلی کتاب یعنی قرآن اسی ماہ مقدس میں نازل ہوا تھا، شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ،

الندوہ سے رخصت ہو کر پانچ چھ برس کے بعد آج ہم پھر پبلک میں آتے ہیں، اور "معارف" کے نام سے ایک دوسرا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں،

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

مطبوعات پرستی کے اس دور میں کسی رسالہ کا عالم وجود میں آنا، برسات کی پیدائش عام سے زیادہ وقیع نہیں، تاہم جب یہ نظر آتا ہے، کہ ہمارے سفر کا ہر قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے پڑتا ہے، تو اپنی سعی بے سود اور جد و جہد لاحاصل پر بھی خوشی ہوتی ہے، چند سال پیشتر ہمارے ملک میں متعدد علمی رسائل نکلتے تھے، لیکن اب ہر طرف سناٹا ہے، اس عالم میں اگر کسی گوشہ سے بھی کوئی لمعۂ برق کوند جاتا ہے، تو تسلی کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں کہ اس ظلمت کدہ میں ایک تو امید کا چراغ ہے،

ملک میں روز بروز خالص علمی چیزوں کی طرف سے سرد مہری پھیلتی جاتی ہے، فرزندان تعلیم جدید جو ہماری آیندہ توقعات کے سنگ بنیاد تھے، وہ اتنے بودے نکلے، کہ از سر نو ایک نئی عمارت کا بوجھ اٹھانے کے بجائے اپنی پرانی جھونپڑی کو بھی انہدام سے نہیں بچا سکتے، علمائے کرام سے امید تھی، کہ وہ اس فرض کو سب سے بہتر ادا کر سکیں گے، کہ ان کی تعلیم و طلب علم کا نصب العین دفاتر سرکاری کا اعزاز اور حطام دنیا کا اکتساب نہیں ہے، لیکن ان کو ابھی تک ردمحتار کی جزئیات اور تاتارخانیہ کے فتاویٰ سے فرصت کہاں؟

اسی بنا پر حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی مرحوم دار المصنفین کے ساتھ ساتھ معارف نام کا ایک ماہوار علمی و دینی رسالہ کا بھی تخیل رکھتے تھے، لیکن ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

حاشیہ نشینان بساط شبلی نے اس محسن اعظم کی یادگار میں فیصلہ کر لیا تھا، کہ اپنی بساط بھر ان کی تمام تحریکوں کو وہ زندہ رکھیں گے، دو سال کی گذشتہ مدت دار المصنفین کے قیام و تاسیس میں صرف ہو گئی، اب جب ادھر سے اطمینان میسر آیا، تو دوسرے فرائض یاد آئے، ان میں سے ایک معارف کا بھی اجرا تھا، ہم کو اچھی طرح معلوم ہے، کہ ملک ایک خالص علمی رسالہ کی اعانت کے لئے کہاں تک تیار ہے، تاہم ہر شخص اپنے فرائض کا ذمہ دار ہے،

ملک میں اس وقت علم و مذہب کے متعلق جو خیالات بھی پھیلے ہوئے ہیں، وہ بالکل غیر معتدل ہیں، کچھ ایسے اشخاص ہیں جو عقل پرستی کے غرور میں مذہب اور مذہبی علوم کے ساتھ جاہلانہ تمسخر کرنے سے نہیں شرماتے، دوسری طرف حامیان مذہب و علوم مذہبی کا جمہور اعظم ہے، جو عقل و علم، مصالح و حکم، فلسفہ و اسرار کی ضرورت سے منکر ہے، ملک میں ان دونوں قسم کے لوگوں کے مضامین اور تصنیفات ہر روز شائع ہوتی ہیں، ہماری جماعت صلح عام کی منادی ہے، وہ دونوں فریق کو مصالحت کی دعوت دیتی ہے، وہ جدید علوم، تازہ خیالات اور نئی تحقیقات کی بجان و دل قدردان ہے، لیکن اس کے لئے اپنے بزرگوں کا اندوختہ کھونا نہیں چاہتی ہے، یہ ان نادانوں پر ہنستی ہے، جو تمام سرمایۂ عمر دے کر بازار فرنگ کی ہر چمکتی ہوئی چیز کے خریدار بن جاتے ہیں، لیکن ہماری جماعت ہر چیز کو خریدنے سے پہلے یہ جان لینا چاہتی ہے، کہ یہ ہمارے بزرگوں کے تہ خانوں، خرابوں ، اور مدفون خزانوں میں موجود تو نہیں ہے، اگر ہے، تو وہ کون احمق ہوگا، جو گھر میں کی ایک چیز کو چھوڑ کر اس کی تلاش میں گلیوں اور بازاروں کی آوارہ گردی قبول کرے گا،

دوسری طرف یہ بھی سچ ہے، کہ زمانہ بدل گیا ہے، لوگ اپنی وضع بدل رہے ہیں، مذاق، تمدن، معاشرت ، تجارت، گفتگو، تہذیب ہر چیز میں نمایاں انقلاب ہے، اب اگر دلی کی ایک تنگ و تاریک گلی کے اندر پرانی وضع کی ایک چھوٹی سی دکان میں بیٹھ کر ولی دکنی، اور مظہر جانجاناں کی زبان میں ہم اکسیر بھی بیچیں تو کون خریدنے آئے گا، ہمارے گذشتہ علوم و فنون کا بعینہٖ یہی حال ہے، ہم کو بزرگوں کی اس متاع کو لیکر نئے ساز و برگ سے

موجودہ طرز کی ایک بڑی شاپ میں شیشہ دار الماریوں کے ساتھ اپنی دکان سجانی چاہیے،

اس رسالہ کا موضوع اور مقصد بخوبی سمجھنے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لینا چاہیے، کہ زمانہ اپنی موجودہ ضرورتوں کے ساتھ قائم ہے، اور ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا میں آگیا ہے، اس حالت میں اب غور کرو، کہ اس گروہ کے کیا علمی مہمات ہوں گے،

اس سوال کا جواب قیاسی اور فرضی نہیں، بلکہ تجربہ کے اصول کے موافق دیا جا سکتا ہے،

علمائے سلف اور ان کے کارنامے دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ دولت عباسیہ کے زمانہ تک تمام اسلامی علوم بالکل سادگی اور یکرخی کی حالت میں تھے، دولت عباسیہ کے وجود کے ساتھ جب نئی ضرورتیں پیدا ہوئیں تو دفعۃً ایک انقلاب پیدا ہو گیا، سب سے پہلے ایک گروہ پیدا ہوا جس نے مختلف زبانوں کے علوم وفنون ترجمہ کے ذریعہ عربی زبان میں منتقل کر دیئے، ایک دوسرے گروہ نے ان نمونوں کو سامنے رکھ کر اسلامی علوم کے سادہ ایوانوں میں مینا کاریاں اور نقش آرائیاں شروع کر دیں، عقاید نے علم کلام کی صورت اختیار کی، عربیت نے معانی و بلاغت کا قالب بدلا، اصول فقہ میں منطقی استدلالات پیدا ہو گئے، تفسیر میں فلسفہ کی آمیزش ہو گئی، فرائض میں علم حساب کے دقیق اصول شامل ہو گئے، ان باتوں کے ساتھ قدیم علوم کی غلامی نہیں کی، جہاں غلطیاں دیکھیں، اصلاح کی، جو حصہ فضول تھا، اس کو الگ کر دیا، جو حصہ اسلامی علوم میں تحلیل ہونے کے لائق تھا، اس کو ان میں تحلیل کر دیا، جو حصہ اصل عقائد سے ٹکراتا تھا، اس کو ادھیڑ کر رکھ دیا،

آج بعینہٖ اسی قسم کی حالت پیدا ہو گئی ہے، مغربی ممالک نے اکثر علوم وفنون کے قالب بدل دیئے ہیں، فلسفہ نے بالکل نئی صورت اختیار کر لی ہے، منطق میں نئے برگ و بار پیدا ہو گئے ہیں، معانی و بلاغت کا اسلوب بدل گیا ہے، تاریخ ایک قسم کا فلسفہ بن گئی ہے، ہزاروں نئے مباحث پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے مذہبی علوم کا اسلوب اور طرز تعبیر نئے سرے سے مستقل ترتیب و تہذیب کا طالب ہے،

اگر آج ہمارے اسلاف موجود ہوتے، تو جدید علوم وفنون کو پیش نظر رکھ کر وہی کرتے، جو علوم قدیم کے ساتھ انھوں نے کیا، علم کلام کو فلسفۂ جدیدہ کے مقابلہ میں مرتب کرتے، تاریخ اور واقعہ نگاری کا انداز بدل دیتے، قدیم و حال کی تحقیقات کا موازنہ کرتے، اور فیصلہ کرتے کہ کون سی چیزیں کس حد تک قابل قبول ہیں، اور نئی تحقیقات کو علوم قد

کے ساتھ کیونکر پیوند کیا جاسکتا ہے، یا ان کے نمونہ پر علوم قدیمہ کا انداز کیونکر بدلا جاسکتا ہے،

یہ سچ ہے کہ آج ہماری قوم میں غزالی و رازی، بیرونی و ابن ہیثم، ابن خلدون و مقریزی موجود نہیں ہیں، اگر نہیں ہیں، تو کام تو پڑا نہیں رہ سکتا، جہاں تک بھی ہم سے بن آئے گا کریں گے،

دارالمصنفین علامۂ مرحوم کے انہی تخیلات کا نتیجہ ہے، انہی تخیلات اور مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ہم کام شروع کرنا چاہتے ہیں،

مذکورۂ بالا خیالات کے لحاظ سے معارف سے جن خدمات کی توقع آپ رکھیں گے، وہ پوری کی جائے گی، اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

فلسفۂ حال کا اصول اور اس کا معتد بہ حصہ پبلک میں لایا جائے، عقائد اسلام کو دلائل عقلی سے ثابت کیا جائے، علوم قدیمہ کو جدید طرز پر از سر نو ترتیب دیا جائے، اسلامی علوم کی تاریخ لکھی جائے، اور بتایا جائے، کہ اصل حصہ کہاں تک تھا، اور مسلمانوں نے اس پر کیا اضافہ کیا، مذہبی علوم کی تدوین اور ان کے عہد بعہد کی ترقیوں کی تاریخ لکھی جائے، اکابر سلف کی سوانح عمریاں ترتیب دی جائیں، ان میں زیادہ تر ان کے مجتہدات اور ایجادات سے بحث ہو، عربی زبان کی نادر اور کمیاب کتابوں کے تعارف کے ساتھ ان پر ریویو لکھا جائے، اور دکھایا جائے کہ ہمارے اسلاف نے ان خزانوں میں کیا کیا زر و جواہر امانت رکھے ہیں، اور سب سے آخر بلکہ سب سے اول یہ ہے، کہ قرآن مجید کے متعلق جو عقلی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور اخلاقی مباحث پیدا ہوگئے ہیں، ان پر محققانہ مضامین شائع کئے جائیں،

اگر صرف انہی پیش نظر مقاصد کی تکمیل پر قناعت کرلیں، تو بھی ہمارے نزدیک بہت بڑا کام ہے، لیکن چونکہ یہ مضامین قدرۃً روکھے، پھیکے اور بے مزہ ہوں گے، اس لئے مذاق عام کی رعایت کے خیال سے ادبیات، مباحث حاضرہ، انتقاد و تقریظ، استفسارات علمیہ، مطبوعات جدیدہ وغیرہ کے دلچسپ عنوانات کے تحت مضامین شائع کرکے ان کی تلخی دور کرنے کی کوشش کریں گے،

(معارف ماہ جولائی ۱۹۱۶ء)

## (۲)

معارف کی اشاعت کے اعلان کے جواب میں ایک صاحب بانکی پور سے تحریر فرماتے ہیں:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

چونکہ آپ اور آپ کی جماعت مولانا ابو الکلام آزاد "رحمۃ اللہ علیہ" کی مخالف ہے، اور ان کی عیب جوئی کرتی ہے، اس لئے آپ کے پرچہ کا خریدار ہونا کبھی منظور نہیں کر سکتا، زیادہ والسلام، آیندہ سے احتیاط۔

اس آزادی وحریت کے شیدائی نے اپنا نام واضح لکھنے کے بجائے اپنے مرموز دستخط پر قناعت کی ہے، نام کا ایک جز، شاید ممی ہے، عجب نہیں کہ بیرسٹر بھی ہوں، مولوی ابو الکلام آزاد سے شاید ان کو اس وقت سے واقفیت ہو، جب وہ مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ ہیں، لیکن مجھکو ان کی خدمت میں اس وقت سے نیاز حاصل ہے، جب وہ ابو الکلام آزاد بھی نہ تھے، بہتر تو یہ تھا، کہ میں اپنے اور ان کے تعلقات کی توضیح کے لئے آخر میں ان کے خطوط شائع کر دیتا، لیکن اس سے بہتر یہ ہے، کہ ہر نادان سے الجھ جانا کوئی سلامت روی نہیں ہے، اگر یہ الزام بالفرض صحیح بھی ہو، تو یہ کس آئین حریت کا اقتضا ہے، کہ زید عمر کا اگر مخالف ہے، تو اس کے انتساب کی ہر نیک وبد شے ممنوع ہو جائے، عصبیت رائے درحقیقت اس نخل بار آور کا ثمر ملعون ہے،

سنا ہے کہ علی گڑھ کالج کے ایک نیم تعلیم یافتہ نوجوان جن کی رگوں میں ہاشمی سیادت کا خون اب تک جوش مارتا ہے، اسی قسم کی غلط فہمی وہ بھی لوگوں میں پھیلا رہے ہیں، کوئی ان دور دستان نزدیک سے پوچھے، کہ اگر اہل خلوت میں باہم آرا کا تخالف بھی ہو، تو بیگانہ وشوں کو جھانک تاک اور خلل اندازی کی کیا ضرورت ہے، مولانا ابو الکلام کا حقیقی قدر شناس ہم سے زیادہ کوئی نہ ہوگا، لوگوں نے سنا ہے، اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے،

### گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

ہم نے بحمد اللہ اس بزرگ کی آغوش میں تربیت پائی ہے، جو ہندوستان کے فرزندان حریت کا بابا آدم تھا، اور ان دوستوں کی صحبت اٹھائی ہے، جو اس فن شریف کے اصحاب درس وتعلیم ہیں، نیز ان بزرگوں کی خدمت میں بھی نیاز حاصل رہا ہے، جن کو عباد استبداد اور پرستاران مصلحت بھی کہا جاتا ہے۔

رہا ہوں رند بھی اے شیخ پارسا بھی
مری نگاہ میں ہیں رند و پارسا اک اک

نہ تنہا سب وشتم اور طعن وتعریض حریت وروشن ضمیری ہے، اور نہ صرف قومی خدمت گذاروں کی خردہ گیری کوئی مذہب کا عمل اکبر ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسلام کا فرض اول ہے، لیکن فریضۂ اولین عمل ذاتی ہے، صرف دوسروں کو ٹوکنا ہی حق نہیں ہے، حق یہ ہے، کہ تم خود بھی کرو، اور دوسروں کو بھی دعوت دو، ورنہ حافظ کا طعن سننا ہوگا، ع

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

ملک میں قدیم وجدید تعلیم یافتوں کی دو برابر کی جماعتیں قائم ہیں، ہمارے کام کا پروگرام تو ایسا تھا کہ ان دونوں کے درمیان سلسلۂ اتصال کا کام دیتا، لیکن کبھی کبھی ہم کو عجیب وغریب مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور وہی وقت ہوتا ہے، جب ہمارے کانوں میں یہ آواز آتی ہے،

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیب است سالک را
خجل ہستم ز کفر خود کہ دارد بوئے ایماں ہم

فریق اول کہتا ہے، کہ یورپ کے علوم کی آمیزش سے تم قدیم علوم کے حرم اقدس کی توہین کرتے ہو، جدید فرقہ الزام دیتا ہے، کہ پرانے اور فرسودہ علوم کو زندہ کر کے تم ہمارے پاؤں میں وہی زنجیریں ڈالنا چاہتے ہو جن کو پچاس برس کی محنت میں ہم نے بڑی مشکل سے کاٹا ہے، حقیقت حال پر نظر ہو تو دونوں ہی پر اپنی اپنی غلطی آپ منکشف ہو جائے، یورپ کے علوم، قدیم علوم کی معصومیت میں رخنہ انداز نہیں، بلکہ ان کے حسن وجمال کی افزائش کا سامان ہیں، دوسرے فریق سے کہنا ہے، کہ اسلاف کے متروکہ علوم کو ذرا صیقل کر کے دیکھو زنجیر پا نہیں، تمہارے پاؤں کا خلخال ہیں، ورنہ سچ یہ ہے، کہ یورپ کے دیس میں تم غریب ونادار والدین کی وہ نادان بیٹی ہو، جو صرف سسرال کی دولت پر نازاں ہے،

اصل یہ ہے، کہ ہماری قوم کی مختلف ضرورتیں ہیں، ان میں سے کسی ضرورت کو کوئی بے سود نہیں کہہ سکتا، ہم کو طبعیات، فلسفہ اور علم النفس کی بھی ضرورت ہے، اور فقہ واصول وتفسیر کی بھی، اگر تم اپنے مذاق کے مطابق دنیا کا فیصلہ کرتے ہو، تو اس کے یہ معنی ہوں گے، کہ ایک طبیعی کے نزدیک نفسیات کا دلدادہ اتنا ہی احمق ہے، جتنا ایک فلسفی

کی نگاہ میں ایک منقولی، حالانکہ ہمیں دونوں کی ضرورت ہے، اور ترمیم کے ساتھ ہم دونوں کے طالب ہیں،

کار مستوری و شاہد طلبی ہر دو خوش است  شکر ایزد کہ ہم ایں خواہم و ہم آں خواہم

لوگوں کو یاد ہوگا، کہ الندوہ کی ابتدائی اشاعتوں میں ہمارے ہم درس اور دوست مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی، کے مضامین چھپا کرتے تھے، ندوہ سے فراغت کے بعد انھوں نے انگریزی تعلیم شروع کی، اور امسال انھوں نے علی گڑھ کالج سے ایم، اے، کا امتحان پاس کیا ہے، اور ان کے متعلق بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے، کہ وہ مشرقی و مغربی علوم کے مجمع البحرین ہیں، اور یہی دار العلوم ندوہ کا منتہائے خیال ہے، کہ یہاں کے فضلا مشرقی اور مغربی دونوں علوم میں درک رکھتے ہوں، خوشی کی بات ہے، کہ گورنمنٹ نے ان کی قدر دانی کی، اور ان کو ایک گرانقدر مشاہرہ پر صوبہائے متحدہ کے عربی مدارس کا انسپکٹر مقرر کیا ہے، آج اگر استاذ محترم زندہ ہوتے، تو ندوہ کے تخیلات کی اس عملی وسعت اور اپنے فرزندان معنوی کی ان کامیابیوں کو دیکھ کر ان کو بے انتہا مسرت ہوتی،

اشاعت اسلام کی ضرورت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، لیکن مسلمانوں کا یہ قومی خاصہ ہے، کہ ان کی قوت میں اشتعال صرف وقت اور موقع کے تاثرات سے ہوتا ہے، ایک عربی شاعر اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے، ؎

اذا ایقظتک حروب العدیٰ  فنبہ لہا عمراً ثم نم

جب دشمنوں کی لڑائیاں تجھے بیدار کریں، تو ان کے لئے عمر کو جگا دے پھر سو جا،

چند سال گذرے کہ آریوں کی ہما ہمی سے تمام ہندوستان اشاعت اسلام کے نعروں سے گونج اٹھا تھا ندوہ میں مجلس اشاعت اسلام قائم ہوئی، دلی میں ہدایۃ الاسلام کی تاسیس ہوئی، علی گڑھ میں بھی اس غرض کے لئے ایک مجلس کی تشکیل کی گئی، اور بھی مختلف مقامات پر اسلام کے پہلوانوں کے الگ الگ اکھاڑے قائم ہوئے، لیکن ادھر آریوں میں سکون کا پیدا ہونا تھا، کہ ہم سب بستر راحت پر دراز تھے،

ہم نے اشاعت اسلام کی تجویز پر کافی غور کیا ہے اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ہم کو ہر اسکیم کے عمل میں لانے کے لئے آل انڈیا کا تخیل چھوڑ دینا چاہئے، ہم سمندر میں جنبش پیدا کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ وہ مستقل ہے، سمندر کو نہروں اور نالوں میں تقسیم کر دینا چاہئے، پنجاب میں جو مجلس اشاعت اسلام قائم ہو رہی ہے، ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، وہ عین ہمارے خیال کے مطابق ہے، آئندہ نمبر میں ہم اپنے خیالات مفصل اور خاتم البحث کے طور پر عرض کریں گے، (معارف ماہ اگست ۱۹۱۶ء)

ہمارے پاس جزیرہ ٹرینی ڈاڈ واقع غرب الہند امریکہ سے تاجران کلکتہ کے ذریعہ ایک استفتا آیا ہے، نفس استفتا کا جواب تو الگ سے دیا گیا ہے، لیکن اس ضمن میں جزیرہ کے متعلق بعض نہایت دلچسپ معلومات ہیں، اس جزیرہ میں کل اقوام کی آبادی ۳۷۵۰۰۰ ہے۔ اس میں تقریباً پندرہ ہزار مسلمان ہیں، کس کو خیال ہو سکتا تھا، کہ اس دور دراز خطہ میں بھی ہمارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر معتد بہ امت موجود ہوگی،

اس تعداد میں زیادہ تر ہندوستان کے مزدور پیشہ اشخاص ہیں، اور کچھ وہ ہیں، جو مسلمانوں کی دعوت اور ہدایت سے مشرف باسلام ہوئے ہیں، ان کا بڑا حصہ نوشت وخواند سے محروم ہے، چند مسلمان کسی قدر تعلیم یافتہ بھی ہیں، وہی یہاں اپنی استطاعت کے مطابق اسلام کی اشاعت کا فرض انجام دیتے ہیں، عیسائی اور آریہ مبلغین یہاں بھی نبرد آزما ہیں، لیکن یہی ضعیف مسلمان ان کے مقابلہ میں آتے ہیں، اور صرف خدائے لایزال کے غیر مرئی دست وبازو کی اعانت سے فتح پاتے ہیں، اور ہر ہفتہ میں دو چار آدمی حلقۂ اسلام میں داخل کر لیتے ہیں،

انہی مسلمان مشنریوں اور مبلغوں کی کوششوں سے اس جزیرہ میں ۴۰ مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں، اور بغیر مزد و اجرت صرف رضائے الٰہی کی خاطر امامت اور دیگر دینی فرائض ادا کرتے ہیں، گورنمنٹ کی طرف سے ایک خاندانی اور مذہبی بزرگ یہاں کے قاضی ہیں مسلمان ان کے نہایت مداح ہیں، اور ان کی نہایت عزت کرتے ہیں،

ہم کو یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے، کہ ملک میں خالص علمی چیزوں کی تاسیس اور ان کی اشاعت کے سامان پیدا ہوتے جاتے ہیں، دکن میں انجمن ترقی اردو جناب مولوی عبد الحق، بی، اے، کے زیر نظامت دو سال سے مفید تصنیفات کی اشاعت میں غیر معمولی مستعدی ظاہر کر رہی ہے، اور اب ہمارے دوست مولوی ظفر علی خاں بی، اے، سابق ایڈیٹر زمیندار، و دکن ریویو اور ہمارے صدیق محترم مولانا عبد اللہ العمادی پنجاب میں "دائرۂ معارف مشرقیہ" قائم کر رہے ہیں، دعا ہے، کہ کارساز عالم ان بے لوث خدمت گذاران علم کو ان کے ارادوں میں کامیابی، اور ان کے کارناموں میں جلا نصیب فرمائے،

غلام ہمت دردی کشان یک رنگم
نہ آن گروہ کہ ازرق لباس ودل سیہ اند

اہل یورپ کو ایجاد واختراع پر جو قدرت ہے، اس کا نمونہ صرف مادی عوامل میں ہم کو نظر آتا ہے،

بلکہ کتابوں، تحریروں اور تالیفات میں بھی نظر آتا ہے، سینٹ زویر کالج کلکتہ کے ایک لائق پادری نے عجیب وغریب جدید مسئلہ کا اختراع کیا ہے، یعنی یہ کہ شہنشاہ ہند اکبر کے حرم میں مریم نام کی ایک ارمنی خاتون تھی، ہم اس عجیب اختراع تاریخی کی ندرت سمجھنے سے قاصر ہیں، اگر ان کی تھیوری صحیح ہے، تو ایک مسلمان شہنشاہ ہند کی محل سرا میں ایک عیسائی خاتون کو دیکھ کر وہ اس قدر ششدر کیوں ہیں، خلفائے بغداد کے شکستہ محلوں، شاہانِ اندلس کے برباد شدہ قصروں اور سلاطین مصر کے منہدم ایوانوں اور قسطنطنیہ کے موجودہ حرم سراؤں میں ان کو "وصائف مسیحات" کی غیر معمولی قطار نظر آئے گی، جو عجب کیا ہے، کہ ان کی قومی فرحت وانبساط کے لئے غیر معمولی سرمایہ ہو،

اصل مضمون کی اشاعت کے بعد ہم اس موضوع پر مفصل لکھیں گے،

(معارف ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء)

(۴)

خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب جو البشیر نام کے ایک زعفران زار اخبار کے ایڈیٹر ہیں گو ان کے اختراعات اور جدت طرازیوں کی داد دیتے دیتے ہم تھک گئے ہیں، لیکن مسلمانوں کو یہ فخر کرنا چاہئے کہ ان کا یہ مایۂ ناز صناع اپنی صنعت گری کے نت نئے تماشے دکھانے سے نہیں تھکتا، ان کی ایک تازہ ایجاد ۲۶ ستمبر کے البشیر میں ظاہر ہوئی ہے، ان کے نزدیک دنیا اور اس کی ضرورتیں صرف ایک ہی گھروندے سے عبارت ہے، جس کا نام ان کی زبان میں "علی گڑھ کی مرکزیت" ہے حاشا کہ ہم علی گڑھ کی تحریک کے مخالف نہیں ہیں، لیکن اس کے نادان دوستوں کی حمایت پر بے اختیار ترحم آمیز ہنسی آتی ہے،

دار المصنفین کے قیام وتاسیس اور ترقی کی داستان اگر ان کے لئے خوش آیند نہیں، تو ہم ان کے لئے دعا کریں گے، کہ خدائے پاک انھیں عمر دراز دے، کہ ملت مرحومہ کی ایک ایک ضرورت کی تکمیل کے لئے سیکڑوں مرکزی مجامع اور مجالس ان کی آنکھوں کے سامنے آجائیں، غالباً یہ متوقع الحصول موقع ان کے لئے سب سے زیادہ اندوہ گیں اور پرحسرت ہوگا، ع

مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف نے اب تاریخ دانی میں بھی بے انتہا مہارت حاصل کرلی ہے،

وہ تاریخ کو محض واقعات کا تذکرہ نہیں سمجھتے، بلکہ فلسفیانہ انداز پر اس سے استنباط نتائج، اعتبار عواقب، فکر مستقبل کی ضرورت جانتے ہیں، فرماتے ہیں، کہ اسی لامرکزیت کا اثر تھا کہ حکومت مغلیہ اور ترکی میں صوبوں کے انحلال و استقلال سے ضعف آگیا، یا للحیرۃ و یا للعجب یہ صوبوں کا مجرمانہ گناہ تھا، یا مالک تخت و تاج کا ضعف، اور عدم قابلیت نظم و استیلا، انہیں فلسفۂ تاریخ کا ایک اور مسئلہ بھی معلوم ہونا چاہئے، کہ کسی قوت کے ضعف و انحلال کے بعد نئی قوتوں کا ظہور فطرۃً لازم ہے کہ اللہ کی سرزمین بے نظام نہیں رہ سکتی، کیا وہ یہ چاہتے ہیں، کہ محمد شاہ اور سلطان عبدالعزیز اپنی رنگ رلیوں میں رہیں، اور صوبے اپنا سر نیاز آستانِ عقیدت پر خم کئے رہیں،

دار المصنفین کی عدم اہمیت کی ان کے نزدیک سب سے بڑی دلیل یہ ہے، کہ وہ اس سے واقف نہیں ہیں، اس بنا پر تو دنیا کی بڑی بڑی مہمات کو سب سے زیادہ ماتم کرنا ہوگا، کہ ان کو مولوی صاحب موصوف سے تعارف کا شرف کبھی حاصل نہیں ہوا،

لذت شناسِ رندی و مستی نبودہ است
آن بوالہوس کہ در گرہِ عز و ناز بود

استاذ مرحوم نے وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل میں جو مضامین لکھے تھے، ہمارے ایک ندوی عزیز مولوی معین الدین قدوائی نے بڑی محنت و تلاش سے ان کو یکجا کیا ہے، عنقریب وہ طبع ہوں گے، اس کا نام "مضامین شبلی" ہوگا، عزیز موصوف مولانائے مرحوم کی تقریروں کا مجموعہ بھی شائع کرنا چاہتے ہیں، جو "خطباتِ شبلی" کے نام سے موسوم ہوگا، مکاتیب شبلی کی دوسری جلد زیر طبع ہے، تین سو صفحہ کے قریب چھپ چکی ہے،

صدیق محترم مولانا ابو الکلام آزاد دہلوی اطال اللہ بقاءہٗ کے البلاغ سے لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ قرآن کریم کی چند سال سے تفسیر لکھنے میں مصروف ہیں، عربی زبان کے مشہور انشا پرداز علامہ زمخشری نے قرآن مجید کی تفسیر کشاف لکھ کر ادب عربی پر الگ اور مباحث اسلامی پر الگ جو غیر فانی احسانات کئے ہیں، ہندوستان اور زبان اردو کے زمخشری سے اس سے کم توقع نہیں کی جا سکتی،

وہ گذشتہ سال سورۂ نساء تک کی تفسیر مکمل کر چکے تھے، تحریر میں اختصار مد نظر تھا، صرف انہی آیات کی تفسیر پر اکتفا کیا تھا، جن کی کسی خاص حیثیت سے بالفعل ضرورت ہے، یا جن تفسیروں میں ان کو دیگر مفسرین سے اختلاف تھا، لیکن مسلمانوں کی ضرورتوں یا قرآن مجید کے معجزات معنوی کو کہاں تک مختصر کیا جا سکتا ہے، جب انھوں نے اعادۂ نظر کیا،

25496
108/072
0009809

تو ہر جگہ تفصیل کی ضرورت محسوس ہوئی، اور اب انھوں نے دوبارہ نئے سرے سے پھر تفصیل و تشریح کے ساتھ لکھنا شروع کیا ہے، جس میں احکامِ فقہیہ، مباحثِ کلامیہ، مہماتِ ادبیہ، اختلافاتِ مجتہدین ہر چیز پر نقد و تبصرہ و فیصلہ و تحقیق و کاوش ہوگی،

---

اس سلسلہ میں ارباب علم کو ایک اور خوان نعمت کی ہم خوشخبری سناتے ہیں، عربی زبان میں عقلی طور پر تفسیر کبیر امام رازی کے طرز پر جو تفسیریں لکھی گئیں، ان میں سب سے بہتر ابو مسلم اصفہانی المتوفی ۳۲۲ھ کی تفسیر ہے جس کی خود امام رازی نے بے انتہا داد دی ہے، اور جا بجا ان کی تفسیر کے اقوال بلفظہا انھوں نے نقل کئے ہیں، تفسیر مذکور اب دنیا سے ناپید ہے، اس کا ایک صفحہ بھی کہیں مل جائے، تو قدر دانوں کے نزدیک لعل و گوہر سے بھی گراں تر ہے،

جن قدمائے مصر و یونان و روم کی تصنیفات ناپید ہو گئی ہیں، اور پچھلی کتابوں میں ان کے جو حوالے اور نقلیں موجود ہیں، ان کو یورپ نے یکجا کر دیا ہے، جس سے گم شدہ شے کی ایک حد تک تلافی ہو گئی ہے، ہم یہ چاہتے تھے کہ تفسیر کبیر کے ناپیداکنار دریا میں ابو مسلم اصفہانی کے جو گہر ہائے آبدار پڑے ہوئے ہیں، ان کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا جائے، تفحص و تلاش سے پتہ چلا ہے، کہ اس مقصد میں بے انتہا کامیابی ہو سکتی ہے، چنانچہ مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین اس خدمت میں مصروف ہیں، جس رفتار سے وہ کام کر رہے ہیں، اس سے امید ہوتی ہے، کہ چند مہینوں میں یہ اختتام پہنچ جائے گا، اس کے بعد طباعت کا مسئلہ ہے، ٹائپ تو میسر نہیں آسکتا، عمدہ لیتھو میں نہایت خوش اسلوبی سے انشاء اللہ العزیز طبع ہو جائے گا۔

---

انجمن ترقی اردو اگر اپنا اجلاس کانفرنس سے الگ کرتی ہے، تو دوازدہ سالہ تجربات کے خلاف نہیں کرتی، گذشتہ سال جب مجھے اس کی صدارت کا شرف حاصل ہوا تھا، تو اجلاس سے صرف ڈیڑھ دو روز پہلے مجھے اس کا علم ہوا، بہرحال جلدی جلدی مجھ سے جو کچھ بن آسکا، اس کے لئے ایڈریس لکھ کر اس کے نذر کیا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ اس جلدی میں یہ کچا پکا کھانا بھی احباب کو پسند آیا۔ اس علحدگی کا سب سے پہلا فائدہ تو ہم کو یہ نظر آیا، کہ بجائے ۱½ دن کے اب ۹۰ دن پہلے صدر نشین کو اپنے فرض کے انجام دینے کا موقع مل گیا،

لیکن اصل سوال یہ ہے کہ اب تک خیر اسی کی شکایت تھی، کہ کانفرنس کی حیثیتِ طفیلی کے ساتھ مہمانی سے فائدہ اٹھانے کا ہم کو موقع ملتا ہے، لیکن اب جب کہ بلا شرکت غیرے تنہا ضیافت کا سامان ہاتھ آیا ہے، تو تین شب و روز کی

کثیر مقدار کیوں کر کھائی جا سکے گی، (معارف اکتوبر ۱۹۱۶ء)

## (۵)

ہز ہائنس مہاراجہ گیکواڑ بڑودہ کی روشن دماغی، تدبر، نظم وسیاست محتاج بیان نہیں، لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کی علم دوستی، علم کی قدر دانی اور علم کی اشاعت کا ذوق وشوق قابل ذکر ہے، بڑودہ کالج گو بمبئی یونیورسٹی سے ملحق ہے، لیکن وہاں کے پروفیسروں کی لیاقت، طلبہ کا ہجوم اور تحصیل علم کے لئے ان کا ذوق وشوق تعجب انگیز ہے، غالباً ۱۹۱۰ء میں ایک مرتبہ خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کہ مرہٹی خاتونیں اس کالج میں فارسی زبان میں امتحان دے رہی ہیں،

بڑودہ کے دائرۂ حکومت کا کوئی گوشہ مکتب اور مدرسہ سے خالی نہیں ہے، اسلامی حکومت کے عہد میں بڑودہ مسلمانوں کا ایک ممتاز مرکز تھا، اس وقت بھی اس ریاست میں مسلمان ۸ فی صدی ہیں، اور ان کے اپنے مکاتب اور مدارس ہیں، جن کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہے،

حال میں ہز ہائنس نے اسی بڑودہ کالج میں موازنۂ مذاہب (SEMINAR FOR THE COMPARATIVE STUDY OF RELIGION) کے نام سے ایک شعبہ کا اضافہ فرمایا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کا اصولی اور عقلی نظر سے باقاعدہ مطالعہ کیا جائے، اور ان کے فرق وامتیاز اور اصول وفضائل کی نکتہ سنجی کے ساتھ تحقیق کی جائے، بمبئی یونیورسٹی نے بھی کالج کے اس جدید شعبہ کو منظور کر لیا ہے، اس شعبہ میں یورپ کی ان تمام تصنیفات ورسائل کا بڑا ذخیرہ اکٹھا کر لیا گیا ہے، جو موازنۂ مذاہب کے سلسلہ میں وہاں مدون ہوئے ہیں، اس شعبہ کے صدر، (ڈائرکٹر آف اسٹڈیز) پروفیسر وجری ایک روشن خیال فلسفی ہیں، جرمنی میں تعلیم پائی ہے، فرنچ اور گریک سے بھی واقف ہیں،

اس شعبہ میں بالفعل رفاقت (فیلوشپ) کی تین جگہیں مقرر کی گئی ہیں، ہر فیلو کو ایک ۱۲۰ سو بیس روپیہ وظیفہ ملے گا، جن کا ایک سال کے لئے انتخاب ہو گا، ان سے اطمینان کے بعد دو تین سال کی اور بھی توسیع ہو سکتی ہے، ان تین رفقاء میں ایک سنسکرت کا عالم ہو گا، ایک عربی کا فاضل اور ایک پالی زبان یا فلسفہ کا ماہر ہو گا،

ان رفقاء کا فرض ہو گا، کہ چار گھنٹہ روزانہ یا ہفتہ میں پانچ دن ڈائرکٹر سے یا سینیر رفقاء سے یا خود اپنی محنت سے

اور شوق سے مذاہب کی تحقیق و کاوش میں مصروف ہوں، شعبہ کی طرف سے خاص خاص عنوانات پر تصنیفات و رسائل بھی شائع ہوتے رہیں گے،

اس شعبہ کے دستور کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ ملک کی دوسری علمی مجلسوں کو بھی وہ اپنی تحقیق و کاوش میں شریک کر سکے گا، چنانچہ اس کے رو سے اس نے انسٹی ٹیوٹ آف فلاسفی املنیر کو بھی اپنا شریک کار بنایا ہے، اسلامی علوم و مسائل کی تحقیق و دفع شبہات میں مشاورت کے لئے دار المصنفین (شبلی اکاڈیمی) کو اپنا مرجع قرار دیا ہے،

(معارف نومبر ۱۹۱۶ء)

## ( ۶ )

## اردو انسائیکلوپیڈیا

ہندوستان کی علمی ترقی کا شور و غل اُس وقت تک بے اثر ہے، جب تک کہ اس میں جامعیت پیدا نہیں ہوتی، ہندوستان مختلف نسلوں، مختلف مذہبوں، مختلف قوموں اور مختلف زبانوں کا گہوارہ ہے، ان مختلف المذاہب مختلف النسل، مختلف اللسان لوگوں کو ایک قوم بنانا صرف اسی طریقے ممکن ہے کہ ان میں نسلی یا مذہبی یا لسانی اتحاد پیدا کیا جائے، نسلی حیثیت سے ان کو ایک کرنے کا خیال ناقابل عمل ہے، مذہبی حیثیت سے ان کو متحد کرنے کا خیال گو ممکن ہے، لیکن اس کا بھی عمل میں آنا تقریباً محال ہے، جس کو سوچا نہیں جا سکتا، یہاں کے مختلف النوع لوگوں کو اگر ہم ایک قوم بنانا چاہتے ہیں، تو صرف زبان کا اشتراک ایک ایسی چیز ہے، جس کی بنیاد پر تمام لوگوں کو ایک متحد قوم بنایا جا سکتا ہے،

اب سوال یہ ہے، کہ ہندوستان کی سینکڑوں زبانوں میں سے کس زبان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ملک کی مشترک زبان بن سکے، اور پھر اس صلاحیت اور استحقاق کے لئے اس میں کن خوبیوں کی ضرورت ہے،

۱۔ ایک تو یہ کہ اس میں تمام ملک میں چھا جانے کی صلاحیت ہو،
۲۔ کسی صوبہ کی مخصوص زبان نہ ہو، بلکہ وہ عام طور سے ملک کے ہر گوشہ اور ہر حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہو،
۳۔ علوم و فنون کے لحاظ سے ذی ثروت ہو، اور ہر قسم کے بلند خیالات کا اس میں ذخیرہ موجود ہو،

دو اول الذکر حیثیتوں سے اردو زبان کے ترجیحی پہلو کو کوئی دبا نہیں سکتا، اردو سے زیادہ کسی اور زبان میں

ایک عام اور ملکی زبان بننے کی قابلیت نہیں ہے، ملک کی دوسری زبانیں صرف بھاشا اور سنسکرت کی پیداور ہیں، لیکن اردو نہ صرف ہندوستان کی تمام زبانوں کا مجموعہ ہے، بلکہ غیر ملکی زبانوں کے الفاظ بھی آگئے ہیں۔ اس لئے ہندوستان کی متحدہ قومیت کی ترجمان بننے کی اردو سے زیادہ کسی اور زبان میں صلاحیت نہیں ہے۔ بنگالی زبان ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے رہنے والوں کے لئے بالکل بیگانہ ہے، یہی حال مرہٹی اور گجراتی زبانوں کا ہے، کہ اپنے علاقوں کے باہر بالکل اجنبی ہیں، برخلاف اس کے اردو زبان ملک کے ہر حصہ، ہر صوبہ اور ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، اور مسلمانوں کی تو مادری زبان ہے، ملک کے بڑے بڑے صوبوں مثلاً پنجاب، دہلی، صوبہائے متحدہ بہار اور تمام اسلامی ریاستوں کے تمام ہندو مادری زبان کی طرح اس کو بولتے ہیں، بنگال، مدراس، بمبئی، ممالک متوسط، راجپوتانہ، بڑودہ اور کشمیر میں وہ اس کو نہایت آسانی سے سمجھتے ہیں، اور ضرورت کے وقت اسی میں اظہار خیال کرتے ہیں،

وجوہ بالا کی بنا پر اردو زبان کو ملک کی عام زبان بننے کا دعویٰ ہے، جس کی تردید ناممکن ہے، ہندوستان کی مختلف قوموں اور نسلوں کا باہم میل جول، اختلاط اور اشتراک جس حد تک ترقی کرتا جائے گا، اسی حد تک اردو زبان کی ہمہ گیری اور عالمگیری بھی بڑھتی جائے گی، اگر ہندوستان سے انگریزی زبان چھین لی جائے، اور یہ فرض کر لیا جائے، کہ تمام صوبوں اور گوشوں کے نمایندوں کی ایک عظیم الشان مجلس شوریٰ قائم ہے، اور ہمارا قومی اسپیکر اسٹیج پر آتا ہے، تو وہ کس زبان میں اس مجلس شوریٰ کو مخاطب کرے گا، وہ جوش اور جذبات سے لبریز ہے، کیا پنجابی زبان اس کے خیالات کی ترجمانی کرے گی، کیا بنگالی اور مرہٹی زبانیں اس مختلف اللسان مجمع کی گرہ کشائی کر سکیں گی، صرف ایک ہی زبان یعنی اردو اس عظیم الشان مجلس شوریٰ کو مخاطب کرنے کے لئے استعمال کی جائے گی،

اب ایک چیز رہ گئی یعنی یہ کہ ہماری آیندہ مشترک اور عام بننے والی زبان علوم و فنون کے لحاظ سے دوسری تمام زبانوں سے دولت مند اور ذی ثروت ہو، اور ہر قسم کے بلند خیالات کی تعبیر کا اس میں سامان ہو، موجودہ حالت میں بلاشبہ اردو زبان، بنگالی، مرہٹی اور ملک کی اور دوسری زبانوں کے مقابلہ میں بازی نہیں لیجا سکتی، ابھی علے ہم کو اردو زبان کے ملکی اور عام اور مشترک زبان تسلیم کرانے کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے، کہ ہم علوم و فنون کا ایک بڑا ذخیرہ اس زبان میں فراہم کریں، جو علمی، ادبی، قومی، تجارتی، سیاسی، تمدنی، اخلاقی ہر قسم کے علوم و

خیالات کے ادا کرنے اور تعبیر کرنے کی کفالت کر سکے، ایسا مجموعہ اردو کے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے،

لیکن یہ اس قدر اہم اور مصارف طلب تجویز ہے، کہ ہندو مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس کے لئے باسانی آمادہ نہیں ہو سکتا، اس کی تالیف اور طبع و اشاعت کے لئے ایک شاہی خزانہ اور شاہنشانہ عزم اور حوصلہ مندی کی ضرورت ہے، اس قسم کے کام ہمیشہ امرا اور سلاطین زمانہ کی زرپاشیوں سے انجام پاتے ہیں، گو آج ہم میں بکرماجیت، سوائی سنگھ، مامون الرشید اور اکبر نہیں ہیں، لیکن

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد

ہم میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں، جو اپنی حوصلہ مندیوں اور فیاضیوں کے لحاظ سے ہمارے موجودہ دور تاریخ کے بڑے بڑے ہیرو ہیں، ان میں کا ہر شخص جو مسلمانوں کے جامعہ اسلامیہ کے لئے ایک لاکھ دے سکتا ہے، وہ ہندو مسلمانوں کی متحدہ زبان کی ترقی، اور اس کی انسائیکلوپیڈیا کی تالیف کے لئے کیا لاکھ دو لاکھ نہیں دے سکتا، ہم کو اطمینان ہے، کہ ہمارے قومی فیاضوں کا دست کرم اس تجویز کی اعانت سے کوتاہ نہیں ہے،

دوسری مشکل مولفین اور ارباب قلم کی ایک کثیر جماعت کے حصول کی ہے، لیکن سرمایہ کے امکان کے بعد ہم اس مشکل کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، ایک دو چیف ایڈیٹر بے شک نہایت لائق درکار ہیں، لیکن الحمد للہ کہ یہ دولت حاصل ہو چکی ہے، ان کے علاوہ متوسط لیاقت کے ۲۰ مترجم، اور انگریزی انشا پرداز ہم کو چاہئیں، ان کا گریجویٹ ہونا ضروری نہیں ہے، لائق ہونا البتہ ضروری ہے، انگریزی کے ساتھ جو کسی قدر عربی سے واقف ہوں گے، ان کو ترجیح دی جائے گی، ماہوار تنخواہ کے بجائے کام کا معاوضہ صفحات کی تعداد پر ہوگا،

ہم کو کتابوں کی غیر معمولی تعداد کی بھی حاجت نہیں ہے، انگریزی میں انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا، پاپولر انسائیکلوپیڈیا، امریکن انسائیکلوپیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، عربی میں دائرۃ المعارف فارسی میں کشاف اصطلاحات الفنون جیسی جامع کتابیں موجود ہیں، اکثر مباحث پر نہایت قابلیت کے مضامین اردو کے مشہور علمی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے ممکن الحصول مواد اور ماخذ بھی ہیں، تحقیق و کاوش بھی نہایت احتیاط کے ساتھ ہوگی، اور انشاء اللہ چیف ایڈیٹروں کی قابلیت اور انکا تحقیقی ذوق

اس کو پایۂ اعتبار و استناد سے گرنے نہ دے گا،

ترجمہ و تالیف کے لئے جو لوگ درخواست بھیجنا چاہیں وہ حسب ذیل امور کا لحاظ رکھیں۔

۱۔ مولف و مترجم کے لئے مذہب و ملت کی تخصیص نہیں،

۲۔ انگریزی کی لیاقت اچھی اور مسلم ہو، اردو کا انشاپرداز ہو، فارسی بقدر ضرورت جانتا ہو، ان زبانوں کے ساتھ جو عربی بھی جانتے ہوں گے، یا جدید علوم و فنون کی کسی شاخ سے واقف ہوں گے ان کو ترجیح دی جائے گی،

۳۔ ترجمہ کا نمونہ آنا ضروری ہے،

۴۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے صفحہ کے برابر فی صفحہ کیا معاوضہ لیں گے،

(معارف دسمبر ۱۹۱۶ء)

# شذرات

## جنوری سنہ ۱۹۱۷ء تا دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء

### (۱)

معارف نے سنہ ۱۹۱۶ء کے اختتام پر اپنی عمر کی پہلی ششماہی پوری کی، یہ رسالہ ایسے وقت میں نکلا ہے، کہ تمام عالم حیات و ممات کی کشمکش میں مبتلا ہے، ہندوستان گو مرکز جنگ سے بہت دور ہے، لیکن حاکمیت و محکومیت کے قدرتی تعلق کی بنا پر اس کو بھی میدان جنگ کے اندر ہی سمجھئے، قانون کی سخت گیری ایک طرف اور سامان طبع کی کمیابی نے دوسری طرف ہندوستانی پریس کے پرانے اور کہنہ سال دفتروں کو ماتم کدہ بنا دیا ہے، پھر اطفال نوخیز کی داستان غم کیا سنائی جائے، جن کی زبان حال پر یہ مصرع ہے،

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے،

معارف میں جو کاغذ لگتا ہے، تمام ہندوستان میں آجکل کسی اردو رسالہ میں نہیں لگتا، با ایں ہمہ یہ صرف بطیب خاطر گوارا ہے، کہ احباب کی تواضع و مدارات میں فرق نہ آئے، لیکن آخر معارف کے قدر دانوں پر بھی تو کچھ فرائض عائد ہیں، یہ فقرہ اسلئے زبان قلم پر آگیا کہ

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے،

معارف کی نسبت ملک کے اکثر وقیع اور مشہور اخبارات و رسائل نے جن مادحانہ اور قدر دانانہ آرا کا اظہار کیا ہے، وہ ہمارے لئے نہایت حوصلہ افزا ہے، اکثر معاصرین اس کے مضامین کو اپنے اخبارات و رسائل میں شائع کر کے اپنی پسندیدگی اور قدر دانی کا ثبوت دیتے ہیں، ملک کا روشن خیال اور علم دوست طبقہ بحیثیت مجموعی اس کو وقعت دیتا ہے، اور عزیز رکھتا ہے پھر بھی ہم اپنے عیوب سے بے خبر نہیں ہیں، اپنے بعض دوستوں کے نیک مشوروں اور رایوں کو ہم نے خوشی سے سنا اور قبول کیا، وہ کہتے ہیں، کہ علمی مضامین کی خشکی اور تلخی کو گوارا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، لیکن جہاں طبیبوں سے فرمایش ہے، کہ قند و شکر کے اضافے سے دوا کی تلخی دور کی جائے کہ

وہ گوارا ہو، وہاں نفاست پسند مریضوں سے بھی التجا ہے کہ ان کو اپنی زبانوں کی قوت ذائقہ کی درستی کی بھی کوشش کرنی چاہیے،

---

دسمبر ۱۹۱۶ء کے آخری ہفتہ میں لکھنؤ ہندوستان کا وہ پُر رونق شہر بن گیا تھا، جہاں دنیائے ہند کی کائنات کا خلاصہ سمٹ کر آ گیا تھا، کانوں نے وہ سنا اور آنکھوں نے وہ دیکھا، جو زبان و قلم سے ادا نہیں ہو سکتا، ہندو مسلمانوں کا باہمی اتحاد گویا بحر ہند اور بحر عرب کا اختلاط تھا، ایک کا ساحل آریہ ورت کے دامن کو چھوتا ہے، اور دوسرا مسلمانوں کی بوم عرب کی آستین کو چومتا ہے[1]،

ہم کو اس اتحاد سے اس لئے مسرت ہے، کہ شاید اس سے ہندو مسلمانوں کے لئے بے معنی سوال کی طرح اردو ہندی کے لایعنی قصہ کا بھی خاتمہ ہو جائے، ہم کو اپنی امیدوں کا دیباچہ کانگرس کے پلیٹ فارم پر نظر آیا، جہاں اردو اور ہندی کے ترانے ایک ساتھ کانوں نے سنے، کانگرس کے مقرروں میں متعدد مقرر انگریزی، بنگالی، اور مرہٹی میں بولتے نظر آئے، اور ہم کو یقین آگیا، کہ اردو بے شبہ ہندوستان کی مشترک ملکی زبان ہے،

اس سلسلہ میں لکھنؤ میں جو اردو کانفرنس ہوئی، اس کی حوصلہ افزا تجویز سامنے آئی ہے، اس کانفرنس کے ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو قیصر باغ لکھنؤ میں جو دو اجلاس ہوئے، منتظمین کہتے تھے، کہ یہ انجمن ترقی اردو ہے، لیکن پبلک کا اصرار تھا، کہ ہم کو اردو کانفرنس چاہیے، لیکن اردو کانفرنس کی حقیقت کی وضاحت کے مسئلہ کو ایک مخصوص مجلس کے سپرد کر دیا گیا ہے، جس کا ایک ممبر ایڈیٹر معارف بھی ہے،

ہم کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبۂ علمیہ یعنی انجمن ترقی اردو سے تعرض نہیں، لیکن اگر وہ اپنے کو اردو کانفرنس نہیں بنا سکتی، تو ہم کو خود ایک الگ اردو کانفرنس بنانی چاہیے، جس کا دروازہ ہندو مسلمان دونوں کے لئے یکساں کھلا ہوا ہو، اور جو دونوں کے ممبروں سے مرکب ہو، اور اس کا بڑا مقصد راہ کے موانع کو ہٹا کر ملک میں اردو کی اشاعت اور ترویج ہو،

---

سیرۃ نبویؐ کے متعلق ہم لوگوں سے وعدہ کرتے کرتے تھک گئے، اور وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئے، لیکن حیرت ہے، کہ نامی پریس اپنے تغافل سے نہ تھکا، اعلیٰ قسم کے کاغذ کی نایابی کے باوجود چھ مہینے ہوئے کہ ہم نے آخر تک کیلئے

---

[1] سلاطین کے دامن اور آستین کو ہاتھ کے بجائے بوسہ دیا جاتا ہے،

مختلف اصناف کے کاغذ مہیا کر دیئے، اب پریس کا قطعی وعدہ ہے کہ اپریل ۱۷ء تک کتاب یقیناً چھپ جائے گی، لیکن ہم خود کچھ نہیں کہتے، کہ کارکنانِ قضا و قدر کو یہ بھی برا نہ لگے،

---

سیر الصحابہ جس کی تجویز گذشتہ مہینے کے پرچہ میں پیش کی گئی تھی، اس کا کام بحمد اللہ بہت حد تک انجام پاگیا ہے، پوری کتاب پانچ جلدوں میں ہوگی، چار جلدوں کی تالیف سے دار المصنفین بحمد اللہ فارغ ہوگیا ہے، اب بقیہ جلدیں زیر تحریر ہیں، ہر جلد چار پانچ سو صفحہ کی ہوگی، ہر جلد کی طبع و اشاعت پر غالباً آٹھ سو روپیہ صرف ہوگا، پہلے ایک دو جلدوں کے طبع و اشاعت کا سامان ہو جائے، تو بقیہ جلدیں انہی کے منافع سے چھپ جائیں گی،

اس کارِ خیر کی تکمیل میں اب تک مخدومنا مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کا سب سے بڑا حصہ رہا ہے، اور درحقیقت انہی کی فرمایش اور ایما سے یہ عظیم الشان کام شروع بھی کیا گیا، ہم قلم کے مزدوروں کا جو کام تھا، وہ انجام پا چکا، اب دولت کے امینوں کا کام ہے کہ وہ اپنا فرض بجا لائیں،

---

اردو انسائیکلوپیڈیا کی جس تحریک کا ہماری طرف سے اخبارات و رسائل میں اعلان ہوا تھا، اکثر اربابِ قلم اور معاصر اخبارات و رسائل نے دل سے اس کا خیر مقدم کیا ہے، جس سے ہم کو خوشی ہوئی، اس کام کی ابتدا اکتوبر ۱۷ء سے ہوگی، لیکن ابتدائی کام کا نقشہ ابھی سے تیار ہو رہا ہے، تمام علوم کو سترہ اصناف پر منقسم کیا گیا ہے، اور ہر صنف کو ایک دائرہ بنایا گیا ہے، اس طریقہ سے سترہ دائرے اب تک قائم کئے گئے، ہر دائرہ کا الگ الگ ایک دبیر خصوصی ہوگا، جو اس فن میں ملک کا مشہور اور قابل ترین عالم ہوگا، ملک کے جن فضلائے علمی اعانت کی امید ہو سکتی تھی، زبانی یا تحریری ان سے تبادلۂ خیال ہو گیا ہے،

اس انسائیکلوپیڈیا میں مغربیات کے علاوہ مشرقیات کا حصہ بھی جی لگا کر لکھا جائے گا، اور تحقیق کے معیار سے ذرہ برابر بھی فروتر نہ ہوگا، اس طرح یہ انسائیکلوپیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا بھی کام دے گی،

مغربیات میں تمام جدید علوم و فنون کے چیدہ اور منتخب حصے آجائیں گے، جدید علوم پر بیسیوں کتابوں کے لکھنے سے جو بات حاصل نہ ہوگی، وہ اس انسائیکلوپیڈیا کے ذریعہ سے ان شاء اللہ حاصل ہو جائے گی،

(معارف جنوری ۱۹۱۷ء)

## (۲)

## قافلہ کا آخری مسافر

# نواب وقار الملک مرحوم

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیئے واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے

نواب محسن الملک کی وفات پر ہم نے تدبر و سیاست کا ماتم کیا، مولانا نذیر احمد کے مرنے پر سحر نگاری اور بزم آرائی کا مرثیہ پڑھا، مولانا شبلی کی موت پر ہم نے علم کے فقدان پر نوحہ کیا، مولانا حالی کو رخصت کرتے ہوئے ہم نے سخنوری اور دقیقہ سنجی پر نالہ کیا، لیکن نواب وقار الملک کی رحلت پہ ہم قوم کا ماتم کرتے ہیں، اور اولوالعزمانہ اخلاق کی گمشدگی پر فریاد۔

یہ ہستی گراں مایہ جس نے ہماری دنیا کو، ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء میں الوداع کہا، ہمارے کارفرما قافلہ کا آخری مسافر تھا، اس کے بعد وہ دور جو انقلاب ہند کے بعد شروع ہوا تھا ختم ہو گیا، وہ دور جو انگریزی کالجوں کی کائنات نہیں بلکہ بوریا نشین مدارس کا نتیجہ تھی منتہی ہو گیا، وہ دور جو قدیم تعلیم اور قدیم اخلاق کے نمونوں کو پیش کرتا تھا، منقطع ہو گیا، یعنی آئندہ ہماری قسمت کے مالک عربی مدارس کے شملے نہ ہوں گے، بلکہ انگریزی درسگاہوں کے ہیٹ اور جیکٹ ہوں گے اب مشرق مشرق کی قومیت پر حکومت نہیں کریگا، بلکہ مغرب، اب لیڈری اور رہبری جمہور کے لیے جوش دل اور اخلاص عمل ضروری نہ ہوگا، بلکہ صرف ایک کامیاب عینک اور ایک عمدہ سوٹ، فیا ویلاہ علی فقید الاسلام و یا خیباہ المسلمین۔

۲؍ فروری سنہ ۱۹۱۷ء کو نواب وقار الملک مرحوم کے ماتم میں دار المصنفین بند رہا، شب کو تمام اہل شہر نے دار المصنفین کے کتب خانہ کے ہال میں جلسۂ تعزیت کیا، اور دیر تک مقرروں نے ان کے محاسن و فضائل بیان کئے، تمام مجمع سرتاپا اثر تھا، اور اس فقدان عظیم پر متحسر

---

اردو انسائیکلوپیڈیا کی اسکیم پڑھ کر بعض احباب کو تشویش پیدا ہو گئی ہے، کہ ان کانٹوں میں سیرت کا دامن کہیں نہ الجھ جائے، لیکن انھیں اطمینان رکھنا چاہیے، کہ آستانۂ نبوت کی خدمت گذاری اب جان کے ساتھ ہے، گو کتنے ہی دل فریب اور خوشنما تماشے آنکھوں کے سامنے آجائیں، لیکن اس آستانہ سے اب سر نہیں اٹھ سکتا،

ہر جلوہ مرا نتواند فریب داد
پروانۂ چراغ سر طور بودہ ایم

سیرۃ نبوی کی پہلی جلد دیباچہ سے لے کر ختم غزوات تک ۵۲۴ صفحوں میں تمام ہوئی، آخری صفحات بھی پریس میں جا چکے، دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، اور اس زمانۂ امن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کے بیان، حجۃ الوداع، تکمیل شریعت، وفات، شمائل، اخلاق، عادات اور ازواج و اولاد وغیرہ کے ذکر پر مشتمل ہو گی،

(معارف ماہ فروری سنہ ۱۹۱۷ء)

(۳)

اس مہینہ کا معارف آج شائع کیا جاتا ہے، لیکن اس کا مقصد صرف رسالہ کا شائع ہی کرنا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، رسالہ کے دیکھنے کے ساتھ ہی ناظرین کو نظر آئے گا، کہ کسی غیر معمولی اضطراب نے دماغ سے متجاوز ہو کر قلم دوات، روشنائی، کاغذ غرض تمام ادوات و آلات طبع و اشاعت پر اثر ڈالا ہے، غلطیاں اس کثرت سے ہیں کہ اگر یہ ایک جدت طرازی نہ ہوتی، تو کئی صفحہ کا غلط نامہ لگانا پڑتا، مضامین کی ترتیب بھی اچھی نہیں، شذرات میں بجز معذرت خواہی کے اور کچھ نہیں، لیکن اس کا کیا علاج کہ مقتضائے بلاغت یہی ہے کہ حرکات مضطربانہ میں کوئی ترتیب و نظم و نسق نہ ہو، شہر میں طاعون کی وبا عام طور پر پھیلی ہوئی ہے، تمام لوگ مضطرب اور مختل الحواس ہیں، معارف کا اڈیٹر اپنے مرکز سے دور اپنے وطن میں ہے، رفقاء و فیلوز بھی خدا جانے کہاں ہیں، صرف پریس مین اور کاتب دفتر میں ہیں، اس لئے ان غریبوں کا یہی احسان کیا کم ہے، کہ رسالہ کو بری بھلی طرح شائع کر دیا،

اس عام مصیبت کے علاوہ ایک خاص مصیبت کم از کم میرے لئے اس سے زیادہ درد انگیز ہے، بی بی کے متعلق مذہب اور علم کا فتویٰ بالکل مختلف ہے، مذہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے فتویٰ دیا کہ "عورت دنیا کا بہترین سرمایہ ہے" "میری تسکین کا ذریعہ دو چیزیں ہیں نماز اور عورت" لیکن ایک عالم سے جب کہ وہ مطالعہ میں مصروف تھے، ان کی بی بی نے کہا کہ "ایک نگاہ غلط انداز کی میں بھی مستحق ہوں" بولے "دو سوتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں" کتاب اور عورت دو سوکنیں ہیں، جو دماغ عورت کی زلف دراز سے الجھ جاتا ہے، وہ کتاب کی سطریں نہیں گنتا، کیونکہ گیسوئے پرخم میں جو بیا ہی ہے، وہ اس میں کہاں، لیکن جو سیاہ بخت کتابوں کی سطروں میں الجھ جاتے ہیں، ان کے ہاتھ سے زلف کا سررشتۂ امید چھوٹ جاتا ہے، اور وہ صرف نقط گنا کرتے ہیں، خط و خال پر ان کی نگاہ بہت کم پڑتی ہے، مجھ بدقسمت کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے مذہب اور علم دونوں کی خدمتیں تفویض کی ہیں، اس لئے بی بی کے معاملہ میں مجھے ان متضاد فتووں نے عجیب کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے، میری اہلیہ جو ایک لڑکی اور ایک صغیر السن بچہ کی ماں ہیں، عرصہ آٹھ سال سے امراض مختلفہ میں علیل ہیں، اور اب ڈاکٹروں نے دق تجویز کیا ہے، اس لئے میں سخت پریشان ہوں اور اس پریشانی کا اثر دار المصنفین کے ہر کام پر پڑ رہا ہے، یہ رسالہ بھی اسی مصیبت کا شکار ہے، ناظرین سے درخواست ہے، کہ وہ مذہبی حیثیت سے دعا کریں، کہ خدا میرے سرمایۂ حیات کو میرے ہی پاس رہنے دے، لیکن اگر علمی خدمتیں سب کچھ لیکے اس کو بھی چھیننا چاہتی ہیں، تو پھر وہی ہو، جو خدا کی مرضی ہے، میں ہر حال میں راضی برضائے الٰہی ہوں۔

---

انقلاب الامم جس کے متعلق اس رسالہ میں ایک مضمون شائع کیا جاتا ہے، چھپ گئی، حجم ۱۶۰ صفحے کا ہے، ۲۸ صفحے کا مقدمہ اس سے الگ ہے، جو زیر طبع ہے، قیمت ابھی متعین نہیں ہوئی ہے، لیکن ناظرین کو فرمایش بھیج دینی چاہئے، کہ ان کا حق مقدم رہے، قیمت مناسب ہوگی، البتہ جنگ وغیرہ نے کاغذ وغیرہ کی قیمت جو گراں کر دی ہے، اس تاوان میں ناظرین کو بھی شریک ہونا پڑے گا،

(معارف ماہ مارچ ۱۹۱۷ء)

(۴)

دفتر دار المصنفین ۸ ر فروری ۱۹۱۷ء کو بند رہا، آج ۲۷ ر اپریل کو کھلا، اب شہر وبا کے اثر سے بحمد اللہ پاک ہے، دار المصنفین کے تمام منتشر اجزا مجتمع ہو رہے ہیں، دو پریس میں سے صرف ایک ۲۸ ر اپریل سے بمشکل چل سکا،

اسی بنا پر اپریل کا رسالہ دیر سے شائع ہوتا ہے، توقع ہے کہ آئندہ رسالہ وقت پر نکلے۔

آخر خدا کی مرضی پوری ہوئی، دو ماہ شدید علالت کے بعد میری رفیقۂ زندگی نے ۴۲ سال کی عمر میں اس عالم کو الوداع کہا، استاذ مرحوم کی وفات کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے، جس نے میرے سکون خاطر کو درہم برہم کر دیا، اپنے یک سالہ صغیر السن بچہ کو چھوڑ کر بڑی بیکسی میں جان دی، یہ ۱۲ اپریل سنہ ۱۷ء کا واقعہ ہے، لیکن اب تک حواس برجا نہیں ہوئے، میری حیات منزلی کی اس بربادی کے غم میں جن احباب نے تعزیت ناموں کے ذریعہ سے شرکت کی ہے، ان کا ممنون ہوں، لیکن بہتر ہوتا کہ میرے بجائے دعائے خیر سے اس مرحومہ کو یاد کرتے، کہ اب میری قلبی تسلی اسی کی روحانی تسلی میں ہے، خدا اس پیکر عفت کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

مرحومہ نے تیرہ سال تک میری زندگی کی رفاقت کی، دس برس سے صحت خراب تھی، اور کبھی کامل صحت اس کے تن زار کو میسر نہ آئی، علاج کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوا، پچھلے دس برس میں اس انتشار حال اور پراگندگی خاطر کے باوجود مجھ سے جو کچھ قوم و ملت کی خدمتیں انجام پا چکی ہیں، وہ بجائے خود تعجب انگیز ہیں، کہ اس طویل عرصہ میں کبھی میرے دل و دماغ نے فراغ خاطر نہ پایا۔

میں مرحومہ کی زندگی میں غالب مغفور کا یہ شعر پڑھا کرتا تھا،

فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے　　میں بھی تمھیں بتاؤں کہ مجنوں نے کیا کیا

اس پیکر وفا نے جان دے کر مجھے علم و ملت کی خدمت گذاری کے لئے کشاکش غم پنہاں سے فرصت عطا کی، لیکن ایسا کانٹا دل میں چبھ کر رہ گیا، جو شاید عمر بھر نہ نکلے۔

عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا　　عمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ　　تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے
گوش محروم پیام و چشم محروم جمال　　ایک دل تس پر یہ ناامیدواری ہائے ہائے

مولانا سید کرامت حسین غفر اللہ لہ کی ناگہانی موت گو تمام دنیائے علم کے لئے کچھ کم باعث حسرت نہیں ہے، لیکن ہمارے لئے اس سے زیادہ غم افزا ہے، مرحوم ہماری مجلس کے نائب صدر تھے، اور ہمیشہ اپنے قیمتی مشوروں سے انھوں نے ہماری اعانت کی ہے، مرحوم "المرأۃ" نام ایک ضخیم کتاب عورتوں کے حقوق و خصائص پر تصنیف فرما

رہتے تھے، ان کی سادگی، اخلاص، ایثار اور خالص علمی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی،

---

حضرت خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی میر اثر دہلوی اپنے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، تصوف کو بے تکلف سہل و رواں اردو غزلوں میں ادا کرنا، انہی دونوں بھائیوں پر ختم تھا، ان کی مثنوی خواب وخیال اردو زبان کا ایک انمول سرمایہ ہے، سال تصنیف ۱۱۵۲ھ ہے، یہ مثنوی کمیاب ہے، شمس العلما محمد حسین آزاد آب حیات میں ایک دو فقرے سے زیادہ اس پر نہ لکھ سکے، شاید یہ مثنوی انھیں ہاتھ نہ آئی، مولانا حالی بھی مقدمۂ دیوان میں اپنا نہ دیکھنا ظاہر کرتے ہیں، ہم اپنے دوست مولوی بشیر الحق صاحب سب انسپکٹر سون برسا کے ممنون ہیں، کہ ان کی وساطت سے یہ مثنوی مستعار ہمیں ہاتھ آسکی، امید ہے، کہ کسی آیندہ اشاعت میں ہم اس مثنوی کے مطالعہ کی مسرتوں میں ہم اپنے دوستوں کو بھی شریک کرسکیں گے،

---

ناموران اسلام کا جو سلسلہ مولانا شبلی مرحوم نے شروع کیا تھا، اس سلسلہ میں الفاروق اور المامون کے سوا کوئی اور کتاب شائع نہ ہوسکی، مولانا مرحوم نے تمام اسلامی فرماں روا خاندانوں کو پیش نظر رکھ کر ہر خاندان کا ایک ہیرو قرار دے دیا تھا، اور وہ نقشہ المامون کے دیباچہ میں شائع بھی فرما دیا ہے، سیر الصحابہ کی تصنیف سے اب بعض رفقائے دار المصنفین کو یکسوئی ہوئی ہے، اس لئے وہ پرانا خواب پھر یاد آنا شروع ہوگیا، اور اس سلسلہ کی تکمیل ضروری خیال کی گئی ہے، احباب بھی اس کی تکمیل کے لئے مصر ہیں، بالفعل خاندان اموی کے ہیرو کی تاریخ منتخب کی گئی ہے، مولانا نے سلیمان بن عبد الملک کو اس خاندان کا ہیرو قرار دیا تھا، غالباً یہ انتخاب فتوحات کی وسعت کی بنا پر تھا، ورنہ مخصوص حیثیتوں اور خوبیوں کی بنا پر یہ فخر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو حاصل ہونا چاہئے تھا، اسی بنا پر سلسلۂ ناموران اسلام میں دار المصنفین نے اموی عہد کے اسی نامور خلیفہ کی زندگی پر قرعۂ انتخاب ڈالا ہے،

---

معارف کی ستایش اور قدر شناسی سے جن اخبارات، رسائل، احباب اور اعزہ نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے، ان میں سب سے زیادہ سزاوار ممنونیت مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی صدر اجلاس شانزدہم ندوۃ العلماء مدراس کا وہ فقرہ ہے، جو مولانائے ممدوح نے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا، کہ معارف کا وجود ندوۃ العلماء کی کامیابی پر ایک برہان قاطع ہے،

طاؤس راکہ نقش ونگارے کہ ہست خلق
تحسیں کنند و او خجل از پائے زشت خویش

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نام سے جرمن، فرنچ اور انگریزی زبان میں جو انسائیکلوپیڈیا لکھی جا رہی تھی افسوس کہ تین جلدوں کے بعد اس کی تصنیف موقوف ہو گئی، بیان ہے کہ کثرت مصارف کے باعث یہ خیال متروک ہوا، لیکن عجب نہیں، کہ موجودہ جنگ کے قانون بین الاقوامی کی شکست نے اس سلسلۂ علمی کو درہم کر دیا، گو یہ سلسلہ کچھ زیادہ کاوش اور تحقیق سے نہیں لکھا جا رہا تھا، تاہم آئندہ کام کرنے کی ایک شاہراہ تو تیار ہو رہی تھی،

---

خواجہ حسن نظامی صاحب کے محرم نامہ پر جو تنقید میں نے الناظر لکھنؤ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء میں لکھی تھی، اطراف ملک سے جو خطوط آئے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس تنقید کے لکھنے کی شدید ضرورت تھی، اس کتاب کو پڑھ کر بعض قلوب میں صحابۂ کرام کی نسبت جو سوء ظن کے شبہات پیدا ہو گئے تھے، وہ دفعۃً کافور ہو گئے، بعض احباب لاعلمی کی بنا پر اسکی طرف متوجہ کرتے ہیں، اور اس پر تنقید کی فرمائش کرتے ہیں، ان کو چاہئے کہ اس تنقید کے مطالعہ کے لئے رسالۂ مذکور کی ایک ایک کاپی منگوا لیں،

---

مسلمانوں کی جدید ترقی ابھی زمانۂ طفولیت میں ہے، اسلئے مسلمان رہبروں اور لیڈروں کی حالت ابھی تک بچوں کی سی ہے، کبھی ایک چیز کی طرف دوڑتے ہیں، اس کے لینے کے لئے ضد کرتے ہیں، روتے ہیں، چلاتے ہیں، شور کرتے ہیں، اچھلتے ہیں، کودتے ہیں، مچلتے ہیں، کہ دفعۃً ایک اور چیز سامنے آجاتی ہے، اس کو لینے کے پیچھے پہنچتے ہیں، مل جاتی ہے تو خوش ہوتے ہیں، اچھلتے ہیں، کودتے ہیں، اور مطلق تصور نہیں ہوتا، کہ پہلے ہمارا ہاتھ ایک قیمتی متاع کی طرف بڑھا تھا، اور اب دیکھو صرف ایک چینی کی گڑیا ملی ہے، زیادہ نہیں، صرف مسلم یونیورسٹی کی تاریخ اول سے آخر تک پڑھ جاؤ تو نظر آجائے گا، کہ عظیم الشان مجلس جامعہ اسلامیہ کا تمام تر کارنامہ بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقیع نہیں ہے، ۱۰ اپریل سنہ ۱۷ء کا فیصلہ اگر درست ہے، تو بیکاریت وصل میں چار برس کی عمر عزیز کیوں ضائع کی، احرار کی بے معنی جماعت ہندوؤں کی تقلید کے پُر فریب دلیل کی رہنمائی میں جس مقام پر آکر ٹھہری ہے، وہ ایک قدیم شاعر کے سواد نجد سے زیادہ تسلی بخش نہیں،

وا حسرتا کہ پہنچا ہوں ہی تا سواد نجد  بولا یہ ساربان سے دل پکار کے
او نامراد ناقۂ لیلیٰ نہیں ہے یہ  آتا ہے کس امید پہ پیچھے غبار کے

---

۷، ۸، ۹ اپریل سنہ ۱۷ء کو ندوۃ العلماء کا اجلاس شہر مدراس میں خیر و خوبی انجام کو پہنچا، لیکن افسوس ہے،

کہ اس خوشی و مسرت کے اجتماع میں ہماری جماعت کا کوئی ممبر شریک نہ ہو سکا، بزرگان مدراس کے اصرار اور پیہم تار اور خطوط کے باوجود بھی خاکسار نہ جا سکا، اور نہ مولانا مسعود علی ندوی اور نہ مولانا عبد السلام ندوی جا سکے۔ اتفاقات اور عوائق کچھ ایسے پیش آئے، کہ ہر شخص جہاں تھا، وہیں پابگل ہو کر رہ گیا، بزرگان مدراس سے امید ہے کہ وہ ہماری مجبوریوں کو ناقابل التفات سمجھیں گے، جناب مولانا عبد السبحان صاحب، رئیس مدراس کی دل شکنی کا ہمیں خاص طور سے رنج ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ ع

ان الامور باقدارها

انقلاب الامم جس کا پچھلے پرچہ میں ناظرین سے تعارف کرایا گیا تھا، وہ چھپ کر تیار ہے، شائقین فرمائشیں بھیج سکتے ہیں، قیمت عہ/ طبع و کاغذ اعلیٰ۔

(معارف اپریل ۱۹۱۷ء)

(۵)

عربی میں مثل ہے، کذب المنجمون وان صدقوا، منجم سچ بھی کہیں تو وہ جھوٹے ہیں، ہم نے سیرت نبوی کے اپریل ۱۷ء میں شائع ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی تھی، آخر وہ بھی غلط نکلی، لیکن اس غلطی کا از راہ عنایت ہماری طرف انتساب نہ کیجئے، ہم جمہور شائقین اور صاحب مطبع کے درمیان ایک متوسط کی حیثیت رکھتے ہیں، جو کچھ ان سے معلوم ہوتا ہے، وہ آپ سے عرض کر دیتے ہیں، فروری اور مارچ میں ہمارا ایک خاص آدمی کانپور میں رہا، اور جب ہم مطمئن تھے، کہ اب اپریل آیا، اور آنے کے ساتھ ہمارے دیرینہ خواب کی تعبیر نکلے گی، کہ دفعۃً یہ خبر آئی، کہ اخیر فرموں کے لئے بنگال پیپر مل کے کاغذ کی ضرورت ہے، دریافت کیا گیا، تو لکھنؤ میں نہ مل سکا، اب کلکتہ کی طرف نظر ہے، کمپنی کا اب تک جواب نہیں آیا ہے۔

---

چند سال سے دیوبند کے مدرسہ عالیہ کے احاطہ میں دار الحدیث کے نام سے ایک عظیم الشان عمارت زیر تعمیر ہے، بعض بزرگوں نے نیک نیتی سے اس نام و نمود اور نمائش کی تعمیر کو دیوبند کے روایات اور رسوم قدیم کے خلاف سمجھ کر اعتراض کیا ہے، اس کے جواب میں ایک مطبوع رسالہ ہمارے پاس آیا ہے، سوال و جواب اور قال و اقول سے قطع نظر کر کے سوال یہ ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک اسلامی اسکول کے لئے کئی کئی ہزار روپیہ کی عمارت کی ضرورت ہے،

تو کیا سارے ہندوستان کے لئے کئی ہزار اگر ایک عربی درسگاہ کے لئے لگ جائے تو کیا نقصان ہے؟ اسلام کی عمر ہندوستان میں ایک ہزار برس ہے، اس تمام عمر میں اس وسیع خطۂ ارض میں کبھی کوئی دار الحدیث قائم نہ ہوا، حالانکہ اس سے کم عرصہ میں مصر وشام وقسطنطنیہ کو کئی کئی دار الحدیث کے قیام کا فخر حاصل ہے، اگر دیوبند کی یہ عمارت تکمیل کو پہنچ جائے، تو ہندوستان کے ناصیۂ اسلام سے بدنامی کا ایک بڑا داغ مٹ جائے۔

تیموریوں کا کتب خانہ درحقیقت ایک عجائب خانہ تھا، علی گڑھ گزٹ سے معلوم ہوا کہ دلی کے ایک شخصی کتب خانہ میں جامع الاصول کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس پر سلاطین تیموری کی مہریں ہیں، یہ نسخہ غرناطہ کے کتب خانہ سے بچ بچا کر نکلا ہے، اور جو جاہل پادریوں کے ہاتھ سے جلنے سے محفوظ رہ گیا ہے، بانکی پور کے کتب خانہ میں بھی فن نباتات پر ایک قلمی نسخہ موجود ہے، جس کے متعلق بیان ہے، کہ وہ بھی غرناطہ کے باقیات صالحات میں ہے۔ اس نسخہ میں بڑی خوبی یہ ہے، کہ تمام نباتات کی تصویریں نہایت عمدہ اور خوش رنگ کھنچی ہیں، اور اس لحاظ سے وہ کتاب ایک غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔

انگریزی زبان میں سلاطین تیموری کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ایڈورڈ ہولڈن کی تاریخ اس لحاظ سے قابل قدر ہے، کہ وہ انگریز مصنفین کے اغراض مفسدہ سے بہت حد تک پاک ہے، تاریخ کے صفحات کو مسلسل جنگ اور قتل وخونریزی کا میدان بنانے کی اس میں کوشش نہیں کی گئی ہے، سلاطین کے اخلاق وعادات کی ہو بہو تصویریں بھی کھینچی ہیں۔

جناب سید عبد السبحان صاحب تحصیل دار ریاست کدورہ نے اس کتاب کا سلیس اردو میں کامیابی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے، اگر کوئی پبلشر صاحب اس کتاب کو اپنی طرف سے شائع کرنا چاہتے ہوں، تو مترجم سے خط وکتابت اور مراسلت کریں۔

اس ترجمہ میں ایک واقعہ ہم نے نہایت دلچسپی سے پڑھا، تزک بابری کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ بابر مولانا عبد الرحمن جامی کا نہایت معتقد تھا، چنانچہ ہرات کے ذکر میں بابر اپنے جذبۂ اعتقاد کو مخفی نہ رکھ سکا، لکھتا ہے:۔

> ہرات میں ایسے نامور اور ممتاز لوگوں کا مجمع تھا، جو فضل وکمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، ان میں ہر ایک کی علمی بلند حوصلگی کا یہ عالم تھا، کہ جس فن کی وہ تحصیل کرتے تھے، اس کو درجۂ کمال تک پہنچا کر

رہتے تھے، انہی میں مولانا عبد الرحمٰن جامی بھی تھے، جو منقول اور معقول دونوں میں یگانۂ روزگار تھے، ان کا کلام مشہور اور ان کے ذاتی اوصاف ایسے اعلیٰ وارفع تھے۔ کہ میں ان کے قلم بند کرنے سے قاصر ہوں، مجھ کو نہایت فکر تھی، کہ ان کا ذکر خیر کسی نہ کسی موقع سے کروں، چنانچہ انکے فضائل حمیدہ کا اشارہ ان ناچیز اوراق میں تیمناً و تبرکاً کر دیا۔"

تم جانتے ہو کہ بابر کون ہے، وہی جس نے کابل و ترکستان کی پہاڑیوں کو اپنے زور قوت سے الٹ پلٹ دیا، ہندوستان کے ایک لاکھ ٹڈی دل کو بارہ ہزار سپاہیوں سے کاٹ کر ڈال دیا، لیکن اس فر و زور کی تلوار صرف ایک بوریا نشین درویش کے سجادہ و قلم سے شکست کھا گئی، اپنی اس عاجزی اور درماندگی کا وہ خود اعلان کرتا ہے،

درویشاں را اگرچہ نہ از خویشانیم      لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم
دور است گوئی شاہی از درویشی      شاہیم ولے بندۂ درویشانیم

اسلام کو اپنے ان منکسر مزاج بادشاہوں پر ناز ہے، اور بجا ناز ہے،

دسمبر ۱۹۱۶ء کی اردو کانفرنس کے اجلاس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اگر ان اغراض و مقاصد کے تحت کوئی مجلس قائم ہو، تو ملک اس کے خیر مقدم کے لئے ہمہ تن تیار ہے، ۱۶ء گذر گیا، اب ۱۷ء ہے، کیا امسال بھی کچھ چہل پہل کی امید ہے، یاد آتا ہے کہ عین اجلاس کے موقع پر کلکتہ کے ایک مسلمان سیٹھ آیندہ سال کی دعوت کلکتہ میں دے گئے تھے،

اردو کانفرنس کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جن اصحاب کا انتخاب ہوا تھا، وقت سے پہلے لکھنؤ میں کسی تاریخ میں اگر ان کا اجتماع ہو سکتا، تو خوب تھا، پنڈت کرشن پرشاد صاحب کول اسکے سکرٹری قرار پائے تھے۔

دار المصنفین کے کتب خانہ میں ابھی کم سرمایہ ہے، ایک دو اصحاب نے اس کی توسیع و ترقی کی عملی کوشش بھی شروع کر دی ہے، الفضل للمتقدم کی حیثیت سے ہم سب سے پہلے اپنے دوست منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کے شکر گذار ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے اس فرض کو ادا کیا، اور ہمارے کتب خانہ کے لئے کتابیں ہدیہ کیں، یہ کتابیں زیادہ تر فقہ کی ہیں،

اکثر اخبارات میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی تجویزیں پیش کی گئی ہیں، بعض

حضرات نے از راہ عنایت اس تجویز کے عمل میں لانے والی جماعت کے سلسلہ میں خاکسار کا بھی نام لیا ہے، اس تجویز کی اہمیت اور ضرورت میں کوئی شک نہیں، یہ نہ صرف ایک خشک علمی خدمت ہوگی، بلکہ بہت حد تک ہندوستان کی ۲دو عظیم الشان آبادیوں کو ان کی غلط کاریوں پر متنبہ کرنے والی بھی ہوگی، ہم نے دار المصنفین کا جو نظام عمل مرتب کیا ہے، اور جس کا ایک خاکہ ستمبر سنہ ۱۹۱۶ء کے معارف میں چھاپا گیا تھا، اس تجویز کے متعلق اس میں حسب ذیل فقرے تھے،

> "اس سلسلہ کے اختتام کے بعد ہندوستان کی ایک محقق اور مستند تاریخ کا مسئلہ بھی ہے"
> اس بنا پر دار المصنفین کے لئے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے، بلکہ صرف فرصت کی دیر ہے،
>
> (معارف مئی سنہ ۱۹۱۶ء)

(۶)

اس دفعہ مضامین کی کتابت بیچ سے شروع ہوئی، نتیجہ یہ ہوا، کہ آخر میں کئی عنوانات رہ گئے، مسائل و فتاوی کے ضمن میں "زیور" کا ٹکڑا باقی تھا، رویت ہلال کے مسئلہ کو بھی اسی ضمن میں لکھنا تھا، مطبوعات جدیدہ کے لئے بھی جگہ نہ نکلی،

دار المصنفین کا ملک و قوم میں اعتبار بحمد اللہ بڑھتا جا رہا ہے، بعض مدارس اسلامیہ کے امتحان کے پرچے ۲دو سال سے یہیں بنتے ہیں، دار العلوم حیدر آباد کے درجہ فاضل کا ایک پرچہ امسال بھی اور گذشتہ سال بھی یہیں بنا، امسال پنجاب یونیورسٹی نے بھی اپنے ایم، اے، "او اکزامنیشن" کے لئے شبلی اکاڈیمی پر اعتبار کیا ہے۔

بعض احباب تحریک کرتے ہیں، اور ہمارا بھی جی چاہتا ہے، کہ معارف میں "استفسارات علمیہ" کا ایک عنوان بڑھا دیں، کہ مستفسرین سوالات بھیجیں اور معارف کی طرف سے ان کے جوابات شائع ہوں، مختلف قسم کے علمی اور مذہبی سوالات ہر روز کی ڈاک میں کچھ نہ کچھ آیا کرتے ہیں، ان کی دو حیثیتیں ہیں، اکثر جزئی ہوتے ہیں، جو شخص واحد کو نہیں معلوم ہوتے، لیکن ان کو اس قدر اہم بنایا جائے، کہ تمام ناظرین کے لئے باعث افادہ ہوں، یہ تکلف محض ہے جس کو گو بعض ابنائے عصر نے نہایت دلفریب شکل میں پیش کیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی اشاعت سے مقصود صرف فخر و عجب ہے، ولا احب ذالک،

سوالات کی دوسری قسم یہ ہوتی ہے، کہ اس میں اکثر مذہبی مختلف فیہ مسائل کی گرہ کشائی چاہی جاتی ہے، ہمارے نزدیک ان مسائل پر پردہ ڈالنا ہی ان کا سب سے بڑا جواب ہے، امیر معاویہؓ اور امیر المومنین حضرت علیؓ میں کون برسرِ حق تھا، امام حسینؑ کا سفر کوفہ اور طلب خلافت دینی حیثیت رکھتا ہے، یا سیاسی، ان مسائل کی تفصیل سے فتنہ کا رفع نہیں، بلکہ فتنہ کی اشاعت ہوتی ہے،

| | |
|---|---|
| تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ | یہ لوگ گذر چکے ان کا عمل ان کے لئے ہے، اور تمہارا |
| وَلَکُم ما اکتسبتم وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا | عمل تمہارے لئے ہے، ان کے اعمال کی تم سے |
| یَعْمَلُوْنَ، (بقرہ ۱۶) | باز پرس نہ ہوگی، |

بعض لوگ ایک ہی خط میں دس دس بارہ بارہ سوالات کر بیٹھتے ہیں، اور اس پر لطف یہ کرتے ہیں، کہ ان کا وہ صرف جواب نہیں چاہتے، بلکہ کتابوں کی سندیں، عبارتوں کے حوالے، صفحات کی تعیین کے بھی خواستگار ہوتے ہیں، ظاہر ہے، کہ مستفسرین تو اپنا کام چند سطروں میں تمام کر لیتے ہیں، لیکن ذرا بدبخت مجیب کی ایک ذات کو تو تصور کیجئے، کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر ضروری فرائض تصنیف وغیرہ کے علاوہ اس قسم کے سوالوں کے کتنے خطوط کے جوابات دے سکتا ہے، ہم عموماً ایسے خطوں کو وقت فرصت کے لئے ڈال رکھتے ہیں، اور لامحالہ مرسلین کی تعمیل امر میں تعویق ہوتی ہے، لیکن لاعلاج بات ہے،

معارف میں ایک سرخی مسائل و فتاویٰ کی ہے، اس تقریب سے اکثر لوگ جزئی فقہی احکام اور مسائل کے جوابات چاہتے ہیں، ان سے عرض ہے کہ ندوہ لکھنؤ، دار العلوم دیوبند، فرنگی محل لکھنؤ اس کام کو ہم سے بہتر انجام دے سکتے ہیں، بعض لوگ اپنے جزئی مسائل کے جواب کے ساتھ یہ بھی خواہش کرتے ہیں، کہ ان کو معارف میں شائع کر دیا جائے، چنانچہ اسی مہینے ایک صاحب نے پنجاب سے ایک تقسیم وراثت کا سوال بھیجا، اور ساتھ ہی تاکید کی، کہ اس کا جواب معارف میں چھاپ دیا جائے، یہ لوگ شخص اور جماعت کے فائدہ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

حیدرآباد میں مشرقی یونیورسٹی کے قیام کے لئے فرمان شاہی جاری ہو گیا، اخبارات میں یہ خبر اس طرح گشت کر رہی ہے، کہ گویا یہ ایک غیر متوقع دولت اور غیر مترقب نعمت ہے، جن لوگوں کے پاس الندوہ کے پچھلے نمبر ہیں، وہ مارچ ۱۹۰۹ء کے پرچہ میں مولانا شبلی مرحوم کا وہ اصلی خواب پڑھ سکتے ہیں جس کی تعبیر ۱۹۱۷ء میں پوری ہوئی،

دار العلوم جو وہاں کا عربی مدرسہ اعظم ہے، اسی کو بڑھا کر یونیورسٹی بنائی جا رہی ہے، حیدر آباد میں مشرقی یونیورسٹی کا تخیل سب سے پہلے نواب عماد الملک بہادر سابق ناظم تعلیمات کا نتیجۂ فکر ہے، اور اس کا سبب یہ ہے، کہ چونکہ پنجاب یونیورسٹی نے وہاں سے اپنے مشرقی امتحانات کا سلسلہ منقطع کر دیا ہے، اس لئے ضرورت ہوئی کہ کسی جدید یونیورسٹی سے اس کو متعلق کیا جائے، اس جدید یونیورسٹی کے قیام و تاسیس و وضع نصاب کے لئے مولانائے مرحوم حیدر آباد تشریف لے گئے اور ایک نصاب ندوہ کے جدید اصول پر وضع کر کے مع ایک مفصل رپورٹ کے کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔

انہی بزرگوں کی کوشش سے دار العلوم کی صدارت (پرنسپلی) کے لئے ایک ایسا نام تجویز ہوا، جس کی ذات اس ضروری اور مفید تجویز کے لئے ضمانت تھی، یعنی جناب مولانا حمید الدین صاحب بی، اے، اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تخیل سرتاپا مولانا موصوف کی تجویز ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ سالہا سال سے وہ اس تجویز کو عمل میں لانے کے لئے بے قرار تھے،

اس یونیورسٹی کی اسکیم یہ ہے، کہ خالص مذہبی اور ادبی علوم عربی میں پڑھائے جائیں، اور بقیہ علوم تاریخ فلسفہ طبعیات، ہیئت وغیرہ، بلکہ اصول فقہ تک کی تعلیم اردو میں دی جائے، اور انگریزی زبان ثانی ہو،

(معارف جون ۱۹۱۷ء)

(۷)

گیند کو جس زور سے پٹکو گے، اسی زور سے اچھلے گا، ہم میں پہلے شخصی حکومت اور شخص پرستی کا جو زور تھا، پُر زور حملوں سے جن میں نہ تو کسی بزرگ کے سپید بالوں کا لحاظ کیا گیا، اور نہ کسی نوجوان کے جوش حوصلہ مندی کی پروا کی گئی، بالآخر ہم نے اس کو چور چور کر ڈالا، اب ہم جمہوری اور جمہوریت پسند ہیں، کہ ایک کام بھی مشورۂ جمہور کے بغیر انجام دینا نہیں چاہتے،

* * *

اب تک اس جمہوریت کا نشانہ کانفرنس، لیگ، یونیورسٹی وغیرہ قومی مجالس تھیں، اور ہم خوش تھے، کہ خیر دنیا کے دیگر طبقات کسی حال میں ہوں، لیکن ہم مصنفین اور ارباب قلم کا رقبۂ حکومت تو اس خیرہ سری سے پاک ہے، لیکن ہم کو اپنے حسن ظن میں کسی قدر ناکامی ہوئی، جب ہم نے گذشتہ ہفتوں میں نواب وقار الملک مرحوم کی ترتیب سوانح کے لئے بعض اخبارات میں ایک مجلس شوریٰ کی تجویز پڑھی، جس میں ملک کے چند مسلم تعلیمی و سیاسی اصحاب کے نام درج تھے

کہ باہم مشورہ سے وہ اس عظیم الشان قومی کارنامہ کو انجام دیں،

---

اس سلسلہ میں ایک صاحب نے اس تجویز میں اتنی ترمیم چاہی کہ گر مجلس شوریٰ اگر منعقد نہ ہو سکے، تو ملک میں ترقی اردو اور دار المصنفین تصنیف و تالیف کے دو کارخانے قائم ہیں، سیرت وقار ان ٹکسالوں میں بھیج دو، خود بخود ڈھل کر تیار ہو جائے گی،

مولانا حالی مرحوم نے سرسید کی ایک ضخیم لائف کیا لکھ دی، کہ قومی بزرگی کا یہ ایک جزو لاینفک قرار پا گیا، کہ ہر محسن قوم کے حالات، واقعات، مدائح اور مناقب ایک کثیر الاوراق کتاب کی صورت میں ضرور چھپ جانے چاہئیں، کسی شخص کی زندگی کو ایک پوری کتاب میں پھیلانے کے لئے صرف صاحب زندگی کی بڑائی اور عظمت کا ترانہ کافی نہیں، بلکہ اس میں گوناگوں واقعات، کثیر التعداد احوال تاریخی مختلف الشئون حالات، مد و جزر، اور نشیب و فراز کی کیفیات ملک و قوم کے انقلابات کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی بزرگ کی زندگی میں یہ سرمایہ ہاتھ نہ آسکے، تو اس کی کوئی ضخیم اور کثیر الاوراق سیرت جس کو عرف عام سوانح عمری کہہ سکے، تیار نہ ہو سکے گی.

مسلمانوں کے اس نقارۂ فخر کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا، کہ تراجم و سیر کے ابواب کو جس قدر انھوں نے ترقی دی، دنیا کی کسی قوم نے نہیں دی، لیکن ہندوستان کی زمین میں آکر ان کا یہ جوہر آلودۂ خاک ہو گیا، یہی سبب ہے، کہ آج ہم عرب و عجم اور مصر و شام کے علما، اور رجال کے حالات جس قدر جانتے ہیں، اپنے ملک کے علما، اور اشخاص سے واقف نہیں، ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہم نے نئی زندگی شروع کی ہے، ایسا نہ ہو کہ اس جدید زندگی میں بھی ہم اپنی پرانی غلطی کا اعادہ کریں،

---

سوء فہم سے ایسا نہ سمجھا جائے، کہ نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدمات جلیلہ کے ہم معترف نہیں، مقصود یہ ہے، کہ اس عہد کے اکابر کے حالات ممکن ہے کہ کسی مستقل تصنیف کی صورت نہ قبول کر سکیں، یا پھر سوال ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی تخصیص کیا، مولانا حالی مرحوم جن کے قلم نے دوسروں کو زندہ کیا کوئی جادو قلم ان کی حیات علمی کو زندہ رکھنے کی کوشش نہ کرے گا، اور یادش بخیر نواب محسن الملک نے کیا قصور کیا ہے، سید محمود کو کیوں بھولتے ہو، اس لئے بہتر ہے، کہ "رجال العصر" کے نام سے اپنی جدید زندگی کے اکابر علم اور مشاہیر عمل کا مرقع کھینچیں، غالباً ایک دو جلد میں یہ دلچسپ مجموعہ تیار ہو سکے گا، اس مجموعہ کی تیاری کے لئے علی گڈھ بہترین مرکز ہو گا، کیا علی گڈھ کا شعبۂ علمی ہمارے معروضات

کو سنتا ہے،

حکیم مولوی حبیب الرحمن خاں ڈھاکہ کے ایک علم دوست بزرگ ہیں، ان کا جب خط آتا ہے تو میں اس کو شوق سے پڑھتا ہوں، اگر ڈھاکہ کی وہی اردو ہوتی، جو ان کے خط میں ہوتی ہے، تو لکھنؤ اور دلی کے بعد اس کا تیسرا درجہ ہوتا بہر حال شمس العلماء آزاد مرحوم نے لکھا ہے، کہ انشاء اللہ خاں کی دریائے لطافت اردو قواعد کی پہلی کتاب ہے، حکیم صاحب موصوف کے سلسلۂ تلاش و جستجو نے اس نظریہ کو باطل کر دیا، امپیریل لائبریری کلکتہ میں شمس البیان اردو لغات و محاورات میں ایک کتاب ہے، جو دریائے لطافت سے پندرہ ۱۵ برس پہلے لکھی گئی ہے، مجھ کو یاد آتا ہے، کہ اس موضوع پر ندوہ کے کتب خانہ میں بھی ایک کتاب موجود ہے، ابھی حال میں ایک ناقص الطرفین رسالہ ہمارے دوست کے ہاتھ لگا ہے، جس کا نام "صرف اردو" ہے، رسالہ منظوم ہے، اور پرانی زبان میں ہے، شیدا کوئی بزرگ ہیں، وہ اس کے مصنف ہیں، لارڈ منٹو اور ڈاکٹر ہنٹر کی اس میں بڑی تعریف کی ہے، سال تصنیف سنہ ۱۲۲۱ھ ہے، دریائے لطافت سے ایک سال پہلے تصنیف پایا ہے، از راہ عنایت یہ رسالہ انھوں نے ہمارے مطالعہ کے لئے بھی بھیجا ہے،

تصورات کلیہ کے عنوان سے تین ۳ نمبروں میں حضرت عباری کا جو مضمون شائع ہوا، نہ صرف جدید تعلیم یافتوں میں مقبول ہوا، بلکہ علماء کے حلقہ میں بھی دلچسپی سے پڑھا گیا، خصوصاً جناب مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی نے مقالہ نگار کے زور فکر کی بڑی داد دی ہے، نواب عماد الملک بلگرامی جن سے زیادہ ہندوستان میں مشرقیات و مغربیات کا کوئی جامع نہیں، لکھتے ہیں "عباری کون صاحب ہیں، مضمون ان کا نہایت عمدہ ہے، بڑے مشکل مسئلہ پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے، اور عمدگی سے حل کیا ہے، مضمون نگار صاحب جو بھی ہوں، مگر بدعویٰ کہتے ہیں، کہ تنہا کالج کی انگریزی تعلیم یہ نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی"

جناب مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا مقیم "کنگ (انگلینڈ) کے ایک تازہ خط سے یہ معلوم ہوا، کہ آج کل فرانس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سوانح عمری لکھی جا رہی ہے، جس کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر گرانقدر مصارف سے تصویریں بنوائی جا رہی ہیں، یہ تصویریں مختلف حالات کے لحاظ سے اگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں، تو یہ ہر مسلمان کے تاسف کا باعث ہوگا،

عربی تعلیم کا جو معیار سو دو سو برس سے ہندوستان میں قائم تھا، سب سے پہلے ندوہ نے اس معیار کو بلند کیا، اور

خوشی کی بات ہے، کہ ہندوستان کے ممتاز عربی مدارس میں اس کی مسابقت کا شوق پیدا ہوتا جاتا ہے۔ ندوہ نے ہر علم کی تکمیل کے لیے علیحدہ علیحدہ درجے قائم کیے، اور چند درجے نمونہ کے طور پر کھول بھی دیے، اب چند سال ہوئے دار العلوم دیوبند میں علم حدیث کی تکمیل کے لئے دار الحدیث کی تجویز زیر عمل ہے، فرنگی محل کے تازہ اعلان سے معلوم ہوا کہ وہاں کے مدرسہ نظامیہ نے علم فقہ کی تکمیل کے لئے دار الاجتہاد قائم کیا ہے، بزرگان فرنگی محل اس سعی حسن کے لئے تمام مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

(معارف جولائی ۱۹۱۷ء)

(۸۱)

## ایک مسلمان تاجر کتب کا فعل ملعون

### کلام مجید کا منظوم اردو ترجمہ

قرآن مجید نے یہودیوں کا وصف یہ بتایا ہے، کہ وہ کلام الٰہی کو بیچ کر مال و دولت خریدتے ہیں، ہندوستان میں مسلمان کتب فروشوں نے گو معنوی خرید و فروخت کا ارتکاب نہیں کیا، لیکن لفظی بیع و شرا کا بازار یہاں ایک مدت سے گرم ہے، کوئی خوردبین قرآن بیچتا ہے، کوئی اعجاز تحریر کا دعویٰ کرتا ہے، کوئی ترجمہ اور حواشی کا حوالہ دیتا ہے، اخبارات میں عام اشتہاروں کی صف میں اس کے نمونے شائع کراتا ہے، ایک علامۂ وقت فاضل قرآن مجید کو ترجمہ بلا متن عربی کے شائع کرتے ہیں،

سب سے آخری اور بدترین صورت علی گڑھ کے ایک مطبع نے اختیار کی ہے، اور وہ قرآن کا منظوم ترجمہ ہے، تمام اہل مذاہب کا مقصد تو یہ ہے، کہ وہ اپنے اپنے کلام الٰہی کو زیادہ صاف، زیادہ واضح اور زیادہ آسان صورت میں دنیا کے سامنے پیش کریں، لیکن وہ کیسا بدبخت ہے، جو کتاب مبین کو مشکل، غیر مبہم اور مغلق بنا کر چیستاں بنانا چاہتا ہے،

اول تو یہ مسئلہ بجائے خود مختلف فیہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبان میں جائز ہے یا نہیں، ہندوستان میں چونکہ اس کام کو اس مقدس خاندان کے ارکان کرام نے شروع کیا، جن کا ہر عمل مسلمانان ہند کے لئے سند تھا، اس لئے عام طور سے اردو میں قرآن مجید کے تراجم کا مسئلہ پہلے ہی دن فیصل ہو گیا، ورنہ اب تک ترکی میں بھی قرآن کا ترجمہ علمائے اتراک کی کوششوں کے باوجود انجام نہ پا سکا، اور بعض علمائے مصر نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا، کہ اس سے اصل قرآن

کی وسعت میں فرق آئے گا،

ہم قرآن مجید کے ترجمہ کو حرام نہیں سمجھتے، تاہم اس مشکل سے کون آگاہ نہیں، کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ادائے مطلب کس قدر دشوار ہے، پھر قرآن مجید کا جو اسلوب بیان اور مرتبۂ بلاغت ہے، اس کو پیش نظر رکھ کر کسی زبان میں قرآن مجید کا صحیح ترجمہ درحقیقت دشوار تر ہے،

یہ تو نثر کا حال ہے، اس پر نظم وشعر کا اضافہ کرو، جب کلام منثور میں جس میں مترجم کو ہر قسم کے طول واختصار اور تبدل وتغیر کا اختیار ہوتا ہے، ترجمہ مشکل ہے، تو نظم اور شعر میں ترجمہ کرنا تقریباً محال ہوگا، وزن اور قافیہ کی رعایت سے ہزاروں مقام پر اضافہ اور اسقاط کرنا ہوگا، اور اس طرح مطالب اور معنی میں تغیر اور تحریف یقینی ہے، مذکورۂ بالا ترجمہ منظوم چھ پاروں تک انجام پاچکا ہے، اس وقت پہلا پارہ ہمارے سامنے ہے، ہم کہہ نہیں سکتے، کہ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کی حالت پر کس درجہ تاسف ہوا، ترجمہ کی یہ جدید اور انوکھی ترکیب صرف روپیہ کمانے کی ایک ذلیل صورت کے لئے اختیار کی گئی ہے، غلط، مہمل، لغو اور غیر موزوں اشعار کے علاوہ قرآن کے مطالب میں تحریف کی گئی ہے،

قرآن مجید نے شعر ہونے سے انکار قطعی کیا ہے، مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ، وہ شاعر کا کہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کفار کا الزام تھا کہ وہ شاعر ہیں، خدا نے فرمایا، مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ، ہم نے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی، اور نہ یہ اس کے شایان شان ہے، کفار قرآن کو شعر کہتے تھے خدا نے فرمایا کہ قرآن شعر نہیں، لیکن ہم مسلمان کیا اب چاہتے ہیں، کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد پہلے جو امر قرآن کے لئے ننگ وعار کا باعث تھا، وہ اب اس کے لئے سامان حسن اور متاع آرائش قرار پائے، کیا تم یہ چاہتے ہو، کہ قرآن کو جس دعوی سے انکار ہے تم علانیہ اسکو ثابت کر دکھاؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ کچھ دنوں کے بعد نعوذ باللہ قرآن بھی ہندوؤں کی رامائن اور مہابھارت بن جائے،

مترجم اپنے ترجمہ کی خوبی اور غرض وغایت کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے،

مثنوی معنوی کے رنگ میں　　اک نئی طرز اور نرالے ڈھنگ میں
صاف وشستہ سہل اور آسان تر　　تحت لفظی اور مسلسل سر بسر
وہ بھی سب کے سب ہیں اردو نظم میں　　تا بہ طرز مثنوی اس کو پڑھیں

ان اشعار کے اغلاط کو چھوڑ کر غور کیجئے گویا قرآن کے لئے سب سے کمی یہ تھی، کہ وہ مولوی روم کی مثنوی کی طرح نہیں، اس لئے مسلمانوں کی سب سے عظیم الشان مذہبی ضرورت جس سے نعوذ باللہ وحی الٰہی کے نقص کی تکمیل ہو سکتی، یہ تھی، کہ قرآن کو مثنوی مولوی روم بنا دیا جائے، آگے چل کر محسن اعظم اپنے دعویٰ کی دلیل بھی پیش کرتا ہے،

کیوں کہ ہر منظوم اور موزوں کلام　　فطرۃً ہے دل پسند خاص و عام

اس لئے بھی قرآن کو شعر بنانا چاہئے تھا، گویا کہ اس بدبخت کے نزدیک قرآن کو اصلاً بھی نظم میں ہونا چاہئے، لیکن چونکہ نعوذ باللہ وحی الٰہی نے غلطی کی، اس لئے اب مسلمانوں پر اس کا تدارک فرض ہے، اعاذنا اللہ من هذه الخرافات،

ہم مسلمان اخبارات اور علمائے اسلام سے درخواست کریں گے، کہ وہ اس معاملہ میں پرجوش حصہ لیں، اور اس غلط کار پریس کے فعل کو مستحق لعنت سمجھیں، کہ دوسرے ارباب ہوس کے لئے تنبیہ اور عبرت ہو سکے،

(معارف اگست سنہ ۱۹۱۷ء)

## (۹)

قدیم قلمی تصنیفات کے ساتھ ہمارے رؤسا اور علمی انجمنوں کی جو بے التفاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ ہر سال سیکڑوں کتابیں ہندوستان سے یورپ منتقل ہو رہی ہیں، تیموریوں کا وہ عظیم الشان کتب خانہ جس کو در حقیقت علمی عجائب خانہ کہنا چاہئے، اس کا ایک ایک ورق اس طرح منتشر ہو گیا ہے، کہ ایشیا یا یورپ کے کسی ایک کتب خانہ میں بھی اس کی دس کتابیں یکجا نہ ہوں گی، تاہم یورپ اور ایشیا کا کوئی ایسا کتب خانہ نہیں، جہاں اس کے نوادر کا کچھ حصہ نہ ہو، جرمنی، فرانس، اور انگلینڈ میں جو کتابیں موجود ہیں، یا ہندوستان میں ٹونک، رام پور، حیدرآباد، لکھنؤ، بانکی پور، کلکتہ کے کتب خانوں میں جو کتابیں موجود ہیں، بہر حال وہ محفوظ ہیں، لیکن اب بھی سیکڑوں کتابیں ایسی ہیں، جو لکھنؤ، آگرہ اور دلی کے قلمی کتب فروشوں کے یہاں پڑی ہیں، یا ذاتی ملکیت میں برباد ہو رہی ہیں، کیا ان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے،

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے ابتدائی مقاصد میں ایک یہ بھی تھا، کہ قدیم علمی تصنیفات کو بربادی سے بچایا جائے، ندوہ کے قیام کتب خانہ کی بھی مصلحت یہی بتائی جاتی ہے، دار المصنفین بھی اس مقصد سے بیگانہ نہیں ہے، کیا

یہ ممکن ہے، کہ یہ مجلسیں باہمی مشورہ سے کوئی ایسی اسکیم تیار کریں، جس کے ذریعہ سے اگر یہ نہیں ہو سکتا، کہ یہ تمام قطرے ایک سمندر میں جمع ہو جائیں، تو کم از کم یہ تو ہو سکتا ہے، کہ ایک دو صاحب ذوق اہل علم کو جن کو قلمی کتابوں سے واقفیت ہو۔ ان کو ماہوار تنخواہ اور مصارحت دے کر ہندوستان کے ایک ایک گوشہ میں بھیجا جائے، اور وہ ہر جگہ جا کر ان نوادر کی تلاش کریں، اور ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کریں، اور کام ختم ہونے کے بعد ان کی کوشش و عمل کے نتائج ترتیب دے کر شائع کئے جائیں،

اس میں تین قسم کی فہرست معلومات ہونی چاہیے،

۱۔ ہندوستان میں مشرقی کتب خانے ذاتی یا سرکاری یا قومی کہاں کہاں واقع ہیں، وہاں کی کتابوں کی مجموعی اور قلمی و مطبوعہ کتابوں کی الگ الگ تعداد، نوادر کتب کی تفصیل، کتب خانہ کی مختصر تاریخ اور حالت موجودہ

۲۔ ہندوستان کے تمام کتب خانوں میں قلمی کتابیں فن وار کتنی موجود ہیں، مع نام مصنف، تاریخ تصنیف تاریخ کتابت اور نام مقام جہاں وہ موجود ہوں،

۲۔ فہرست عام بترتیب حروف ابجد،

ہماری ہمت افزائی اور ہمارے حوصلہ کی کارفرمائی کے لئے ایک نمونہ بھی سامنے موجود ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے چند سال سے ایک خاص صیغہ اسی غرض سے قائم کیا ہے، اور گورنمنٹ آف انڈیا سے اس کے لئے وہ امداد پاتی ہے ڈاکٹر مامون سہروردی اس صیغہ کے نگران کار اور ہمارے دوست حافظ نذیر احمد مفتش کتب ہیں، سال رواں میں حافظ صاحب موصوف نے ہندوستان کے پچیس مختلف کتب خانوں کا معائنہ کیا، اور ایک سو چھبیس ۱۲۶ قلمی کتابوں کے حالات بہم پہنچائے،

ہمارے احباب کہیں گے، کہ سوسائٹی جب ایک کام کر رہی ہے، تو ہم کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہے، لیکن ہم عرض کریں گے، کہ اسی وقت تو کام کرنے کی شدید ضرورت ہے، کہ ہمارے اور اس کے مقاصد میں آسمان و زمین کا فرق ہے،

محب گرامی مولوی عبدالماجد بی، اے جن کی فلسفیانہ تصنیفات سے ملک اچھی طرح روشناس ہے، حیدرآباد نے اپنے یہاں ان کو ترجمہ و تالیف کے منصب پر نامزد کیا ہے، چنانچہ ممدوح اوائل ستمبر سنہ ۱۷ میں حیدرآباد روانہ

ہو گئے، اس جدید تقرر و انتخاب سے سرکار نظام نے اپنے قدیم روایات قدر شناسی کو پھر زندہ کیا ہے، اور حق یہ ہے، کہ ہمارے ملک میں دربار آصفی فضل و کمال کی موثق شہادت کی ٹکسال ہے،

دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء تک دار المصنفین سے حسب ذیل کتابیں شائع ہو جائیں گی، مکاتیب شبلی جلد دوم، ارض القرآن جلد دوم، مکالمات برکلے اور فلسفۂ برکلے، اخیر دو کتابیں مشہور انگریزی فلاسفر سر جارج برکلے کے ڈائلاگس (مکالمات) اور پرنسپلس آف ہیومن نالج (مبادی علم انسانی) کا ترجمہ اور تلخیص ہے، برکلے وہ شخص ہے، جس نے اپنے زور دلیل سے یورپ کی مادہ پرستی کو شکست دی ہے، امید ہے، کہ یہ کارگر ہتھیار ہمارے ملک کے مادہ پرستوں کی تصحیح خیال کے لئے بھی کارآمد ہوگا،

مکالمات کا اردو ترجمہ جناب عبد الماجد صاحب دریابادی کا زور قلم کا نتیجہ ہے، اور چونکہ اس کا انداز بیان نہایت سہل اور سادہ ہے، اس لئے ارادہ ہے، کہ آئندہ معارف کے ذریعہ سے اس کی اشاعت شروع کر دی جائے، فلسفۂ برکلے کو بھی ایک محتاط اور ذو الریاستین (عربی و انگریزی) اہل قلم نے اردو میں منتقل کیا ہے،

(معارف ماہ ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء)

(۱۰)

یورپ کے حکمائے تاریخ کہتے ہیں، کہ مسلمانوں کی ترقی و تنزل دونوں کا ایک ہی سبب ہے، یعنی غیر قوموں کے ساتھ نسبی اور اجتماعی میل جول، ہم بھی کہتے ہیں، کہ مسلمانوں کی ترقی اور تنزل دونوں کا ایک ہی سبب ہے، اور وہ ان کا فوری اور وقتی جوش، وہ سیلاب کے مانند پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں، لیکن کوہ کن کی طرح ایک ایک پتھر جدا کر کے راستہ صاف نہیں کر سکتے، وہ بجلی کی مثل ایک آن میں خرمن کو جلا کر خاک سیاہ کر سکتے ہیں، لیکن چونٹی کی طرح ایک ایک دانہ نہیں ڈھو سکتے، وہ ایک مسجد کی مدافعت میں اپنا خون پانی کی طرح بہا سکتے ہیں، لیکن ایک منہدم مسجد کو دوبارہ بنانے کے لئے مسلسل کوشش جاری رکھ نہیں سکتے، یہ ان سے ممکن تھا، کہ محمد علی اور ابو الکلام کے دائیں بائیں گر کر جان دیدیتے، لیکن یہ بس کی بات نہیں، کہ وہ مسلسل آئینی جد و جہد سے ان اسرانِ اسلام کو چھڑا لائیں۔

مایۂ طینت آدم ز خمیر دگر است
تو توقع ز گل کوزہ گراں می داری

مسز اینی بسنٹ چھوٹ سکتی تھیں، کہ ان کی آزادی کے لئے وہ قوم بے تاب تھی؛ جو اپنی مسلسل اور پائیدار کوششوں سے برطانیہ کے پرعظمت اور زخار سمندر کے کنارہ کو ہلا سکتی ہے، اور یہ اس وقت تک ہلاتی رہ سکتی ہے، جب تک گوہر مقصود اس کے ہاتھ نہ آجائے، لیکن مسلمان دو ہی کام کر سکتے ہیں، یا اس پرخطر دریا میں کود کر اپنی جان گنوا دیں، یا اس میں ہل کر پانی کی صاف و شفاف سطح کو گدلا کر دیں۔

ہندوستان کی سیاسی بساط پر اس وقت جو بازی کھیلی جا رہی ہے، ہم کو یقین نہیں، کہ مسلمان اس کے اچھے شاطر ثابت ہو سکیں، کیونکہ یہ وہ میدان ہے، جو ایک ایک قدم گن کر آہستہ آہستہ آگے بڑھانے سے جیتا جا سکتا ہے، اور ایک دوڑ میں آگے بڑھ جانے کی کوشش میں اب مات سامنے رکھی ہے، اور اگر غفلت سے اپنی جگہ پر قائم رہیں، تو یہ توشہ کی تاب نہ لا کر فوراً بساط الٹ دیں گے۔

اس جدید دور میں علمی، تعلیمی، تجارتی، سیاسی ہر میدان میں مسلمانوں نے اپنی قوت بازو کو آزمایا، لیکن ان کی تمام کوششیں نقش بر آب ثابت ہوئیں، آج نہایت زور شور سے بڑے شور و غل کی آواز میں ایک انجمن کی بنا پڑتی ہے، اور کل اس کی اینٹ اینٹ علیحدہ ہو جاتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی کا ہنگامہ اٹھتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید بغداد و مصر و قرطبہ کی گم شدہ عظمت آناً فاناً واپس آنا چاہتی ہے، لیکن اس دن کی جب رات گذرتی ہے، تو خواب فراموش سے زیادہ وہ یاد نہیں رہتا، طرابلس اور بلقان کے خونیں معرکوں میں گو شرربار توپوں کے دہانے افریقہ اور یورپ کی سرزمینوں میں کھلے تھے، لیکن ان کی گرج سے ہندوستان کے در و دیوار ہل رہے تھے، ہم سمجھتے تھے، کہ شاید یہاں کوئی نیا زلزلہ پیدا ہوگا، لیکن اس کی حقیقت صدائے مگس سے زیادہ نہ ثابت ہوئی، مسجد کانپور کے خونیں قطروں کو دیکھ کر ہم نے کیا کیا جزع و فزع نہ کی، لیکن پھر کر جو دیکھتے ہیں، تو ان دردمندیوں پر جن کی گریہ وزاری کبھی تھمنے والی نہ تھی، اس قیامت کا تبسم نظر آتا ہے، کہ شاید یہ ہونٹ کبھی آہ و فغاں سے آشنا ہی نہ تھے،

ہماری ناکامی کا اصل سبب کیا ہے، یہ ہے، کہ ہم آندھی کی طرح آتے ہیں، اور بجلی کی طرح گذر جاتے ہیں، ہم کو دریا کے اس پانی کی طرح ہونا چاہئے، جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، اور سالہا سال میں کناروں کو کاٹ کر اپنا دہانہ وسیع کرتا جاتا ہے، کامیابی صرف مسلسل اور پائیدار کوشش میں ہے، ہمالیہ کی برفستانی چوٹیاں آہستہ آہستہ پگھلتی ہیں، لیکن کبھی جمنا اور گنگا کو خشک نہیں ہونے دیتیں، آسمان کا پانی ایک گھنٹہ میں دشت و جبل کو جل تھل بنا دیتا ہے، لیکن چند ہی

روز میں ہر طرف خاک اڑنے لگتی ہے،

تمھاری عبرت کے لئے خود تمھاری قومیت کی پیدائش کا سبق کافی ہے، اسلام اکیئس سال میں تکمیل کو پہنچا، مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ ۱۳ برس رہے، اور اس طویل زمانہ کا ہر لحظہ دعوت اور تبلیغ میں گذرا، تاہم خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی، لیکن آپ اس سے ملول خاطر نہ ہوئے، اور جب آپکے چچا نے بلا کر سمجھایا، کہ اس خیال خام سے باز آؤ، اس وقت آپؐ کی زبان سے جو فقرہ نکلا، اس کی روشنی اس وقت تک ماند نہ ہوگی، جب تک آسمان پر آفتاب و ماہتاب کی روشنی باقی ہے، آپنے فرمایا "قریش اگر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تو بھی اس کوشش سے باز نہ آؤں گا"

جس قوم نے اس عزم و استقلال کے آغوش میں تربیت پائی ہو، اس کے لئے حیف ہے، کہ ایک ایک منٹ میں اس کا رنگ بدل جائے، وہ چاند اور سورج کو پا کر نہیں، بلکہ چاند کی طرح کی ایک زرد دھات سے للچا کر اور سورج کی طرح کی ایک سفید دھات سے ڈر کر دفعۃً اس کے ارادہ کا رخ اس طرح پلٹ جائے، گویا وہ باد صرصر کے جھونکے میں ایک خزاں رسیدہ درخت کی پتی تھی،

ہم ایک ہی بات کہنا چاہتے ہیں، کہ کامیابی صرف مسلسل اور پائیدار کوشش میں ہے،

(معارف ماہ اکتوبر ۱۹۱۷ء)

## (۱۱)

ماہ گذشتہ میں ہماری مجلس کے دو ۲ محترم ارکان بلکہ اساطین کو "وداع عزیز" کے دو جاں گداز صدمے برداشت کرنا پڑے، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کو اپنے محبوب فرزند کی مفارقت دائمی کا داغ اٹھانا پڑا، اور حسام الملک نواب سید علی حسن خاں کو اپنے برادر بزرگوار نظام الملک نواب سید نور الحسن خاں کی دائمی جدائی کا غم سہنا پڑا، یہ دونوں بزرگوار ہماری مجلس کے دست و بازو ہیں، ان کا صدمات سے دوچار ہونا ہمارے لئے لازمۂ غم اور داعیۂ ماتم ہے،

لا یحزن اللہ "الحبیب" فانّنی
لآخذ من حالاتہ بنصیب

مرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت انسان کے غم کا علاج نہیں، لیکن اس کی روحانی تشفی کا باعث ہے،

## اللّٰھم الحقھما بالرفیق الاعلیٰ

بقول علامہ مرحوم، مولانا حالی کے بعد کسی نے سننے کے لائق کچھ کہا ہے، تو وہ مولوی محمد اسماعیل صاحب میرٹھی ہیں، افسوس ہے، کہ دوسرا حالی بھی اس مہینہ ہماری دنیا سے رخصت ہوگیا، مرحوم کا سہل و رواں کلام ہمارے بچوں کا ابتدائی سبق تھا، وہ اپنی پیرانہ سالی کی مرتعش زبان سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس پیار سے سمجھاتے تھے، کہ وہ نصیحت کی گراں باری کو کھلونا سمجھ کر اٹھا لیتے تھے، افسوس کہ یہ کھلونے بنانے والا بھی اب نہ رہا،

سرکاری خدمت سے گوشہ نشین ہوکر وہ ہمہ تن علمی خدمات میں مصروف ہوگئے تھے، تدوین کلام خسرو کے سلسلہ میں قران السعدین کی تقریظ و تحشیہ سے فارغ ہوکر حیات خسرو کی ترتیب میں مصروف تھے، اس کے علاوہ قواعد اردو اور لغات اردو کی تکمیل کا کام شروع ہو رہا تھا، جو افسوس کہ ناتمام رہا، میرٹھ میں ایک مدرسہ بنات المسلمین بھی آپ کے اعمال حسنہ کی یادگار ہے،

مباحث حاضرہ کے زیر عنوان تاریخ صحافت پر جو محققانہ اور دلچسپ سلسلہ ہمارے عزیز مولوی حاجی معین الدین ندوی رفیق دار المصنفین کے قلم سے نکل رہا تھا، افسوس ہے کہ ایک دو مہینے تک وہ موقوف رہے گا، عزیز موصوف کی خدمات چند مہینوں کے لیے ندوۃ العلماء نے حاصل کرلی ہیں، تاکہ ان کے زیر نگرانی اس کا کتب خانہ نئے سرے سے مرتب کیا جائے، اور کتب خانہ کی فہرست بطرز جدید مرتب ہو، چنانچہ وہ اس کام میں نہایت سرگرمی سے مصروف ہیں،

---

شعراء کی زبان سے "فردائے قیامت" کا لفظ اگرچہ اکثر سنا تھا، لیکن ہمیشہ اس کو مجاز سمجھا کیے، لیکن سیرۃ نبویؐ کے معاملہ میں وہ مجاز حقیقت بن گئی،

عمرے شد یک روز نیفتاد بدستم          از بسکہ ہر امروز بہ روز دگر افتاد

سیرۃ جلد اوّل کے ۴۵۲ صفحوں میں سے ۳۶۸ صفحے چھپکر ہمارے پاس پہنچ گیے، ۸۴ صفحے اصل کے اور کچھ فہرست کے صفحے اب رہ گیے ہیں، دعا کیجیے کہ خدا صاحب مطبع کو توفیق دے، کہ وہ ۱۸ء کے آغاز سے پہلے سیرت کے اس حصہ کو ختم کردیں۔

---

کلکتہ میں چودہ ۱۴ برس سے مسلمانوں کی ایک انجمن بنام مفید الاسلام قائم ہے، جس کا مقصد شہر کے لاوارث مسلمان مُردوں کی تجہیز و تکفین، نادار یتیم بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام، ایک کتبخانہ اور دار المطالعہ کا قیام ہے، ہمارے پاس اس کی دو ۲ سال کی رودادیں آئی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن اپنے سرگرم ناظم کی کوشش سے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہے،

اس زمانہ میں کسی سرگرم اور عمل فرما اسلامی انجمن کا وجود ایک نعمتِ غیر متوقعہ ہے. ورنہ شور و غل کی انجمنوں کی دولت تو اس کثرت سے ہم کو ملی ہے کہ ہمارے دامنِ سعادت کا اب کوئی گوشہ خالی نہیں رہا ہے،

---

مکاتیب شبلی جلد دوم شایع ہوگئی ہے، اس میں مولانائے مرحوم کے تلامذہ اور بعض مخصوص احباب کے نام خطوط ہیں. ضمیمہ میں مولانا کے فارسی خطوط ہیں جن میں ان کے آغاز زندگی کے خیالات کا نقشہ نظر آتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہونہار بروا، اپنے چکنے پات کیونکر دکھاتا ہے، ابتدا میں ایک مقدمہ کا اضافہ ہے، جس میں مولانا کے خصوصیات تحریر پر تبصرہ ہے.

(معارف نومبر ۱۹۱۷ء)

(۱۲)

... سیرۃ نبویؐ ابتک چھپ کر ختم تو نہیں ہوئی لیکن اصل کتاب کے پروف آخر تک ختم ہوگیے، اب صرف درجہ اوّل، کیلئے سات رم کاغذ کی ضرورت ہے، یہ کاغذ پہلی بار بارہ ۱۲ روپے رم خریدا گیا تھا، اور اب پچیس ۲۵ روپے رم بھی نہیں ملتا.

ناچار کوئی اور فکر کرنی ہوگی، یعنی کوئی اور اس سے ملتا جلتا کاغذ لگانا ہوگا،

ہم نے اب تک یہ بات ظاہر نہیں کی تھی، اور نہ آئندہ ظاہر کرنے کا ارادہ تھا، لیکن چونکہ بعض احباب کو اس بارہ میں غلط فہمی ہے، اس لئے ظاہر کرنا ضروری ہے، سیرۃ نبویؐ کے طبع کے مصارف کے لئے نہ تو کوئی قومی چندہ ہوا، اور نہ کسی خاص شخص نے اس کے کاغذ و طبع کے مصارف اپنے ذمہ لئے تھے، اب تک پہلی جلد پر ساڑھے چار ہزار روپیہ صرف ہو چکا ہے، اور غالباً ہزار ڈیڑھ ہزار ابھی اور صرف ہوگا، یہ تمام روپیہ کیونکر مہیا ہو سکا، اس کا جواب خدا کی کارسازی کے سوا ہم اور کیا دے سکتے ہیں،

اس قصہ کے لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی، کہ بعض احباب سمجھتے ہیں، کہ جب مصارف کی ذمہ دار قوم یا کوئی اسلامی ریاست ہے، تو سامان کے بہم پہنچانے میں کیوں دشواری پیش آتی ہے، نیز یہ کہ ابھی سے دوسری جلدوں کے چھپنے کا سامان کیوں نہیں شروع ہو جاتا، ہم اپنی مشکلات افسوس ہے، کہ دوسروں کے سامنے پیش نہیں کر سکتے، تاہم اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کم از کم پانچ ہزار روپیہ جب تک اور ہاتھ نہ آئے، ہم کیونکر اتنے عظیم الشان کام کی ہمت کر سکتے ہیں، جلد اول کے فروخت میں کم از کم دو سال لگیں گے، اتنے دن کیا ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہنا چاہئے، اس سوال کا جواب ہم خود کچھ نہیں دینا چاہتے.

ہم نے جلد اول کے چھپنے کا انتظام ایسے مطبع کے سپرد کیا تھا، جو اپنی گذشتہ تاریخ کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں سب سے بہتر تھا، لیکن متواتر تین سالوں میں جو تجربہ ہوا، اس نے یہ اچھی طرح ثابت کر دیا کہ ہندوستان کا کوئی لیتھو پریس وعدہ پر عمدہ کام کرنے کا عادی نہیں، اس اثنا میں ہم نے اپنا مطبع خود قائم کر لیا، جو گو ابھی نامی پریس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، لیکن جو کام اس میں تکمیل کو پہنچ کر پبلک میں نکلے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اگر عملہ ہم اور بڑھا سکیں، اور مشین کا سامان کر سکیں تو موجودہ حالت سے بہت بہتر کام ہم انجام دے سکتے ہیں، اور یقیناً ہندوستان کے بہترین مطابع کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اس کے لئے صرف تین ہزار روپے کی ضرورت ہے، یہ روپیہ اگر مہیا ہو جائے تو ہم قوم کو صرف دوسری جلد کے مصارف طبع سے بھی سبکدوش کرنے کو تیار ہیں،

سچ یہ ہے کہ ہم کو مانگنا نہیں آتا، اب تک دار المصنفین میں جو کام اٹھایا گیا ہے، اگر کسی دوسری جگہ یہ کام شروع ہوا ہوتا، تو ہزاروں روپے قومی چندوں کے اس کو وصول ہو چکے ہوتے، لیکن ہم علی الاعلان کہتے ہیں، کہ حیدرآباد اور

بھوپال کے ذو طوقہائے منت کے علاوہ اب تک قوم کے کسی فرد کے ایک ذرہ کے زیر بار احسان نہیں، ہاں اس کلیہ سے دو بزرگوار مستثنیٰ ہیں نواب عماد الملک بلگرامی جو سالانہ سو روپئے دیتے ہیں، اور جناب مولانا حمید الدین صاحب جو پندرہ روپئے ماہوار عطا کرتے ہیں۔

یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا، کہ تین ہزار روپیہ کے لئے دربدر اور شہر بشہر مارے مارے پھریں، کہ غیرت ملی کی پائمالی ہے، لیکن ہم کو یقین ہے، کہ اگر درد دینی اور ولولۂ علمی کارفرما اور اثر انگیز ہے تو خود بخود سیرۃ نبوی کے آستانہ پر ایک دن تین ہزار کی تھیلی ہم کو پڑی ملے گی، لکھنؤ، علی گڈھ، رنگون، بھوپال اور حیدر آباد کے احباب ہمارے صوفیانہ توکل کی تعلی سن رہے ہیں؟

مجھ کو ابتدائے طلب حدیث سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص عقیدت رہی ہے، ان کی موطا صحیحین سے زیادہ مجھے پسند آتی ہے، اسی کا نتیجہ تھا، کہ سب سے پہلے میرے ہاتھ نے جب قلم پکڑنا سیکھا، تو امام موصوف ہی کی حیات طیبہ کی تحریر کا شوق پیدا ہوا چنانچہ سو صفحے لکھے جاچکے تھے، کہ استاذ مرحوم نے وفات پائی، اور آخر اس ظلوم وجہول کو وہ گراں بار امانت اٹھانی پڑی جس سے سالہا سال تک سبکدوشی مشکل ہے، اس بنا پر یہ ناتمام اوراق جن میں سوانح اور نقد موطا کا حصہ ختم ہو چکا تھا میرے پاس پڑے تھے، برادر عزیز مولوی محمد اکرام اللہ خاں ندوی ایڈیٹر الندوہ نے اپنے رسالہ کے آخری نمبر کے طور پر ان اوراق کو شائع کر دیا، اور اب انھیں کا حیات مالک نام رکھ دیا گیا ہے، اور کچھ نسخے رسالہ سے الگ چھاپ لئے گئے ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر دفتر تعلیمات حیدر آباد سے موصول ہوئی ہے، اعلیٰحضرت ہز ہائینس شہریار دکن کے فرمان معلی صادرہ ۴ رجب ۱۳۳۵ھ میں اس یونیورسٹی کا حسب ذیل مقصد ظاہر کیا گیا ہے۔

„ ممالک محروسہ کے لئے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی، دماغی و روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے، اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستی کی نگرانی اور دوسری طرف علمی شعبوں میں علمی تحقیق کا کام بھی جاری رہے"

دار المصنفین کے سامنے ایک تجویز یہ ہے کہ اردو شاعری کی ایک تاریخ ترتیب دی جائے، جس میں یہ دکھایا جائے کہ اردو شاعری نے کیونکر تدریجی ترقی کی، کن کن زبانوں سے یہ متاثر ہوئی، کون کون سے اصناف سخن اس میں پیدا ہوئے، کن کن اصناف سخن کی اس میں کمی ہے، موجودہ شاعری کی خصوصیات کیا ہیں، اساتذہ کے کلام پر ریویو، اس غرض سے اردو کے تمام دواوین اور مجموعہائے نظم جمع کئے جا رہے ہیں، اس باب میں کوئی صاحب اگر کسی مفید تصنیف یا کسی قلمی دیوان کا پتہ دیں گے، تو ہمارے شکریہ کے مستحق ہوں گے،

(معارف دسمبر ۱۹۱۷ء)

# شذرات

## از جنوری ۱۹۱۸ء تا دسمبر ۱۹۱۸ء

دسمبر کا آخری ہفتہ حسب معمول ہماری قومی مجلسوں کے لگن کے دن تھے، امسال کلکتہ کی سرزمین میں ان کے تمام مراسم ادا ہوئے، شور و غل، ہجوم و ازدحام، جوش و خروش کے بڑے بڑے منظر یہاں دیکھے، زبانوں کی سحر کاری، الفاظ کی روانی، دلائل کا زور، مطالب کی اہمیت، اور مقاصد بیان کی عظمت ان میں سے ہر شے فراوانی کے ساتھ ہر جگہ موجود تھی

لیکن کیا شے نہ تھی، سحر تھا لیکن اثر نہیں، روانی تھی لیکن صفائی نہیں، زور تھا لیکن ہاتھ میں نہیں، اہمیت تھی، لیکن بیان میں، عظمت تھی لیکن الفاظ میں، شور و غل تھا، لیکن غیر مفہوم، ہجوم و ازدحام تھا، لیکن مور و مگس کا، جوش و خروش تھا، لیکن اس دریا کا جس کے تہ میں گوہر نہیں،

ہم سے کہا جاتا تھا کہ اب وہ وقت آیا ہے، کہ اس وقت تڑپتی ہوئی لاشوں، کٹی ہوئی رگوں، اور بہتے ہوئے خون کی ضرورت ہے، ہم سراپا اثر ہو کر جھک کر دیکھنے لگتے تھے، کہ خوش بیان مقرر کے سینہ میں تڑپتی لاش ہے، گردن میں کٹی ہوئی رگ ہے، بدن میں کہیں بہتا ہوا خون ہے، لیکن تامل کے بعد نظر آتا تھا، کہ یہ صرف رونق بازار اور گرمی ہنگامہ کا سامان تھا، نہ کہیں لاشیں تڑپی ہیں، نہ رگیں کٹی ہیں، نہ کہیں خون بہا ہے،

ہم احرار کے جلوس میں، اللہ اکبر کے زلزلہ انداز نعرے، دمبدم سنائی دیتے تھے، اور معلوم ہوتا تھا، کہ آسمان کا کنگرہ اب زمین پر آنا یا زمین کا طبقہ اب نیچے کو دھنس جانا چاہتا ہے، لیکن جب بھیڑ چھٹ جاتی، تو آسمان اپنے مدار پر اور زمین اپنے نقطہ پر نظر آتی تھی،

ہم نے کہا ہے اور پھر کہتے ہیں، کہ مسلمان دم میں جل جانے والے، اور جلا دینے والے گو آتش فشاں ہیں، لیکن ہمیشہ سلگنے والے اور جلتے رہنے والے آتشکدہ نہیں، وہ ایک لمحہ کے آنے والے اور گذر جانے والے طوفان آب ہیں، لیکن ہمیشہ بہنے والے ہمالیہ کی برفستانی چوٹیوں کے چشمے نہیں،

ہم جوش بیان، آزادی قول اور نعرۂ حق کے ساتھ ایک اور چیز بھی ڈھونڈتے ہیں، متانت رائے، استقلال عزم

اور دوام عمل، دنیا کی تاریخ قول سے نہیں، عمل سے بنی ہے، اس لئے ہمارے نزدیک کمزور عمل پرزور بیان سے بہتر اور تھوڑا کرنا بہت بولنے سے اچھا ہے۔

سرسید نے ابن خلدون کے نظریہ کے مطابق ایک مضمون لکھا ہے کہ "ہر قوم کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے"، ہم اس کلیہ میں قومی مجلسوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں، کانفرنس کی طبعی عمر تینتیس برس تھی، اور وہ دو برس ہوئے کہ پوری ہو چکی، اب وہاں عام مجلسوں کا شور وغل اور جوش وخروش بھی نظر نہیں آتا، کانفرنس ہماری تمام مجلسوں میں کبیر السن ہے، اب اس کو دوسرے کاروبار چھوڑ کر گھر کا کام انجام دینا چاہئے، اشاعت تعلیم کا پیغام تو ہر جگہ پہنچ چکا، اب اشاعت تعلیم کا کام ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں کلکتہ میں ایک اسلامیہ کالج کی بنیاد کی تجویز اگر عمل میں آجائے، تو اس کو امسال کی کانفرنس کا ماحصل سمجھنا چاہئے۔

کانفرنس کے تمام شعبوں میں سب سے مفید اور کارکن صیغہ انجمن ترقی اردو ہے، اور سب سے سست رو شعبہ تعلیم نسواں ہے، اس کا کام مسلمان عورتوں کی اصلاح ہے، مگر وہ خود اب "مسلمان عورت" ہو گیا ہے، کم از کم تین برس سے ہم اس کی سالانہ روداد سن رہے ہیں، اس کے سننے میں اسی قدر لطف آتا ہے، جس قدر ایک بوڑھی عورت کو آدھے پان کی ایک کٹی ہوئی گلوری میں۔

چند سال سے ہماری دسمبر کی قومی مجلسوں کی بہترین ساعت وہ ہوتی ہے، جب دکن کی مشہور شاعرہ مسز سروجنی نائیڈو اپنی ادھیڑ عمر لیکن نوجوانی کے لباس میں پنڈال کے اندر داخل ہوتی ہیں، سرخ ٹوپیاں اپنی جگہ سے اچھل پڑتی ہیں، صدارت کا مرکز اپنی جگہ سے جنبش کر جاتا ہے، اور سکریٹری اپنے نوجوان لیڈروں کی ہمراہی میں اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھتا ہے، ہمارا سب سے خوش قسمت لیڈر وہ ہے جس کو ان کے قیمتی فرغل کے کندھے پر رکھنے کی عزت ملتی ہے، اور اس کے بعد خوش قسمت وہ ہے، جس کے پہلو کی کرسی میں ان کو جگہ دی جائے، ہندوستان کا ہر شہر اس خوش قسمتی کے لئے اپنے اپنے فرزندوں کو پیش کر سکتا ہے، لیکن عموماً یہ فخر لکھنؤ اور بانکی پور کی قسمت میں آتا ہے۔

چند لمحہ کے بعد صدر اپنی جگہ سے اٹھتا ہے، اور مسز موصوفہ سے تقریر کی تحریک کا خوشگوار فرض ادا کرتا ہے، وہ بلا انکار قبول کرتی ہیں، اور جادوگری کے تمام بانے لے کر سامنے آتی ہیں، الفاظ رائی کے دانے بن کر داہنے بائیں اور آگے پیچھے گرنے لگتے ہیں، اسی مسحوری کے عالم میں ہاتھوں کی جنبش، دلوں کا اضطراب، آنکھوں کی گردش ہر چیز

سننے والے کی بے قراری کا پتہ دیتا ہے، مسلمانوں کے طبائع کا اندازہ کر کے اسلامی مجلسوں کے لئے ایک موضوع انھوں نے مقرر کر لیا ہے، اور وہ حسب موقع اسلام، تاریخ اسلام، اور اسلاف اسلام کی مدح سرائی اور آخری تان ایک اردو یا فارسی شعر پر توڑ دینا،

مسز موصوفہ اس وقت نہ صرف شاعرہ بلکہ سرتاپا شاعرہ ہوتی ہیں، ان کا لباس، طرز خرام، طریق گفتار، ان کے ایک ایک عضو کی حرکت، سر کی جنبش، آنکھوں کی گردش، اس میں سے ہر چیز شاعرانہ ہوتی ہے، جب تک وہ بولتی رہتی ہیں، سارا مجمع مبہوت اور متحیر رہتا ہے، ڈائس کی بلندی سے ہر چند فقروں کے بعد چیرز کے نعرے بلند ہوتے ہیں، اور آخر نشست تک اس کی صدائے بازگشت بڑھتی چلی جاتی ہے، آخر انھی چیرز کی آوازوں میں ایک اردو یا فارسی شعر پڑھ کر جب پلٹتی ہیں، تو ہر کرسی خود بخود خالی ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھنے کی آرزو کرتی ہے، لیکن کمتر ایسا ہوا، کہ اس تسابق میں لکھنؤ یا بانکی پور کی کرسی سے کہیں اور کی کرسی سبقت لے جائے، ان کے کانوں میں باتیں کرنے کا شوق اس درجہ ترقی کر جاتا ہے، اور بوڑھوں بڑھوں سے اس باب میں وہ حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں، کہ ہمارے ادب شناس نوجوان غصہ سے لال پیلے ہو جاتے ہیں،

بعد ازیں صدر اور سکریٹری فوراً اٹھ کر لیکن تبسم آمیز شرم اور جھینپ کے ساتھ خطبہ کا شکریہ ادا کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے، کہ طوطی، بلبل، قمری اور دیگر خوش رنگ و خوش آواز پرندوں میں سے کسی کی تشبیہ چھوٹنے نہ پائے اور ہر شکریہ گذار اپنے حسن تشبیہ کے لئے دوسروں پر سبقت کے لئے بے قرار رہتا ہے، شکریہ کا آخری فقرہ یہ ہوتا ہے، کہ وہ دن کب آئے گا، جب ہماری پردہ نشین خواتین اس لیاقت و قابلیت سے ہماری قومی مجلسوں پر حکمرانی کریں گی،

مسز سروجنی نائیڈو نہ صرف قولاً ان کے لئے نمونہ ہیں، بلکہ وہ خود مجسم ہماری خواتین کے لئے عملی سبق ہیں؟

آخری سین کس درجہ رقت انگیز ہوتا ہے، جب وہ شکر گذاروں کے تحفے لے کر چلنے کو اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ ڈائس کی نصف کرسیاں آخری جلسہ تک خالی ہو جاتی ہیں، اور صف کے اندر جہاں جہاں سے گذرتی ہیں، حاضرین کا زیر لب تبسم کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہوئے آگے بڑھتی جاتی ہیں، اور آخر جب وہ زینہ آتی ہے، جہاں گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں، تو کہہ نہیں سکتا، کہ کس قیامت کی کشمکش برپا ہوتی ہے، اور آخر ایک سناٹا چھا جاتا ہے،

ہم مسز موصوفہ کے فضل و کمال کے منکر نہیں، ان کے حسن تقریر کے دل سے معترف ہیں، ان کے خیالات کی

قدر کرتے ہیں، لیکن ہم اپنے مسلمان اکابر کی خفیف الحرکتیوں کو جو بھرے جلسوں میں ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، اپنے قومی جلسوں کے لئے لعنت کبریٰ سمجھتے ہیں، حافظ کو آٹھویں صدی میں شکایت تھی،

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند    چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

لیکن اگر وہ چودہویں صدی میں ہوتے، تو جلوت و خلوت کا بھی فرق وہ نہ پاتے،

انجمن علمائے بنگال جس کی صدارت کی عزت مجھے امسال حاصل ہوئی، بنگال میں پانچ برس سے اشاعت وحفاظت اسلام کا مفید کام انجام دے رہی ہے، پانچ برس کے عرصہ میں اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی، تو یہی کہ اس نے بھی عام انجمنوں کی طرح اپنا سالانہ اجلاس کیا، ہم نے انجمن کے کارکنوں سے عرض کر دیا ہے، کہ وہ اگر کام کرنا چاہتے ہیں، تو اپنی انجمن کو "سالانہ جلسہ کرنے والی مجلس نہ بنائیں، پھر علمائے کرام کی مجلس، اگر ایک دو اجلاس اور ہوئے تو ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گی، خاموشی سے کام کرو، اور سال میں اپنے اعمال کا تحریری جائزہ دو اور بس!

اس موقع پر میں نے صدارتی ایڈریس پڑھا تھا، گو وہ تمام اخبارات میں چھپ چکا ہے، تاہم احباب مجھ سے مستقل رسالہ چاہتے ہیں، ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے، کہ وہ الگ ایک رسالہ کی صورت میں چھپا ہے، نمبر ۲۹ اپر سرکلر روڈ کلکتہ دفتر انجمن سے طلب فرمائیں، میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں ہے،

سیرۃ نبویؐ کی دوسری جلدوں کے طبع کے لئے جو دقتیں میں نے عرض کی تھیں، ان سے متاثر ہو کر ایک دو مقام پر لوگوں نے اپنا فرض آپ ادا کرنا شروع کیا ہے، ہم چاہتے ہیں، کہ کم از کم بیس تیس شہر کے مسلمان بھی اس خدمت کو ادا کریں، تو دقت رفع ہو سکتی ہے،

---

مسلمان خواہ اپنا فرض ادا کریں یا نہ کریں، لیکن ہم وابستگان دفتر سیرت انشاء اللہ اپنا فرض خود ادا کرکے رہیں گے، اس مقدس کام کے لئے، ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی، کہ بار بار اپنا سوال دہرائیں،

ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را

(معارف جنوری سنہ ۱۹۱۸ء)

(۲)

دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء میں اردو انسائیکلوپیڈیا کی جو تحریک میری اور مولوی عبد الماجد دریابادی صاحب بی، اے

کی طرف سے ملک میں پیش کی گئی تھی، اخبارات اور اہل قلم حضرات کی طرف سے اس کا جس گرم جوشی سے خیر مقدم کیا، گیا، وہ نہایت حوصلہ افزا تھا، لیکن مالی اعانت اور خریداروں کے نام کا جب سوال آیا تو عالمگیر زبان کے بولنے والوں میں سے ایک کی زبان سے بھی صدائے ہمت بلند نہ ہوئی، اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ہمارا متوسط طبقہ گو ایک حد تک فرض شناس ہوگیا ہے، لیکن امرا کا طبقہ جس کی سرپرستی کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا، اب تک اپنے پہلے جمود پر قائم ہے، ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت نے از خود اس کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی، لیکن جب لکھنؤ کے اہل قلم کا ایک ممتاز وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان سے افسوس ناک سرد مہری کا برتاؤ کیا گیا،

یہ ہے ہماری وہ عملی دلیل جو ہم اپنی زبان کو ہندوستان کی مشترک اور عالمگیر زبان کہنے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، فردوسی نے سچ کہا ہے،

کہ صد گفتہ چوں نیم کردار نیست

دوستو! آؤ آج تمھیں ایک بلند ہمت قوم کا قصہ سناتے ہیں، مرہٹی زبان کے بولنے والے اور سمجھنے والے شاید پونہ سے ناگپور تک ایک کروڑ سے زیادہ نہ ہوں گے، لیکن اپنی زبان کی ترقی کے لئے ان کی کوششیں تمام ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں سے بھی زیادہ ہیں، مسلمان سیاسی معاملات میں اکیس ۲۱ کروڑ ہندوؤں کی تعداد سے ڈرتے ہیں، لیکن حقیقت میں سوال تعداد کا نہیں ہے، بلکہ قوت کا ہے، سات کروڑ مسلمان اگر اکیس ۲۱ کروڑ ہندوؤں کی ہندی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو کیا ایک کروڑ مرہٹہ یا ڈیڑھ کروڑ بنگالیوں کی زبان کا مقابلہ کر سکتے ہیں،

---

ناگپور میں مرہٹی زبان کی انسائیکلوپیڈیا لکھنے کی تحریک کچھ دنوں سے شروع ہوئی ہے، مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا نام "مہاراشٹری دیان نکوپ" تجویز ہوا ہے، بیس ۲۰ جلدیں ہوں گی، دس ۱۰ ہزار صفحے ہوں گے، سو ۱۰۰ روپیہ قیمت ہوگی، اس کے چیف اڈیٹر شری ویرونک ٹیش کیتکر ایم، اے، پی، ایچ ڈی ہیں، اس میں دو سو ۲۰۰ مضمون نگار کام کر رہے ہیں، سنہ ۱۹۲۲ء میں تمام جلدیں مکمل ہو جائیں گی، اس کے لئے خاص پریس ہے، اس کا ایک لمیٹڈ [illegible] ہے جس کا نام "مرہٹی انسائیکلوپیڈیا منڈل آفس لمیٹڈ کراڈوگ ناگپور" ہے،

ہلیال ملک کرناٹک کا ہمارا ایک پرجوش عزیز جو اردو زبان پر جان دیتا ہے، اس غم و غصہ میں کہ اسکی

زبان میں کیوں یہ سرمایہ پیدا نہ ہوا، اس نے اردو چھوڑ کر مرہٹی پڑھنی شروع کر دی، کہ ایسی کشتی پر کیوں نہ سوار نہ ہوں جس سے اتنا بڑا سمندر قبضہ میں آتا ہے،

اسلامیہ کالج پشاور خواہ کسی نیت سے قائم ہوا ہو، لیکن اس سے جو اضطراری فوائد حاصل ہو جائیں، ان کا شکریہ کیوں نہ ادا کیا جائے، اس کالج میں ایک مشرقی کتب خانہ کی بھی بنیاد ڈالی گئی ہے، پشاور میں مولانا غلام جیلانی مرحوم ایک نہایت علم دوست عالم تھے، جو اپنی دولت کا کثیر حصہ نادر کتابوں کی خرید پر صرف کرتے تھے، ملک عرب کا سفر علاوہ ارادۂ حج کے انہی کتابوں کے شوق میں کیا، اور وہاں سے متعدد قلمی کتابیں ان کو ہاتھ آئیں، مولانائے ممدوح کا انتقال ہو گیا، اور ان کا یہ نادر کتب خانہ ان کی بیوی اور لڑکی کے حصہ میں آیا، جنھوں نے نہایت فیاضی سے ان زر و جواہر کو اسلامیہ کالج کے علمی خزانہ میں منتقل کر دیا، جزاہما اللہ خیر الجزاء،

ہمارے پاس ان کتابوں کے نام اور خصوصیات پر ایک چھوٹا مطبوعہ انگریزی کا رسالہ کالج کی طرف سے آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ درحقیقت اس کالج کی یہ خوش قسمتی تھی، کہ یہ سرمایہ اس کی ملکیت میں آسکا۔ ان کتابوں کی عام خصوصیات یہ ہیں،

۱- تمامتر قلمی ہیں، اور اکثر اب تک چھپی نہیں، ۲- خود مصنفین یا ان کے شاگردوں یا ان کے معاصرین یا ان کے قریب زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں، ۳- ان میں سے بعض نہایت عمدہ خوشخط، مطلا اور مذہب ہیں (۴) اکثر کتابیں تیموریوں کے شاہی کتب خانہ کی ہیں، بعض کتابیں جن مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔ محمد بن عمران مقدسی، علامہ جبرتی اور شیخ عبد الحق دہلوی،

نادر کتابوں میں حسب ذیل کتابیں خاص وقعت کے لائق ہیں،

۱- حدیث میں سنن کبیر بیہقی مکتوبہ ۶۲۶ھ اس کی دس جلدوں میں سے آٹھ جلدیں موجود ہیں (۲) فتح الباری ابن حجر ۸۲۳ھ کا لکھا ہوا، یعنی خود مصنف کی زندگی کا نسخہ، ۳- زبدۃ الطب، فن طب پر ایک نادر تصنیف، ساتویں صدی ہجری کا نسخہ ہے (۴) سعید بن ہبۃ اللہ کی کتاب الاقناع فلسفہ میں، یہ نہایت قدیم تصنیف ہے، ابن سینا اس کا حوالہ دیتا ہے (۵) امام محمد کی کتاب الزیادۃ فقہ میں نہایت نایاب کتاب، یہ نسخہ ۵۲۳ھ کا لکھا ہے، ۶- علم البحریۃ، فن جہازرانی میں مکتوبہ ۱۰۰ھ (۷) مفاتح الرحموت، فن کیمسٹری پر ایک نایاب نسخہ،

ہندوستان کے اکثر صوبوں میں مسلمانوں کے کئی کئی اسکول ہیں، اگر نہیں ہے، تو اس صوبہ میں، جہاں مسلمانوں کے سب سے زیادہ لیڈر رہتے ہیں، یعنی صوبہ بہار، حالانکہ اس صوبہ کے ہر شہر اور ضلع میں ہندوؤں کے اسکول اور کہیں کہیں کالج ہیں، اور اکثر بلا چندہ کے ایک شخص کے یا کسی خاص فرقہ یا ذات کے ہیں، بڑے بڑے ضلعوں میں کئی کئی اسکول ہیں، جو گورنمنٹ اسکولوں سے بہتر چل رہے ہیں، صرف ایک شہر چھپرہ میں ان کے چھ یا سات اسکول ہیں، بانکی پور میں دو تین ہیں، چھپرہ کے ایک اسکول میں ۱۲۰۰ لڑکے پڑھتے ہیں، جن میں چار سو کے قریب مسلمان ہوں گے۔

مدت ہوئی کہ سرسید کے زمانہ ہی میں پٹنہ میں ایک اینگلو عربک ہائی اسکول قائم ہوا تھا، لیکن اب اس کی حالت مسلمانوں کی حقیقت کا آئینہ ہے، یہ دیکھ کر چھپرہ کے چند پرجوش مسلمانوں نے وہاں ایک اسلامیہ اسکول قائم کیا ہے، اور اچھے اسٹاف کے ساتھ چند ماہ سے چل رہا ہے، ۲۷ جنوری ۱۹۱۸ء کو اس اسکول کا افتتاحی جلسہ تھا، جلسہ میں مسٹر مظہر الحق، مسٹر گاندھی، جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی تشریف فرما تھے، یہ خاکسار بھی حاضر تھا، مسئلۂ تعلیم اور ہندو مسلمانوں کے تعلقات کے متعلق ہر صاحب نے اظہار خیال کیا، مسٹر گاندھی نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے جلسہ میں باہمی محبت اور ایک دوسرے کے میل ملاپ پر زور دیا اور واقعہ آرہ پر افسوس کیا، مسلمانان چھپرہ سے امید ہے کہ تمام صوبہ کے ایک اسلامیہ اسکول سے غفلت نہ برتیں گے۔

(معارف ماہ فروری ۱۹۱۸ء)

### (۳)

ہندوستان میں علماء کی معقول تعداد ہے، لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا، کہ اس تعداد کا کثیر بلکہ تمام تر حصہ ممالک متحدہ، بہار، بنگال اور پنجاب میں ہے، مدراس، بمبئی، برار، صوبہ متوسط اور چھوٹے چھوٹے قدیم صوبوں میں جو پہلے علم دین کے مرکز تھے، وہاں اس طبقہ کا فقدان عام ہے، صوبہ متوسط میں اس وقت بمشکل چار پانچ عالم خاص اس ملک کے باشندے ملیں گے، بمبئی کو چھوڑ کر کہ وہ آفاقیوں کا مسکن ہے، گاؤں، قصبوں اور شہروں کا یہی حال ہے، مدراس کی حالت کو بھی اسی پر قیاس کیجئے، جس ملک کی یہ کیفیت ہو، وہاں کے مسلمان باشندوں کی مذہبی بیداری اور فرائض شناسی کی نسبت آپ کیا قیاس کر سکتے ہیں۔

آج کل اخبارات میں اشاعت اسلام کی پکار ہے، لیکن ان کی نظر اس راہ کی دقتوں پر

نہیں، حالت یہ ہے کہ کہنے کو تو اردو زبان تمام ہندوستان کی زبان ہے، شاید شہروں کی نسبت یہ بیان صحیح ہو، لیکن دیہاتوں اور قصبوں کے مسلمان جیسا چاہئے اس زبان کو نہیں سمجھتے، باہر سے جو علماء وہاں جاتے ہیں، وہ اول تو چند روز سے زیادہ قیام نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ ان کے فصیح و بلیغ تقریروں کے سمجھنے والے وہاں مفقود ہیں، اس لئے اصلی طریقۂ کار یہ ہے، کہ وہاں کے مسلمانوں میں عربی تعلیم کا ذوق پیدا کیا جائے، اور اس صوبہ کے چند لڑکوں کو عالم بنا کر ان کے وطن میں واپس کیا جائے، جہاں وہ مستقل قیام کر کے اور اپنے اہل وطن کے ہر مجلس و خلوت میں شریک ہو کر ان کے درمیان کام کریں،

ندوہ نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے، اور اب چند سال سے اس کے سالانہ اجلاس کا بھی اہم المقاصد ہے، مدراس میں خود وہاں کے چند مقدس روشن خیال علماء کی کوشش سے ایک مدرسہ باقیات الصالحات نہایت کامیابی سے ندوہ کے اصول پر چل رہا ہے، امسال ناگپور میں ایک عربی درسگاہ کی تحریک پیدا ہوئی ہے، اور امید ہے کہ وہ کامیاب ہوگی، لیکن چونکہ ہر جگہ دار العلوم جیسا مدرسہ قائم نہیں ہو سکتا، اس لئے اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ طلبہ دار العلوم میں لائے جائیں، چنانچہ تین سال کی کوشش کے بعد دار العلوم میں آپ کو ہر صوبہ کے لڑکے مل سکتے ہیں، بہار اور ممالک متحدہ تو ندوہ کی پرانی کمائی ہیں، اب اس کا احاطہ بنگال، برہما، سیلون، مہاراشٹر، کرناٹک، ممالک متوسط و برار، مدراس اور پنجاب و پشاور تک پہنچ گیا ہے، امید ہے کہ چند سال کے بعد ہمارے دو دو تین تین طالب العلم جب ان ممالک میں پہنچ جائیں گے، اور اپنے اخلاق اور جوش عمل سے وہاں کے مسلمانوں کو مطمئن کر دیں گے، تو مسلمانوں کی ترقی کا ایک نیا باب کھل جائے گا،

بنگال کے طالب العلم ہر مدرسہ میں ہوتے ہیں، لیکن تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے، کہ عمر بھر پڑھنے کے بعد بھی ان کی بنگالیت رفع نہیں ہوتی لیکن الحمد للہ کہ دار العلوم ندوہ کی آب و ہوا، ان نقائص کو دور کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے، امسال ناگپور کے اجلاس میں مولوی عبد اللہ بنگالی نے جس خوبی اور صفائی لہجہ کے ساتھ عربی میں تقریر کی، کہ تمام علمائے حاضرین صدائے احسنت اور مرحبا بلند کر رہے تھے، اور جب اس کی تقریر کے بعد میں نے اٹھ کر یہ بتایا کہ یہ طالب العلم بنگال کا رہنے والا ہے تو سب محو حیرت ہو گئے،

امسال اجلاس ناگپور متعدد حیثیتوں سے کامیاب رہا، یاد ہوگا کہ گذشتہ دسمبر کے اجلاس ہائے کلکتہ پر ایک

شذرہ میں ہم نے اظہار افسردگی کیا تھا۔ ندوہ کے اجلاس ناگپور نے اس کی پوری تلافی کردی۔ کلکتہ میں ایک طرف کانگریس کا جوش وخروش اور دوسری طرف لیگ اور کانفرنس کی افسردگی دیکھ کر ہر مسلمان بجائے خود اپنی ذلت آپ محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ یہ خود ہماری غلطی ہے، مسلمانوں کے جوش وخروش اور قوت عمل کا نظارہ صرف ایک ہی تماشا گاہ میں ہو سکتا ہے، اور وہ مذہب ہے، اور اسی کے اندر سب کچھ ہے۔

جناب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صدر ندوۃ العلما، اور مولانا شاہ سلیمان صاحب کے استقبال میں وہ جوش، ازدحام اور ولولہ تھا، کہ معلوم ہوتا تھا، کہ آج ناگپور کی تاریخ بدل جائے گی۔ والنٹیر جس ہمت اور ذوق دہی سے مصروف کار تھے، وہ تماشا دیکھنے کے لائق تھا۔ باہر سے اس کثرت سے مہمان آئے تھے، کہ سچ یہ ہے کہ میزبان اس بار کو بمشکل سنبھال سکے۔ نو سو ڈیلیگیٹ مختلف مقامات سے آئے تھے، ان میں زیادہ تعداد تو خود صوبہ کے اندر کی تھی، باہر کے صوبوں میں سے زیادہ مدراس کے لوگ تھے۔ رات کے مجالس وعظ میں پانچ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔

تیسرے دن جب چندہ کی تحریک ہوئی ہے، تو گو چندہ کی کوئی بڑی رقم کی امید نہ تھی، کہ یہاں امرا کی آبادی نہیں، لیکن ہم نے اپنے انہی غریب بھائیوں میں وہ جوش دیکھا، کہ تین تین میزیں مختلف مقامات پر چندہ لینے کے لئے بچھائی گئی تھیں، لیکن حالت یہ تھی، کہ ہر جگہ ایک بھیڑ سی لگی تھی، اور بمشکل یہ مہلت کارکنوں کو ملتی تھی، کہ وہ ان کے صحیح نام اور پتہ لکھ سکیں، مذہبی تعلیم اور علوم اسلامیہ کے احیاء کے جو وعظ وہ سن رہے تھے، اس کا یہ اثر تھا، کہ لوگوں پر گریہ اور رقت طاری تھی، اور بعض عملاً اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو اس خدمت گذاری کے لئے نثار کر رہے تھے، اور ہم بمشکل ان میں سے چند کو لے سکے، یہ سن کر تعجب ہوگا، کہ وہ جنٹلمین مسلمان جو اس قدر آزاد ہیں، کہ اپنی لڑکیوں کو بشوق انگریزی تعلیم بے پردہ دلا رہے ہیں، وہ بھی اپنے اصلی جوش مذہبی کو نہ دبا سکے، اور اپنے دو عزیزوں کو اسی وقت انھوں نے مذہبی تعلیم کے لئے وقف کر دیا۔

وہ سماں نہ بھولے گا، جب ایک ہندو برہمن نے اپنے دس روپے کی رقم ان الفاظ کے ساتھ جلسہ میں پیش کی، کہ میں یہ حقیر رقم اُن احسانات کی یادگار میں دیتا ہوں، کہ جو مسلمان بادشاہوں نے ہمارے اسلاف پر کئے تھے، یہ روپیہ اس فارسی زبان پر تعلیم پر صرف کیا جائے، جس میں ہمارے بزرگوں کو سلاطین سے سندیں ملتی تھیں۔

اس اجلاس کا سب سے مفید کام یہ ہوا، کہ صوبہ برار و متوسط کے لئے ایک انجمن معین الندوہ قائم ہوئی، جس کے

کارکن بھی اسی اثنائے اجلاس میں انتخاب کرلئے گئے۔ انتخاب کا معیار عزت وجاہ نہیں، بلکہ دردِ دینی اور ذوقِ عمل قرار دیا گیا ہے، یہ مجلس اپنے تمام صوبہ میں مذہبی دعوت اور تعلیم کا کام انجام دے گی، بالفعل اس کے ماتحت عربی کا ایک ابتدائی مدرسہ قائم ہوگا۔

(معارف ماہ اپریل ۱۹۱۸ء)

## (۴)

دو تین مہینہ سے رسالہ کی ترتیب وتہذیب اور اشاعت میں فرق آگیا ہے، اس کا اصلی سبب یہ ہے، کہ ان دنوں زیادہ تر سفر میں اور کئی کئی ہفتے مرکز سے دور رہنا پڑا، یہ نمبر بھی اڈیٹر کی غیر حاضری میں مرتب ہوا ہے، شروع سال یعنی جولائی ۱۸ء سے ارادہ ہے، کہ رسالہ کا وقت اشاعت آخر ماہ کے بدلے اوائل ماہ میں کردیا جائے، امید ہے، کہ اس انتظام سے ناظرین کو مہینہ کے اندر رسالہ مل جایا کرے گا،

رسالہ کی دوبارہ طلبی میں خریداروں کے اکثر خطوط آیا کرتے ہیں، بعض ایسے غفلت شعار ہیں، کہ کئی کئی مہینے پر چونکتے ہیں، اور چاہتے ہیں، کہ ان کی بے پروائی کا خمیازہ دفتر اٹھائے، ہمارے یہاں رسالہ کے بھیجنے میں پوری احتیاط برتی جاتی ہے، اس پر بھی اگر نہ پہنچے، تو اپنے اپنے مقامی ڈاکخانوں سے ایک دفعہ بھی تو پرسش کرنی چاہیے،

سیرت جلد اول اب تک چھپ کر ہمارے دفتر میں نہیں پہنچی، اس کام میں ایسے اشخاص سے معاملہ پڑا ہے، جن کی مثال تاریخ اخلاق میں نہیں مل سکتی، ہماری حالت انتظار دیگر شائقین سے زیادہ قابل رحم ہے،

ارباب علم وادب کے بعض حلقوں میں یہ تحریک نشوونما پا رہی ہے، کہ یورپ کے خیام کلب کی طرح ہندوستان میں ایک شبلی سوسائٹی قائم کی جائے، جس کا مقصد مولانائے مرحوم کی ادبی تصنیفات کی تدوین واشاعت اور اردو زبان کے ادبیات لطیفہ کی خدمت گذاری ہو، آیندہ نمبر میں صاحبِ تحریک اپنی تجویز انہی صفحات میں پیش کریں گے۔ ناظرین ہوشیار رہیں،

انجمن نظر بندان اسلام فتح پوری دہلی نے مسلمان نظر بندوں کے حالات زندگی، اسباب قید اور ان کے متعلق دیگر معلومات کے بہم پہنچانے کے لئے چھوٹے چھوٹے رسائل کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، اب تک اس سلسلہ میں تین رسالے شائع ہوچکے ہیں، مسٹر محمد علی وشوکت علی کے چند اہم خطوط کا مجموعہ، مسٹر محمد علی کی چند غزلوں کا مجموعہ، شیخ الہند

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب محدث دیوبند کے مختصر سوانح و حالات نظر بندی ان میں سے ہر سلسلہ اس لائق ہے کہ مسلمان ان کو پڑھ کر اس سے عبرت و بصیرت حاصل کریں۔ انجمن کی طرف سے دوسرے نظر بندوں کے متعلق بھی اسی قسم کے اور رسالے ترتیب پا رہے ہیں، رسائل موجودہ میں سے اول و دوم کی قیمت دو دو آنے اور تیسرے کی چار آنے ہے۔

مولوی سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ نے جو ہماری زبان کے تنہا لغت نویس تھے۔ ۱۰ رمئی ۱۸ء کو انتقال کیا، یہ سن کر افسوس ہوا کہ مرحوم کے جنازہ میں بیس پچیس آدمی سے زیادہ نہ تھے۔

(معارف ماہ مئی ۱۹۱۸ء)

( ۵ )

مجوزہ سلطانیہ کالج کے شاہی اراکین اور زیر تجویز اسلامیہ کالج کلکتہ کے پرجوش حامیوں نے یہ سنا کہ پنجاب کے ایک ضلع میں آریہ ہندوؤں نے بغیر غور و فکر، دورہ و تجاویز وغیرہ کے صرف ایک ہفتہ میں ایک انگریزی کالج بنا کر کھڑا کر دیا۔

مشہور شہر بانکی پور کے بھی تمام نامور لیڈر اور رؤسا ایک اسلامی تعلیمی کانفرنس اور ایک اسلامیہ کالج کے قیام کی تجویز سوچ رہے ہیں، خدا کرے کہ انکی سمجھ میں آجائے، ورنہ عظیم الشان صوبہ بہار میں اس سے جو تعلیمی انقلاب پیدا ہو جائے گا، اسکو کون سنبھال سکے گا۔

ہمارے چھوٹے سے ضلع اعظم گڈھ میں چار مہینے کے اندر ایک گریجویٹ سنیاسی نے ہندوؤں سے چند تعلیم گاہیں قائم کرا دیں، جن میں ایک ہائی اسکول ہے۔ ہائی اسکول ایسے مقام پر قائم ہوا ہے، جہاں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ اور ہندوؤں کی تعداد کمتر ہے، ہماری قوم کے فن، کثرت و قلت کے ماہرین کیا اس کا فلسفہ بتا سکتے ہیں۔

مشہور فلاسفر برکلے کے فلسفہ کو اردو میں منتقل کرنے کی دار المصنفین کی طرف سے جو کوشش ہو رہی تھی، اس کے متعلق تین کتابیں اس وقت تک مرتب ہو چکیں، اول برکلے اور اس کا فلسفہ، دوم مبادیِ علمِ انسانی، سوم مکالماتِ برکلے، پہلا نمبر مکمل تیار ہے، دوسرا اور تیسرا نصف چھپ کر مکمل ہو گیا ہے۔

ہندوستان کے تمام موقت الشیوع مطبوعات نے اپنا ولایتی پیراہن (کاغذ) اتار کر دیسی لباس پہن لیا۔ لیکن ہم نے اب تک وضعداری نباہی اور اپنی سفید پوشی" کی شرم رکھی، اور آئندہ بھی اس عہد پر قائم رہنے کا

ارادہ ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ قیصر کی جہاں سوز اور عالم خراب جنگ نے ہماری ہمت کو تو نہیں، لیکن کاغذ فروشوں کی ولایتی تجارت کو یقیناً شکست دیدی، شاید اس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم کو "دلیل جبری" سے ناچار ہو کر سودیشی تحریک کی عملی مثال معارف کے صفحات میں پھیلانی پڑے، یعنی دیسی کاغذ لگانا پڑے،

اس مہینہ ہماری قوم کے ایک اور فاضل نے داغ مفارقت دیا، یعنی جناب مولوی عبد الغنی صاحب وارثی عظیم آبادی نے، مرحوم عربی کے فاضل اور انگریزی کے عالم تھے، انھوں نے عربی کتابیں ختم کر کے اس وقت علی گڈھ کے مدرسۃ العلوم میں انگریزی پڑھی، جبکہ وہ ایک اسکول کا جھوپڑا تھا، انگریزی تعلیم کے بعد انھوں نے بانکی پور میں اخبار نویسانہ زندگی اختیار کی، پھر حیدرآباد گئے، اور مترجمی کے عہدے پر فائز ہوئے، اور آخر رفتہ رفتہ اسسٹنٹ اکاونٹنٹ جنرل سرکار حیدرآباد ہوئے، حیدرآباد میں وہ اس بزم کے ممبر تھے، جس کے صدر نشین علامہ شبلی اور مولوی عزیز مرزا مرحوم تھے، چند مہینے ہوئے، کہ پنشن پا کر خانہ نشین ہوئے تھے، کہ دفعۃً ۱۰ رجون سنہ ۱۹۱۸ء کی شب کو درد سینہ سے وفات پائی،

مرحوم کو اخلاق و تصوف سے فطری ذوق تھا، اسلئے ان کی تصنیفات زیادہ تر اسی موضوع پر ہیں، بوذاسف و بلوہر، جو اصل میں ایک ہندی زاہد بودھ کا قصہ ہے، مسلمانوں کے عہد عروج میں اس کا عربی میں ترجمہ ہوا تھا، پھر "کلیلہ دمنہ" کی طرح وہ دنیا کی اکثر زبانوں میں اس سے منتقل ہوا، مولوی صاحب مرحوم اس کا اردو میں نہایت عمدہ ترجمہ کر کے ہندوستان کی کھوئی ہوئی دولت کو پھر ہندوستان واپس لائے، یہ قصہ اس قدر پر اثر اور ہندی تمثیلات سے اس قدر مملو ہے، کہ شبہ ہوتا ہے، کہ کیا موجودہ انجیل اسی سے ماخوذ ہے، عربی میں اخلاق کی ایک اور چھوٹی سی کتاب ہندو شاہ کی "الکلم الروحانیۃ فی الحکم الیونانیہ" ہے، مرحوم نے اس کو بھی اپنی زبان میں منتقل کیا، امام شعرانی کی اولیاء اللہ کے حالات میں ایک مستند ضخیم کتاب عربی میں ہے، اس کا بھی نعمت عظمیٰ کے نام سے اردو ترجمہ کیا، عربی کی الف لیلہ اور ابن شداد کی "سیرۃ صلاح الدین" کا ترجمہ بھی انھوں نے بعض امرائے دکن کی فرمایش سے کیا تھا، لیکن شائع نہ ہوا، آج کل رسالہ "الناظر" میں (شاید لین پول) کی انگریزی تاریخ اسپین کا نہایت صحیح ترجمہ (برعایت اسمائے عربی) شائع ہو رہا ہے، پچھلی بار جب مولوی صاحب سے وطن میں ملنے کا اتفاق ہوا تو فرماتے تھے، کہ اب اس فرصت میں امام شعرانی کی لائف پوری کروں گا، افسوس کہ خود ان کی لائف پوری ہو گئی،

ہمارے دوست مولوی عبد الماجد بی، اے، جو گردش روزگار سے عثمانیہ یونیورسٹی کے تعلق سے حیدرآباد دکن میں

یقیم ہیں، آج کل دکن اور ہندوستان کے اخبارات میں ان کے متعلق متضاد مضامین چھپ رہے ہیں، دکن کے ایک دو اخبار مصر ہیں کہ "فلسفہ اجتماع" کا مصنف بے شبہ کافر ہے، اور ہندو اخبارات اس بنا پر کہ نیو انڈیا میں انھوں نے ہندی کے مقابلہ میں اردو کالم کا مطالبہ کیا ہے، ان کو "متعصب مسلمان" کا خطاب دیتے ہیں، اسی مقام پر پہنچ کر یہ رتبہ ملتا ہے،

## تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھ کو

مولوی حاجی معین الدین صاحب رفیق دار المصنفین جن کے مضامین اکثر معارف میں شائع ہوا کرتے تھے، اور جو کچھ دنوں سے کتب خانہ ندوہ کی ترتیب و تدوین فہرست کی خدمت انجام دے رہے تھے، خوشی کی بات ہے، کہ اب بنگال رایل ایشیاٹک سوسائٹی نے ریسرچ مولوی کی حیثیت سے ان کی خدمات حاصل کر لی ہیں، ہم کو امید ہے، کہ حاجی صاحب موصوف اپنے علمی افادات سے جبکہ وہ ہندوستان کے بزرگ ترین ذخیرۂ کتب پر قابض ہیں، شائقین کو بہرہ اندوز کرتے رہیں گے، سیر الصحابہ کا جو حصہ ان کے متعلق تھا، اس کی تالیف وہاں بھی جاری رکھیں گے، اور دار المصنفین سے بھی ان کا روحانی اور علمی تعلق انشاء اللہ ہمیشہ باقی رہے گا، اس لئے ظاہری انقطاع کے لئے ہم کو ملول نہ ہونا چاہئے،

اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اعلیٰ حضرت فرماں روائے دکن خلد اللہ ملکہ نے جناب مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کو معین المہامی امور مذہبی کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے، جناب موصوف ۱۰ جون کو حیدرآباد پہنچ گئے، اب وہ ایک عربی درسگاہ (نظامیہ) کے صدر اعظم، عربی زبان کے سب سے بڑے دار الاشاعہ (دائرۃ المعارف) کے ناظم اعلیٰ، مجلس اشاعت علوم و فنون کے رئیس اکبر اور کل رقبہ حکومت دکن کے شیخ الاسلام ہیں، جناب موصوف کو ہندوستان میں مسلمانوں کے امور مذہبی کی اصلاح و ترقی میں جو بے بسی نظر آتی تھی، امید ہے کہ دکن کی ذی اختیارانہ حیثیت ان کو حقیقی کام کرنے کا موقع دے گی،

(معارف ماہ جون سنہ ۱۹۱۸ء)

(۶)

الحمد للہ کہ سیرۃ نبویؐ جلد اول تمام و کمال چھپ گئی، نقشے بھی چھپ کر آگئے، تین قسم کے کاغذوں پر یہ جلد چھپی ہے، پہلی قسم پچاس پونڈ کے گلیزڈ پیپر پر، دوسری قسم بتیس پونڈ کے آرٹ پیپر پر، اور تیسری قسم سفید بنگال پیپر پر،

تقطیع بڑی رکھی گئی ہے، یعنی سید علی بلگرامی کی تمدن عرب کا سائز ہے، کتاب اس حسن اور صفائی کے ساتھ چھاپی گئی ہے، کہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے، کہ تمام ہندوستان میں کوئی کتاب اب تک اس خوبی سے نہیں چھپی ہے،

خوبی اور عمدگی کے لحاظ سے تو پہلی قسم بہتر ہے، لیکن پائداری اور مضبوطی کے لحاظ سے تیسری قسم ترجیح رکھتی ہے، قسم اول و دوم میں مخصوص مقاماتِ مقدسہ کے چند فوٹو خاص ہندسی قاعدے کے مطابق سرکار بھوپال کے ایک لائق انجینیر کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں، جنھوں نے خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاکر، ہر چیز کو دیکھ کر اور انجینیری قاعدے سے ناپ کر اس کا صحیح خاکہ تیار کیا ہے، آخر میں عرب کا ایک نقشہ جو مصر کے خدیوی سفر کا نتیجہ ہے، بلاک کے ذریعہ سے چمڑے کے کاغذ پر چھپا ہوا لگایا گیا ہے،

کاغذ اور سامان طبع کی گرانی کے باعث لاگت زیادہ آئی ہے، صرف ایک جلد پر آٹھ ہزار روپیہ کے قریب خرچ آیا ہے، تاہم عام افادہ کی غرض سے غیر معمولی قیمت نہیں رکھی گئی ہے، قیمتیں حسب ذیل مقرر کی گئی ہیں، قسم اول مجلد عــہ غیر مجلد عــہ قسم دوم مجلد مع نقشہائے مقامات عــہ غیر مجلد بلانقشہ ســہ قسم سوم مجلد ســہ غیر مجلد صــہ عرب کا نقشہ ہر جلد میں ہوگا۔

جن لوگوں نے اپنا نام سیرت نبوی کے رجسٹر میں درج کرایا ہے، چار برس کے عرصہ میں ان کے پتے اکثر بدل گئے ہوں گے، اگر ان صاحبوں کی نظر سے یہ سطریں گذریں تو اپنے موجودہ پتہ سے اطلاع دیں، چونکہ بیک وقت بہت سی فرمائشیں بھیجی ہیں، اس لئے عجلت کا تقاضا نہ کریں گے،

افسوس ہے کہ تاجران کتب کو زیادہ نسخے ہم نہیں دے سکتے، خصوصاً قسم اول، جس کے صرف پانچ سو نسخے ہیں، ان کی فرمائشیں تقریباً پوری ہیں، کمیشن کی نسبت بھی ہم کو مجبوراً اعلان کرنا پڑتا ہے، کہ ۲۰ فیصدی سے زیادہ دینا ناممکن ہے، محصول ذمۂ خریدار ہوگا،

ندوہ کا ایک مقصد یہ بھی تھا، کہ ہمارے تعلیم یافتہ قدیم و جدید دونوں فلسفوں سے آگاہ ہوں، تاکہ موجودہ دور الحاد میں وہ علم اور مذہب کی حقیقی خدمت انجام دے سکیں، مولوی عبد الباری ندوی اسسٹنٹ پروفیسر دکن کالج پونہ اس معیار کی پوری مثال ہیں، ابتدا سے آخر تک انھوں نے ندوہ میں تعلیم پائی، وہیں انگریزی شروع کی، اور فراغت کے بعد کسی غرض دنیاوی کی آلایش کے بغیر انگریزی پڑھی، اور خاص فلسفہ کا تحقیقانہ

مطالعہ اپنا نصب العین بنایا، سات آٹھ سال کی محنت کے بعد قدیم فلسفہ دانی کے ساتھ یورپ کے جدید فلسفہ اور اس کے مختلف اصولوں پر اس درجہ عبور حاصل کیا، کہ (بقول مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی صدر اجلاس ندوہ ناگپور) ہمارے گریجویٹ بھی بہت کم اس رتبہ کو پہنچ سکے، نواب عماد الملک بلگرامی نے حیدرآباد کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں صرف انکے ایک دو مضمون پڑھ کر ان کی حوصلہ افزا الفاظ کے ساتھ ستایش فرمائی، اب اپنے سلسلۂ تصنیفات کی پہلی قسط وہ ملک میں "مبادی علم انسانی" کے نام سے پیش کرتے ہیں،

(معارف ماہ جولائی ۱۹۱۸ء)

(۷)

علماء کی سطح جامد میں روز بروز جنبش بڑھ رہی ہے، ندوۃ العلماء کے قیام کو تقریباً چوبیس برس گذرے، اس کے سالانہ جلسے ملک کے ہر صوبہ میں منعقد ہوئے، اس کی رودادیں اور اصلاحی تحریکیں دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پہنچیں، بظاہر نظر آتا ہے، کہ یہ تمام زمانہ بے سود شور وغل اور بے غایت ہنگامہ و غوغا میں گذرا، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ ضعیف سے ضعیف قوت بھی کبھی بیکار نہیں جاتی، اور کمزور سے کمزور آواز بھی بے اثر نہیں رہتی، قرآن مجید نے اسی فلسفہ کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ، خدا اچھے کام کرنے والوں کی مزدوری کبھی ضائع نہیں کرتا

مصر و ٹرکی کے بعد بعض جزائر ہند کے علماء نے بھی کروٹ لی ہے، اور ندوۃ العلماء کے مقاصد کی بنیاد پر ایک انجمن قائم کی ہے، ہندوستان کے مختلف گوشوں سے صرف چند سال کے عرصہ میں علماء کی متعدد انجمنوں کی بنا و تاسیس کی خبریں آرہی ہیں، گذشتہ سال انجمن علمائے بنگالہ میں یہ تحریک کی تھی، کہ علماء کو صوبہ وار اپنی اپنی مجلس الگ قائم کرکے کام شروع کرنا چاہئے، اس تحریک کے بعد ہندوستان کے دو مشہور صوبوں نے عملی پیش قدمی کی،

احاطۂ مدراس نے سب سے پہلے قدم بڑھایا، اور مجلس علمائے جنوبی ہند کی بنیاد ڈالی، اوائل جون ۱۸ء میں ترچناپلی میں اس کا عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، اور اصلاحی تحریکیں منظور ہوئیں، مدرسہ لطیفیہ اور مدرسہ باقیات الصالحات کے کارناموں پر اطمینان کا اظہار کیا گیا، واعظوں کے تقرر، مدارس دینیہ کے قیام اور اشاعت اسلام کی کارروائی کے مشورے ہوئے اور اغراض مخصوصہ کے لئے پچھتر ہزار روپیہ کا اعلان ہوا،

ہندوستان کے دوسرے اسلامی صوبوں کے برعکس مدراس میں اسلامی سرمایہ کی کمی نہیں، وللہ الحمد، دو برس ہوئے کہ چند پرجوش مسلمانوں کی تحریک سے ایک لاکھ سے زیادہ کا چندہ اشاعت اسلام کے نام سے جمع ہوا، لیکن جمعیت اسلامی کی عام وبا نفاق و مخالفت یہاں بھی موجود ہے، سرمایہ ہاتھ میں ہے، لیکن اختلاف یہ ہے، کہ پہلے حفاظت اسلام کی کارروائی کی جائے، یا اشاعت اسلام کی، یعنی پہلے مسلمانوں کو مسلمان بنایا جائے، یا غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے، ہمارے نزدیک تو ان دونوں میں کچھ بیر نہیں، مسلمان بنو بھی اور بناؤ بھی، اصل یہ ہے، کہ مدت کی معطل قوتیں آرام طلبی کے لئے ذرہ ذرہ سی باتوں کا بہانہ ڈھونڈتی ہیں، احباب مدراس مطلع فرمائیں گے، کہ آغاز عمل کی آخر کیا صورت قرار پائی۔

---

بنگال کے فیض ہمسائیگی نے بہار کے صوبہ کو بھی متاثر کیا، دسمبر ۱۹۱۷ء میں وہاں ایک انجمن علماء قائم کرنے کی تحریک پیدا ہوئی، سات مہینے کے بعد تحریک نے عمل کی صورت اختیار کی، مشورہ باہمی اور غور و فکر کے بعد انجمن علمائے بہار کا قیام ضروری سمجھا گیا، اور آخر ۵، ۶ر شوال ۱۳۳۶ھ کو شہر بہار میں اس کا عام اجلاس منعقد ہوا، ہمارے مخدوم مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی صدر مجلس تھے، یہ خوشی کی بات ہے، کہ انجمن کی نظامت کے لئے عامل اور غیور عالم ابو المحاسن مولوی محمد سجاد صاحب بہاری مل گئے ہیں، جن سے امید ہوتی ہے، کہ انجمن مذکور اپنے وسیع مقاصد کو انجام دے سکے، صوبہ بہار کی تاریخ میں چونکہ یہ پہلا باقاعدہ قومی و مذہبی اجتماع ہے، اس لئے مایوس نہ ہونا چاہئے، اگر ابتداءً مخالفتوں، جاہ پرستیوں، اور منافقتوں سے سامنا کرنا پڑے، واللہ الموفق

(معارف ماہ اگست ۱۹۱۸ء)

## (۹)

چار برس کے انتظار اور شدید مزاحمتوں کے بعد آخر سیرۃ نبوی جلد اول شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی، یہ جیسی بھی اور جس طرح بھی چھپی، وہ موجودہ حالات میں نہایت مغتنم ہے، آئندہ جلد کے لئے، جو بالکل تیار ہے، یہ سامان بھی مشکل ہے، کاغذ کی قیمت اب تگنے سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، اور پھر بھی نایاب ہے، کوشش کی جارہی ہے، کہ کاغذ میسر آجائے، تو دوسرے حصہ میں بھی ہاتھ لگایا جائے۔

۱۶ر اگست ۱۹۱۸ء کو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو۲ مطبوعہ جلدیں لے کر میں اس آستانہ پر حاضر ہوا جہاں

آنکھیں اس کے دیدار کی سب سے زیادہ مشتاق تھیں، یعنی سرکار عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال خلد اللہ ملکہا، ہر ہائنس نے تاریخ مقررہ پر باریابی بخشی، یہ شرف یابی کا دوسرا موقع تھا، ہر ہائنس نے خود اپنے دست مبارک سے جلدیں اٹھائیں، اور فرمایا، کہ "الحمد للہ کہ اتنا بڑا کام ہو گیا" پھر اس کی فہرست ملاحظہ فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ فہرست اتنی بڑی ہے، تو کتاب کتنی بڑی ہو گی، عرض کیا کہ یہ جلد تو کتاب کا چھٹا حصہ ہے، اس کے بعد دیر تک قومی، علمی، تعلیمی اور مذہبی مسائل پر گفتگو فرماتی رہیں، اثنائے کلام میں دریافت فرمایا کہ "مولوی صاحب آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کبھی خواب میں دیکھا ہے"، عرض کیا، کہ دو دفعہ، لیکن چہرۂ مبارک نظروں سے اوجھل رہا، تو فرمایا "پھر یہ کیا زیارت ہوئی"!

ناظرین کو یاد ہو گا، کہ سیرۃ نبوی پریس کے تذکرہ میں دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء کے رسالہ میں لکھا تھا کہ "یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا کہ تین ہزار روپے کے لئے در بدر اور شہر بہ شہر مارے مارے پھریں، کہ یہ غیرت ملی کی پامالی ہے، لیکن ہم کو یقین ہے کہ گر دردِ دینی اور ولولۂ علمی کار فرما اور اثر انگیز ہے، تو خود بخود سیرۃ نبوی کے آستانہ پر ایک دن تین ہزار کی تھیلی پڑی ملے گی، احباب ہمارے صوفیانہ توکل کی تعلّی سن رہے ہیں"، الحمد للہ کہ خدائے پاک نے اپنے رسول کریم کے صدقے میں ہمارے صوفیانہ توکل اور بے نیازانہ تعلّی کی آبرو رکھ لی، اور بغیر آوارہ گردی اور کاسۂ گدائی ہاتھ میں لئے خود بخود ایک دست کرم کو اشارہ کیا، جس نے ایک لمحہ میں تین ہزار میرے دامن میں ڈال دیئے، الحمد للہ، ثم الحمد للہ!

یہ دست کرم کس کا تھا، اس کا تھا جس کو سیرت کے دیباچہ میں "خادمۃ الملۃ الاحمدیہ و مخدومۃ الامۃ المحمدیہ" کے نام سے خطاب کیا گیا ہے، ہمارے دوست منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال نے میرے سامنے جس وقت اس رقم کا تذکرہ کیا، ہر ہائنس نے ارشاد فرمایا، کہ اتنے بڑے کام کے لئے تین ہزار کیا چیز ہے، میں ابھی حکم لکھے دیتی ہوں، چنانچہ اس وقت حکم جاری فرمایا، اور دوسرے دن یہ رقم میرے پاس آگئی، اطال اللہ بقاءہا وادام دولتہا،

ہمارے رفقائے دار المصنفین میں ایک نام کا اور اضافہ ہوا، یعنی مولوی ابو الحسنات صاحب ندوی، یہ چند سال سے اخبارات میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قوم و مذہب کے حق میں مفید ثابت کرے گا،

ارض القرآن جلد دوم ایک ہفتہ میں چھپ کر تیار ہو جائے گی، یہ سفید ولایتی کاغذ کے ۳۵۰ صفحے پر چھپی ہے، اس میں ابراہیمی عربوں کی تاریخ اور عرب جاہلیت کی تجارت، زبان اور مذہب پر مباحث ہیں،

ہمارے دوست مولانا عبد السلام صاحب ندوی شعر الہند کی خاطر آجکل کتب خانوں کی خاک چھان رہے ہیں، اسی سلسلہ میں وہ بھوپال بھی پہنچے، وہاں کے کتب خانہ حمیدیہ میں انھیں ایک انمول جواہر ملا، یعنی مرزا غالب کا اصلی مکمل اردو دیوان بلا حذف و انتخاب، جو موجودہ دیوان سے ضخامت میں دونا ہے، نہایت عمدہ مطلا نسخہ ہے، کسی خوش مذاق کے ہاتھ وہ پڑا تھا، اس نے ان غزلوں کا مطبوعہ غزلوں سے مقابلہ کرکے اختلاف نسخ بھی لکھ دیا ہے،

یہ نسخہ اب جناب ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب بجنوری مشیر تعلیمات بھوپال کے مطالعہ میں ہے، موصوف آج کل دیوان غالب کی خدمت گذاری میں مصروف ہیں، اور عنقریب ان کے نتائج فکر ترقی اردو کے ذریعہ منظر عام پر آئیں گے، ہم نے ڈاکٹر صاحب سے التماس کیا ہے، کہ اس نئے نسخہ پر تقریظ لکھ کر وہ ناظرین معارف کے لئے مرحمت فرمائیں،

چند مہینے ہوئے کہ جبل پور سے جو ائمۂ تکفیر میں سے ایک کا دار الصدر ہے میرے نام اخلاقی اور مذہبی گالیوں کے اشتہار چھپ رہے ہیں، ان اشتہارات کی ہر اشاعت کا ایک نسخہ بطور مزید کرم میرے پاس بھی بھیجا جاتا ہے، لیکن میں نے ہمیشہ اس کو عدم اعتنا کی نظر سے دیکھا، اب ممالک متوسطہ کے بعض احباب نے میری بے کسی پر ترس کھا کر جوابی اشتہارات شائع کئے، میرا جرم یہ ہے، کہ ندوہ کو تمام علمائے ہند کی مجلس کیوں کہا، اور جبلپور ٹھہر کر اپنی تقریر میں کیوں کہا، کہ ایک جنگل صرف ایک ہی شیر کا مسکن ہو سکتا ہے، آخری اشتہار میں گن کر ۲۰ گالیاں دی گئی ہیں، ایک دوست نے خوب لطیفہ کہا، کہ "ہر فرقہ کی طرف سے ایک گالی نذر کی گئی" لیکن بحمد اللہ اس تمام سب و شتم کے انبار میں کوئی ایمان کی گالی نہیں یعنی کفر کا فتوی نہیں، وللہ الحمد،

"ہفتاد ذلت از نظر خلق در حجاب — بہتر ز طاعتے کہ بروے ریا کنم"

(معارف ماہ ستمبر ۱۹۱۸ء)

(۸)

اعلیٰ حضرت ناصر الاسلام والمسلمین ہز اگزالٹڈ ہائنس شہریار دکن خلد اللہ ایام دولتہ کی پیشگاہ معلی میں سیرۃ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات کا ایک نسخہ خاص دو مہینے ہوئے کہ ارسال کیا گیا تھا، ہمیں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے، کہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جب یہ کتاب پیش ہوئی، تو نہایت مسرت کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ "جب تک میں اس کتاب کو ختم نہ کر لوں گا، کوئی دوسرا کام نہ کروں گا" یہ کلمات اس حقیقی عقیدت کو پوری طرح ظاہر کرتے ہیں،

جو شہریار دکن کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہے، اور یہ ہم خادمانِ بارگاہ نبوت کے لئے بڑے فخر و انبساط کا باعث ہے،

شعر العجم جلد پنجم جس میں بقیہ اصناف شعر عشقیہ، صوفیانہ، اخلاقی اور فلسفیانہ شاعری پر نقد و تبصرہ ہے، زیر طبع ہے، سو صفحے چھپ چکے ہیں، اور اسی قدر اور چھپنے کو باقی ہیں، اگر ضرورت بھر کاغذ وقت پر ملتا گیا، تو شاید تین مہینے میں کتاب پوری ہو جائے گی، یہ جلد گویا فارسی شاعری کا عطر اور خلاصہ ہے،

محرم ۱۳۳۷ھ سے جامعہ عثمانیہ کو اعلیٰحضرت کی پیشگاہ سے منشور عمل (چارٹر) مل گیا، اس منشور میں اس بات کا خاص التزام کیا گیا ہے، کہ کوئی انگریزی لفظ نہ آنے پائے، چنانچہ یونیورسٹی کے تمام مصطلحات کے لئے عربی الفاظ وضع کئے گئے ہیں، جن میں بعض ایسے ہیں، جن کی ایجاد کا فخر دکن کو حاصل ہے، لیکن زیادہ تر الفاظ وہ ہیں، جو مصر و شام کی جدید عربی سے لئے گئے ہیں،

اردو زبان کی یہ سب سے پہلی یونیورسٹی اب عملاً قائم ہوگئی، اور یہ اردو زبان کی فرمانروائی کی تاریخ کا پہلا دن ہے،

(معارف ماہ اکتوبر ۱۹۱۸ء)

(۹)

یہ رسالہ اس وقت شائع ہو رہا ہے، جب ہندوستان کی دنیا قومی جلسوں کے ترانے گا رہی ہوگی، یہ ترانے کہیں نغمۂ سرور، اور کہیں نالۂ ماتم ہوں گے، مرقع عبرت دلی کے ایک گوشہ میں ہمارے وطنی بھائیوں کی ایک بزم مسرت ہوگی جہاں یہ غور ہوگا، کہ ہم نے سال کے اندر کیا پایا، دوسرے گوشہ میں ہمارے برادران ملت کا سوگوار مجمع ہوگا جو یہ سوچے گا، کہ ہم نے اثنائے سال میں کیا کیا کھویا؟

## مصائب قوم عند قوم فوائد،

خوفناک انفلوئنزا نے اسپین سے لے کر ہندوستان تک کی خاک اڑا دی، اطبا اور ڈاکٹروں نے اس کے اسباب و علل اور طریقۂ علاج کی تحقیقات کی، اہل ادب و لغت کو ضرورت ہے، کہ اس کے اشتقاق اور لفظی تحقیق (فیلالوجی) پر غور کریں، مدت ہوئی، کہ مصر کے نامور عالم زکی پاشا نے بعض یورپین الفاظ کی لغوی تحقیق کے ضمن میں لکھا تھا، کہ یہ عربی لفظ ہے، اس کی اصل ورم انف العنز (بکرے کی ناک کی بیماری) ہے، بکرے کی ناک اور منہ سے اکثر رطوبت خارج

ہوتی رہتی ہے، اور یہی حال انسان کا اس بیماری میں ہوتا ہے، خصوصاً یورپ میں اس لئے اسپینی عربوں نے جہاں اس بیماری کا پہلے ظہور ہوا، اس کا نام انف العنز کہا، یہی لفظ بگڑ کر یورپ کی زبانوں میں جا کر انفلوانزا بن گیا،

پٹنہ کے کتب خانہ مشرقی میں اردو نظم کی ایک قدیم کتاب ہے، محمد امان قادری گورکھپوری مصنف کا نام ہے، سال تصنیف سنہ ۱۱۷۱ھ ہے، یعنی اس کی تصنیف پر ۱۷۰ برس گذر چکے ہیں، حنفی فقہ کے مسائل اس میں منظوم ہوئے ہیں، سات ابواب پر عبادات و معاملات وغیرہ کے عنوانات سے اشعار ہیں، اس نظم کی خاص خصوصیت یہ ہے، کہ بحر ایسی اختیار کی گئی ہے، جو ہندی رامائن سے ماخوذ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اردو شاعری پر ہندی نے کس حد تک اثر کیا تھا، اس نظم کا ایک شعر سن لیجئے،

پہلے حمد خدا ے کی کہو مومن جت لائے      زانکہ سزوار اس حمد کا کوئی نہیں بجز خدائے

جناب مولانا عبد اللہ صاحب غازیپوری کا واقعۂ وفات علما کے طبقہ میں خاص حیثیت سے اثر انگیز ہے، مولانائے مرحوم نے گو طبعی عمر پائی، لیکن اس خیال سے کہ وہ اس عہد میں اگلی صحبتوں کے تنہا یادگار تھے، ہم ان کے لئے اس سے درازتر عمر کے متوقع تھے، مولانا اتباع سنت، طہارت و تقویٰ، زہد و ورع، تبحر علم، وسعت نظر اور کتاب و سنت کی تفسیر و تعبیر میں یگانۂ عہد تھے، اپنی عمر کا بڑا حصہ انھوں نے علوم دینیہ خصوصاً کتاب مجید اور حدیث شریف کے درس و تدریس میں گذارا، اور سیکڑوں طلبہ ان کے فیض تربیت سے علما بن کر نکلے، ابتداءً غازیپور میں، پھر آرہ میں، اپنا مسند درس بچھایا، آخر عمر میں دلی کے دار الحدیث میں قیام فرمایا، لیکن خانگی حوادث کے باعث پریشان حال رہے، اب افسوس کہ یہ شمع نور و ہدایت ہمیشہ کے لئے بجھ گئی، رحمۃ اللہ تعالیٰ،

(معارف ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء)

# شذرات

## جنوری سنہ ۱۹۱۹ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء

دسمبر کے قومی ہنگامے ایک ایک کر کے ختم ہو گیے، کانگریس سے لے کر اردو ڈیفنس کانفرنس تک ہر ایک مجلس کی روداد عمل ہر شخص کے سامنے آگئی، اس سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ہم نے بولنا تو سیکھ لیا ہے، آہستہ آہستہ زبانوں سے منتقل ہو کر ایک دن ہاتھوں تک یہ قوت پہنچ جائے گی، لیکن دعا کیجیے! کہ یہ قوت باہم دست و گریباں ہونے میں نہیں بلکہ دامن مقصود کے چھونے میں صرف ہو۔

اللہ اکبر! چند سالوں میں کتنا تفاوت ہو گیا، کانگریس میں ایک مدت سے دو فریق ہو گئے ہیں، ارباب اعتدال (ماڈریٹ) اور ارباب استعجال (اکسٹریمسٹ) سورت کانگریس میں جب یہ دونوں فریق باہم پھٹ کر الگ ہو گئے، تو استعجالیوں کو کانگریس کے احاطہ سے نکل جانا پڑا، اور اعتدالی چھ برس تک کانگریس کے تخت پر بلا شرکت غیرے مالک رہے، لکھنؤ کی کانگریس نے بچھڑوں کو پھر ملایا، لیکن اس میل ملاپ پر دو برس بھی گذرنے نہ پائے کہ دلی کانگریس نے پھر نزاع قائم کر دی، لیکن زمانہ کا انقلاب دیکھو، کہ اب استعجالی کانگریس کی عنان حکومت کے مالک ہیں، اعتدالیوں کو کانگریس کے احاطہ سے باہر نکل جانا پڑا۔

تلک الایام نداولہا بین الناس۔

مسلم لیگ نے اپنے بارہ برس کی تاریخ میں سب سے پہلی بار اپنے شایان شان وجود کا ثبوت دیا، سچ یہ ہے کہ دلی کے زیر خاک زندوں کی، ہندوستان کے روئے زمین کے مردوں نے آبرو رکھ لی، آنریبل فضل حق اور ڈاکٹر انصاری نے صدارت کے خطبے نہیں پڑھے، بلکہ ایک نے ہندوستان کا دل اور دوسرے نے اسلام کا جگر دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

شد وقت آں کہ دیدہ چو دل غرق خوں کنم      خوں نابہ گرہ شد از دل بروں کنم
آں غصہ کہ بیش نخوردم کنوں خورم      واں نالہ کہ بیش نہ کردم کنوں کنم
گویند عاقلاں کہ رہ صبر اختیار کن      چوں اختیار در کف من نیست چوں کنم

دلی کی مسلم لیگ بھی نزاع باہمی سے پاک نہیں رہی، لیکن لیگ اور کانگریس کی نزاعوں میں ایک دقیق فرق ہے، کانگریس میں مع اختلاف رفتار کی تیزی اور سستی ہے، اور لیگ میں نفس رفتار کا عدم یا وجود،

یادش بخیر، ایجوکیشنل کانفرنس تو امسال بچ کر سورت نکل گئی، دکن کی بجلی صرف مسلم لیگ پر آکر گری، اس کے اجلاس میں علمائے کرام بھی تشریف فرما تھے، ایک گوشہ سے آواز آئی،

یارب تو نگہ دار دل خلوتیان را　　کاں پنجۂ مست است و در صومعہ باز است

معاصر لکھنؤ کی روایت ہے، کہ ان چند لمحوں میں ارباب دلق و تسبیح دعائے ردبلا کی قرأت میں مصروف رہے،

ایجوکیشنل کانفرنس نے کلکتہ کے تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا، کہ تعلیم اور سیاست ایک ساتھ نہیں جمع ہو سکتیں، چنانچہ لیگ دلی آئی تو کانفرنس پرے ہٹ کر سورت چلی گئی، کانفرنس کا یہ اجلاس متعدد حیثیتوں سے کامیاب رہا، چودہ ہزار روپیہ کانفرنس کو وظائف کے لئے ملا، ایک دار الاقامہ کے لئے پچاس ہزار کا چندہ ہوا، دار الاقامہ تعمیر ہونے تک ایک باہمت نے اپنی عالیشان عمارت طلبہ کے رہنے کے لئے دیدی،

دو برس کے بعد اردو کانفرنس کا اجلاس دلی میں ہوا، تقریریں پڑھیں، تجویزیں دیکھیں، مشاعرہ کی غزلیں سنیں، لیکن یہ نظر نہ آیا، کہ دیہاتوں سے، تحصیلی اسکولوں سے، کچہریوں سے، ڈاکخانوں سے جس اردو کو شہر بدر کیا جا رہا ہے، اور مسلمان طلبہ اور معاملہ داروں کو ہندی قبول کرنے پر مختلف تدبیروں اور حیلوں سے مجبور کیا جا رہا ہے، اس کے روک کی کیا صورت ہے، اس دفعہ وقت کی تنگی کے باعث صرف ڈھانچ کھڑا کر دیا گیا ہے، امید ہے، کہ آئندہ کچھ ہو رہے گا، حکیم ناصر الدین صاحب ابن شفاء الملک مرحوم دہلوی کی مسیحائی اس ڈھانچہ میں شاید پھونک کر رہے،

۱۹۱۹ء میں دار المصنفین کی طرف سے حسب ذیل کتابیں شائع ہوں گی، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، از مولانا عبد السلام ندوی، روح الاجتماع لیبان، از مولانا محمد یونس انصاری، فرنگی محلی، مکالمات برکلے، از مسٹر عبد الماجد بی، اے، سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، از سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی جلد ثانی کی کتابت تین سو صفحے تک ہو چکی، کاغذ کے لئے اہتمام کیا جا رہا ہے، کوشش یہ ہوگی، کہ سال کے اندر یہ چھپ کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے، والامر بید اللہ،

(معارف ماہ جنوری ۱۹۱۹ء)

(۲)

اعظم گڈھ صوبہائے متحدہ کا ایک نہایت چھوٹا اور مفلس ضلع ہے، (ازراہ عنایت اس کی دولت مندی کا اندازہ قرضۂ جنگ کی میزان سے نہ لگایئے) تاہم یہ سن کر حیرت ہوگی، کہ اس کے احاطہ میں عربی کے چار بڑے مدرسے ہیں، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، دار العلوم مئو، مدرسہ عالیہ مئو، مدرسہ عربیہ اسلامیہ احیاء العلوم اور مدرسہ اشرفیہ مبارکپور، چھوٹے چھوٹے مدارس اس کے علاوہ ہیں، ان سب کی بنیاد مسلمانوں کے عام چندوں پر ہے، ہر ایک میں ابتدائی و انتہائی طلبہ ایک سو پچاس ۱۵۰ سے دو سو تک ہیں، پہلے مدرسہ میں جدید نصاب و طریقۂ تعلیم کے مطابق تعلیم ہوتی ہے اور بقیہ میں قدیم نصاب اور کسی قدر الہ آباد یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے،

تعلقات گوناگوں کے سبب سرائے میر جانے کا تو اکثر اتفاق ہوتا ہے، لیکن مئو کے مدرسوں کے دیکھنے کا اس دفعہ پہلا اتفاق تھا، یہ دیکھ کر خوشی ہے، کہ علمائے مدرسین اور عام عربی خواں طلبہ کے خیالات میں اب ہر جگہ انقلاب کے آثار نمایاں ہیں، اور وہ اب ملک اور ملت کے حقوق اور طریقۂ خدمت سے واقف ہوتے جاتے ہیں، لفظی اور سطحی مباحث سے گذر کر اب حقیقی علوم کے طالب ہیں، ہم تو اپنے آریہ دوستوں سے خوش ہیں، کہ ان کے جوش مخالفانہ نے قدیم عربی مدارس کے حجرہ نشینوں میں بھی سرگرمی پیدا کر دی، ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

لڑکوں کے عربی مدارس تو عموماً علمائے کرام کے زیر اہتمام ہیں، لیکن ابھی لڑکیوں کی منظم تعلیم کی طرف ان کی توجہ ملتفت نہیں ہوئی ہے، ملک میں جو زنانہ اسلامی مدارس اس وقت قائم ہیں، وہ یا سرکاری اور میونسپل ہیں، اور یا جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مساعی جمیلہ کے نتائج ہیں، لیکن تمام ہندوستان کے طول و عرض میں ہم کو صرف ایک زنانہ مدرسہ ایسا ملا جو خاص علمائے متدینین کے زیر اہتمام و تعلیم قائم ہے، اور وہ مدرسۃ البنات مئو ہے، ہمیں اس مدرسہ کو دیکھ کر جو گو ابھی ابتدائی حالت میں ہے، سخت حیرت ہوئی یہاں لڑکیوں کو اردو، فارسی، حساب، خوشخطی، دینیات اور قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے، مئو کے علمائے اہل حدیث کی اس سنت کی تقلید اگر ہندوستان کے دوسرے شہروں کے علمائے اہل حدیث جائز سمجھیں، تو منازعات تقلید و عدم تقلید سے کس قدر بہتر ہے،

معارف جس شان سے اور جس طرح نکل رہا ہے، ہمارے اکثر کرم فرما تو اس پر قانع ہیں، اور اس کو وہ اس

حیثیت میں بھی اردو رسائل کی صف میں پہلی کرسی دینے پر تیار ہیں، لیکن حلقۂ احباب میں ان سے بلند نظر اصحاب بھی ہیں جو کہتے ہیں،

ما با ایں قدر از تو راضی نیستم اندر سخن　　شبلیاں سحر است ایں، اعجاز می بایست کرد

اس جماعت کے سرگرم ممبر، ہماری مجلس کے رکن اعظم جناب مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ معارف اگر یورپ کے علمی رسالوں کے لگ بھگ نہ نکل سکے، تو کم سے کم ہندوستان کے انگریزی رسالوں کے قریب قریب تو ہو۔ اس کی ضخامت سو صفحے ہو، مضامین میں دنیا کی موجودہ علمی رفتار کا ساتھ دیا جائے۔ اگر ملک کے دوسرے اخبارات و رسائل یہ بتاتے ہیں، کہ دنیا کی پالٹیکس کہاں سے کہاں جا رہی ہے، تو ہم یہ بتائیں کہ علمی حیثیت سے دنیا ہر مہینہ کس قدر بدل رہی ہے۔ اور بدلتی جاتی ہے،

انھوں نے ہمارے اکثر دوستوں کی طرح صرف زبانی نصیحت و وصیت پر قناعت نہیں کی، بلکہ ہماری عمارت کی کمزوری کے اصلی رخنوں کو سمجھے اور اس کے لئے انھوں نے سرگرمی سے تعمیر و تاسیس کی کوشش شروع کر دی ہے، یہ معلوم ہے، کہ بغیر خاص مالی اعانت کے یہ عظیم الشان کام سر انجام نہیں پا سکتا، اردو خواں طبقہ شاید ابھی اس جنس گراں کا خریدار بھی نہیں ہو سکتا، تاہم کسی طرح اس کو ادھر ملتفت کرنا ہے،

ملک میں اس وقت تک جتنے بڑے بڑے علمی اور قومی کام انجام پا رہے ہیں، وہ سب دردمند امرائے ملت کے دست کرم کے سہارے چل رہے ہیں، اگر یہ سہارا ہٹا لیا جائے، تو دفعۃً نہ علی گڑھ کالج رہے، نہ کانفرنس، نہ دار العلوم رہے، نہ ندوہ، نہ حمایت اسلام رہے، نہ دیوبند، نہ انجمن ترقی اردو رہے، نہ دار المصنفین، ایسی حالت میں اگر اردو کے ایک بلند ترین علمی رسالہ کا سوال اٹھایا جائے، جس کی آمدنی یقیناً اس کے معارف کی کفیل نہیں ہو سکتی، تو گذشتہ علمی اور تعلیمی کاروانوں کے نقش قدم پر چلے بغیر کامیابی ممکن نہیں،

ہم کو خوشی اور مسرت ہے کہ اس تجویز کے اعلان عام سے پہلے ہم اس قابل ہو چکے ہیں کہ چند دریا دل ارباب فیض کے دست کرم کا شکریہ ادا کریں، خصوصاً یادگار نسل باستاں نواب سالار جنگ بہادر سابق وزیر اعظم دولت آصفیہ حیدر آباد دکن، مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد سابق مدار المہام دولت آصفیہ حیدر آباد دکن، اور خاتمۂ اکرام راجہ سر محمد علی محمد خان والی محمود آباد۔ اب بھوپال اور رام پور کی طرف ہماری نگاہیں اٹھی ہیں،

ببینم ایں کہ خواستۂ کردگار چیست

اس وقت تک پانچ سو روپے انگلینڈ، امریکہ اور ہندوستان کے انگریزی ماہوار علمی رسائل کی خریداری میں صرف ہو چکے ہیں۔

(معارف ماہ فروری ۱۹۱۹ء)

(۳)

برادران اسلام! یہ سن کر خوش ہوں گے، کہ اعلیٰ حضرت ناصر الاسلام والمسلمین، محی الملۃ والدین ہز اگزالٹڈ ہائنس شہریار دکن خلد اللہ ملکہٗ و دولتہٗ نے ہماری استدعا کے بغیر، صرف استحقاق پر نظر رکھ کر سیرۃ نبوی کی مد میں چار ہزار آٹھ سو روپے کا عطیہ منظور فرمایا، یہ رقم دو سو ماہوار کی صورت میں دو برس تک خزانۂ عامرہ سرکار عالی سے جاری رہے گی، جزی اللہ السلطان عن الاسلام واہلہ خیر الجزاء۔

ہمارے ایک کرم فرما حافظ صاحب علی صاحب نے کھنگاپور سے ہم کو چند قلمی کتابیں عنایت فرمائی ہیں جن میں سے ایک ابن بیطار کی جامع الادویہ ہے، جو زیادہ تر مفردات ابن بیطار کے نام سے مشہور ہے، اور اسی نام سے مصر میں چھپی بھی ہے، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ۱۰۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے، ابن بیطار ساتویں صدی ہجری کا مشہور عالم نباتات ہے، اس کا حاشیہ پر ابن یحیٰی بن عیسیٰ کی کتاب منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان ہے، ابن یحیٰی قدیم طبیب ہے، ۴۹۳ھ اس کا سال وفات ہے، یہ کتاب علم نباتات طبیہ میں ہے، آخر میں اسی کتاب کے ضمیمہ کے طور پر ایک اور کتاب اسی علم میں ملحق ہے، افسوس کہ اس کا نام اب تک معلوم نہ ہو سکا، دو اور قابل ذکر کتابیں ہیں، شرح حکمۃ العین جو فلسفہ میں بہترین کتاب ہے، اس پر ملا مرزا جان اور میر سید شریف کا حاشیہ نہایت بیش بہا ایرانی خط اور ملا نظام الدین کا حاشیہ شرح عقاید جلال پر، یہ حاشیہ ۱۲۲۳ھ میں بمقام چناپٹن نقل ہوا ہے، ناقل کا نام محمد فاضل ہے، غالباً یہ وہ زمانہ ہے، جب ملا بحر العلوم مدراس میں تشریف فرما تھے۔

سیرۃ نبوی نے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں جو مقبولیت حاصل کی ہے، اس کے لحاظ سے آپ یہ سن کر متعجب ہوں گے، کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کی زبانوں میں اس کے ترجمہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بنگالی میں مولوی محمد اکرم صاحب ناظم مجلس علمائے بنگال صرف سیرۃ نبوی کے انتظار میں اپنی بنگالی سیرۃ کا مسودہ روکے ہوئے تھے، برمی زبان میں مختصر

سیرت شائع ہو رہی ہے، انگریزی ترجمہ کے لئے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا، (ووکنگ) کی تیاری کر رہے تھے، ادھر ان کا حال نہیں معلوم، لیکن سب سے زیادہ حیرت یہ سن کر ہوگی، کہ مرہٹی زبان میں ترجمہ کرنے کیلئے بڑودہ کی ایک مسلمان تعلیم یافتہ خاتون نے ہمت کی ہے،

ڈھاکہ سے ایک مخدوم نے جن کے کتب خانہ کے بعض نوادر درحقیقت جواہرات میں تلنے کے لائق ہیں، ان میں سے ہمارے پاس گربہ نامہ (بلی نامہ) ایک قصہ کی چند ورقہ کتاب اس تمہیدی خط کے ساتھ بھیجی ہے، کہ مجھے یقین ہے کہ دارالمصنفین کے قبضہ میں اگرچہ ایک بڑا کتب خانہ ہے، لیکن شاید گربہ نامہ اس میں موجود نہ ہو، اس لئے بازار سے دو پیسے کی خرید کر بھیجتا ہوں، یہ اردو نثر میں "گربۂ مسکین" کی مختصر سوانح عمری ہے، زبان پرانی ہے، مگر رواں، قدیم اردو کے دستور کے مطابق حرف اضافت کی تقدیم و تاخیر ہے، جابجا آیات قرآنی، احادیث، فارسی اساتذہ کے اشعار اور ہندی دوہے ہیں، خیالات و مضامین سے مولویت جھلکتی ہے، آخر میں مصنف نے اپنا نام فقیر غلام علی آزاد بتایا ہے، اس سے مراد اگر میر غلام علی آزاد بلگرامی ہیں، جیسا کہ قرائن کی شہادت ہے، تو اس نظریہ میں اب غور کرنا پڑیگا کہ اردو نثر کی سب سے پہلی کتاب فضلی کی دہ مجلس ہے، جیسا کہ مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کا دعویٰ ہے، یا میر غلام علی آزاد کا چند ورقہ رسالہ ہے، یہ دونوں بزرگ ایک ہی زمانہ میں تھے،

(معارف ماہ مارچ ۱۹۱۹ء)

(۴)

خاکسار (ایڈیٹر معارف) آٹھ مہینے کے سفر یورپ کے بعد ۴ر اکتوبر کو ہندوستان واپس آیا، گو اس کا افسوس ہے، کہ اس طویل عرصہ میں اپنے ناظرین کی خدمت سے معذور رہا، لیکن بحیثیت مسلمان اور ہندی ہونے کے اگر مجھ سے ان کی کوئی خدمت بن آئی، تو اس اثنا میں مجھے یقین ہے، کہ وہ اس کو میرے گناہ کا پورا کفارہ سمجھیں گے، اس موقع پر میں اپنے دوست مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے اپنی کثیر مصروفیتوں کے باوجود میری غیر حاضری کے ایام میں معارف کی ترتیب و تدوین کے فرائض کو بحسن اسلوب انجام دیا۔

معارف ماہ اکتوبر ۱۹۲۰ء

## (۵)

عدم تعاون اور ترک موالات کے مسئلہ نے ہندوستان کی سطح تعلیمی میں جو زلزلہ پیدا کر دیا ہے، اس سے عربی مدارس بھی غیر متاثر نہ رہے۔ مدرسۂ عالیہ کلکتہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسۂ شمس الہدیٰ بانکی پور، مدرسۂ دارالعلوم مئو (اعظم گڈھ) دارالعلوم اسلامیہ پشاور کے نام اس سلسلہ میں سننے میں آئے ہیں، اگر ہم سے پوچھا جائے تو ان مدارس میں اگر یہ تحریک اس وقت عام نہ بھی ہوتی، تو بھی مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا توڑنا ہر حیثیت سے فرض تھا، یہ وہ مچھلی ہے جس نے بنگال کے تمام تعلیمی تالابوں کو گندہ کر رکھا ہے، بنگال کے وسیع رقبہ میں ایک درسگاہ نہیں، جو مدرسۂ عالیہ کے جال سے محفوظ ہو، اس وقت صوبۂ بنگال میں کم از کم ۲۵ ہزار طالب علم عربی پڑھنے میں مشغول ہیں، اور سیکڑوں مدرسے ہر طرف قائم ہیں۔ لیکن یہ اس طرح مدرسہ عالیہ کے نظم و نسق و ترتیب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ گورنمنٹ کے دیگر صیغوں اور محکموں کی طرح دست شل ہو کر رہ گیے ہیں، جن میں ہر طرح کی ترقی و تجدید و اصلاح ناممکن ہے، اور وہ کسی حیثیت سے مسلمانوں کی مذہبی و تعلیمی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے ہیں، اور ان کا وجود ان کی جگہ پر دوسرے مدارس کے قیام کے لیے سدِ سکندری ہو گیا ہے، اس سلسلہ میں اگر بنگال کی عربی تعلیم کی اصلاح کا کام انجام پا جائے، تو درحقیقت قوم کی ایک بڑی ضرورت رفع ہو جائے۔

**دارالعلوم کی سرکاری امداد سے انکار**

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ارکان انتظامی نے ڈیڑھ دن کے متصل و سرگرم مباحثہ کے بعد ۵۰۰ ماہوار کی سرکاری اعانت کا لینا بند کر دیا۔ دارالعلوم کے لیے یہ رقم اس قدر ناگزیر تھی کہ اس کے ترک کیے جانے کے بعد فوراً اس کی زندگی گویا معرض خطرہ

میں آگئی ہے، تقریباً ایک ہزار ماہوار کا اس میں صرف ہے، سرکاری امداد کے انکار کے بعد صرف سرکار بھوپال کی ۲۵۰ روپیوں کی ایک امداد اس کے پاس رہ گئی ہے، کسی اور قسم کا سرمایہ اس کے پاس نہیں، ہماری درخواست پر مدرسین کرام نے اپنی مقدس جماعت کے رتبہ کے مطابق بڑے ایثار کا ثبوت دیا، تاہم تین برس کے لیے کم از کم تیس ہزار روپیے کی ضرورت ہے، کیا ہم قوم سے امید رکھیں کہ اس کی جھولی کے بھرنے میں اپنے رتبہ کے مطابق مدرسین کرام ہی کی طرح ایثار کا ثبوت دے گی۔

### قومی یونیورسٹیاں

ع خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما درو باشد،

اس مصرع کی صحیح بیانی کی تصدیق موجودہ مسئلۂ ترک موالات کے ضمن میں بھی ملے تو عجب نہیں، سرکاری یونیورسٹیوں سے قطع تعلق کے بعد قومی یونیورسٹیوں کی ضرورت محسوس ہوئی ہے یہ یونیورسٹیاں علی گڑھ اور احمد آباد میں قائم ہو رہی ہیں، ان میں تعلیم کی زبان اردو، ہندی اور گجراتی ہو گی ہمارا مدت سے خیال ہے کہ کوئی زبان بغیر تعلیمی زبان بنے علمی اور عام زبان نہیں بن سکتی، اگر قومی یونیورسٹیوں کا خواب سچا نکلا، تو آپ تھوڑے ہی دنوں میں دیکھ لیں گے کہ آپ کی زبان ہر قسم کے لٹریچر سے کس قدر مالا مال ہو جاتی ہے۔

بیسوی صدی کا پہلا سال (سنہ ۱۹۰۱ء) تھا کہ اردو اور ہندی نے دو رقیب پہلوانوں کی حیثیت سے سرکاری محکموں کے دنگل میں قدم رکھا، اس دنگل کے جگت استاد میکڈانل صاحب کی نیت جو کچھ ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ ان کا داؤ پیچ دونوں حریفوں کو دست و گریباں کرنے میں نہایت کامیاب ہوا، اس وقت سے اس وقت تک اردو ہندی کے جھگڑوں نے ہماری بزم ادب کو مکدر اور بدمزہ کر رکھا ہے،

### گاندھی جی کا ظہور اور ہندوستانی

بیس برس کے بعد گجرات کی خاک سے ایک صلح جو اور مرنج و مرنجان ہستی (گاندھی) نے ظہور کیا، جس نے اردو اور ہندی کے تمام جھگڑوں اور نزاعوں کو سن کر فیصلہ کیا کہ ان کی حیثیت نزاع لفظی کے سوا اور کچھ نہیں، اور اس لیے انھوں نے ایک تیسری اصطلاح وضع کی یعنی ہندوستانی، گو اس اصطلاح کے اصل واضع انگریز ہیں، تاہم بدیسیوں کی یہ

اصطلاح اگر ۲ دو قوموں کے درمیان مصالحت کرا سکے، تو سودیشی کے حامی اسکو برا نہ جانیں گے۔

---

آجکل جب ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے، اور ہندوستانیوں کی ایک متحدہ قومیت کی تعمیر کی فکریں ہو رہی ہیں، ملک کے لیے ایک متحدہ زبان سے چارہ نہیں، کسی قوم کے اتحاد کے صرف تین عناصر ہیں، نسل، مذہب اور زبان، نسل کے لحاظ سے تو ہندوستان دنیا کی قوموں کا مجموعہ ہے، اس لیے یہ اتحاد تو سرے سے مفقود ہے، مذہب کا اتحاد بھی ناممکن ہے، لے دے کے صرف ایک زبان رہ گئی، اگر وہ بھی ایک نہ ہو، تو متحدہ قومیت کی دیوار کی اینٹیں کس مسالہ سے پیوست ہونگی، اب کہ قومی تعلیم کا سوال درپیش ہے، اس مدت کے الجھے ہوئے مسئلہ کو بھی طے کر دینے کا موقع ہے،

---

ہم نے متعدد دفعہ انہی صفحات میں اس مسئلہ کا تذکرہ کیا ہے، اور جب کبھی سمجھدار ہندو مسلمانوں کے مجمع میں بولنے کا اتفاق ہوا ہے، ادھر ان کو توجہ دلائی ہے، کیمبرج کے ہندوستانی طلبہ کے مجمع میں جہاں تمام ہندوستان کے صوبوں کے نوجوان فرزند موجود تھے، اس مسئلہ پر پُرزور تقریر کی، ۶؍ اکتوبر کو بمبئی کے نوجوان ہندوستانیوں کی ہوم رول لیگ کے ایک جلسہ میں اس کی طرف توجہ دلائی، کیونکہ اب نظر آتا ہے کہ اردو ہندی کی کشمکش ہندوستان کی دونوں قوموں کے درمیان اجنبیت اور بےگانگی کی ایک دیوار کھنچ رہی ہے، ابھی ۱۰؍ نومبر کو مئو میں ایک جلسہ کی شرکت کا اتفاق ہوا، جس میں ایک سوامی جی بھی جو گرُدکل کے تعلیم یافتہ تھے، مقرر کی حیثیت سے شریک تھے، ہم دونوں کی تقریروں کا موضوع بھی ایک ہی تھا۔ لیکن یہ کیا عجیب بات تھی کہ نہ وہ میری پوری تقریر سمجھ سکے، اور نہ میں ان کی پوری بات سمجھ سکا۔ کیا حکومت ملکی یا سوراج کے حصول کے بعد ہمارے ایوان حکومت کے ارکان کا بھی یہی حال ہوگا

---

اردو اور ہندی میں جو فرق ہے، وہ درحقیقت نہایت معمولی ہے، ہر زبان تین عنصروں سے مرکب ہوتی ہے، اسم، فعل اور حرف، اردو اور ہندی میں جس قدر افعال اور حروف ہیں، وہ تمامتر ایک ہیں، جھگڑا صرف اسماء کا ہے، اگر عربی اور فارسی اسماء زیادہ ہیں، تو وہ اردو ہے،

اور سنسکرت اور بھاشا کے اسماء زیادہ ہیں تو وہ ہندی ہے، اس مسئلہ میں دونوں زبانوں کے حامیوں کے درمیان افراط و تفریط ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ اس وقت تک جو زبان ہندوستانی کے نام سے پشاور سے لیکر برما تک بولی جاتی ہے، اور اس میں جس حد تک عربی، فارسی، سنسکرت اور بھاشا کے اسماء اس کے اندر آگیے ہیں، وہ مطلب کے ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں، اب نئے نئے اور موٹے موٹے عربی یا فارسی یا سنسکرت کے الفاظ بھر کر ۲ دو مختلف زبانیں بنانا نامناسب ہے، آج سے ۲۰ بیس برس پہلے جس کو ہندی کہا جاتا ہے اس کا وجود بھی نہ تھا، دیہاتوں میں ہندو مسلمان جو زبان بولتے ہیں وہ ایک دہقانی زبان ہے، جو ہر ملک کے دیہاتوں میں پائی جاتی ہے، لیکن وہ کہیں دفتری یا علمی زبان نہیں بنائی گئی۔

---

یورپ میں سوئٹزرلینڈ کی بالکل یہی کیفیت ہے، اس پہاڑی ملک میں جرمن، فرنچ، اور اٹالین تین قومیں آباد ہیں، اور ہر قوم اپنی زبان بولتی ہے، اور اپنی آبادی میں اس کی تعلیم معاملات اور دفتر کی وہی زبان ہے، لیکن کل ملک کی عمومی دفتری زبان بھی ایک ضرور ہے اور وہ فرنچ ہے، اسی طریقہ سے اگر ہندوستان کی صوبہ وار زبانیں اپنے اپنے صوبوں میں بولی جائیں تو کچھ ہرج نہیں، بشرطیکہ ایک عمومی زبان بھی جس پر سب کا اتفاق ہو، طے ہو جائے،

اردو میں عمومی زبان بننے کی مختلف ترجیحی دلیلیں ہیں، پہلی یہ کہ کم از کم ایک قوم یعنی ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی مشترک زبان ہے، اور ہندی کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے، دوسری یہ کہ عملاً ہر صوبہ میں، ہر ریلوے اسٹیشن ، بیرون ہندوستان کے جو لوگ ہندوستان کے مختلف حصوں میں ہیں، ان میں، بلکہ ہندوستان کے باہر ہندوستان کے رہنے والوں میں بھی یہی بولی اور سمجھی جاتی ہے، اس سفر یورپ میں جو میں نے وفد خلافت کے رکن کی حیثیت سے کیا تھا، مجھے اردو کی جغرافیائی وسعت پر سخت تعجب ہوا، عدن کی تو یہ گویا زبان ثانی ہو گئی ہے، وہاں بے تکلف یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے، حضر موت کا ایک عرب لڑکا مجھے حصوع سے آتے ہوئے جہاز پر ملا، وہ خاصی اردو بولتا تھا، میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کبھی ہندوستان نہیں گیا، عدن میں انگریزوں کی

نوکری اس نے کی ہے، مصر میں پورٹ سعید کے تمام خلاصیوں اور ملاحوں کو دیکھا کہ وہ خاصی اردو بولتے تھے، دریافت سے معلوم ہوا کہ انھوں نے ہندوستان کی صورت بھی نہیں دیکھی، مصوع کے افریقی سواحل پر بھی یہی منظر نظر آیا، یہ صرف ہندوستانی مسافروں کی آمد و رفت کا نتیجہ ہے، بصرہ، خلیج فارس اور حجاز کی بھی یہی کیفیت سنی ہے، ادھر افغانستان تک اس کا اثر اور اقتدار معلوم ہوتا ہے، افغانستان کے اخبارات کی زبان تک سے اردو کی بو آتی ہے، علاوہ ازیں انڈمان، پورٹ بلیر، جنوبی افریقہ، ماریشس جہاں جہاں ہندوستانی پہنچے ہیں، ہندوستان کی یہ زبان جس کو خواہ اردو کہو، ہندی کہو یا ہندوستانی پھیلتی چلی گئی ہے،

## مفتی محمد عبداللہ ٹونکی کی وفات

اخبارات سے یہ خبر معلوم ہو چکی ہوگی، کہ جناب مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی نے ۷ر نومبر ۱۹۲۰ء کو بعارضۂ فالج بھوپال میں انتقال کیا، مفتی صاحب مرحوم عربی درسگاہوں کی قدیم تعلیم کے بہترین نمونہ تھے، ہندوستان کے مشاہیر علماء میں انکا شمار تھا، وہ ادب میں مولانا فیض الحسن صاحب اور دینیات میں مولانا احمد علی صاحب محدث کے شاگرد تھے، مولانا فیض الحسن صاحب کے انتقال کے بعد اورینٹل کالج لاہور کی پروفیسری کی جگہ ان کو ملی، اور ان کی عمر کا بڑا حصہ اسی درسگاہ میں گذرا، اخیر زمانہ میں وہ دارالعلوم ندوہ کے مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے تھے، اور اس کے بعد مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس ہوئے، اور یہیں سے بیمار ہو کر اپنے صاحبزادہ جناب مفتی انوار الحق صاحب ایم۔ اے ناظم و مشیر تعلیمات بھوپال کے پاس گئے تھے، جہاں انھوں نے وفات پائی، غالباً وفات کے وقت مفتی صاحب مرحوم کی عمر ستر کے قریب ہوگی۔ تعلیمی خدمات کے علاوہ مفتی صاحب کا بڑا کارنامہ انجمن مستشار العلماء لاہور ہے، جو ایک قسم کا دارالافتاء ہے، مرحوم نے بعض عربی کی درسی کتابوں پر حواشی بھی لکھے تھے، ان کی وفات سے علماء کی صف میں ایک ایسی جگہ خالی ہو گئی ہے، جس کے بھرنے کی اب آیندہ امید نہیں۔

---

بعض اہل علم اور سمجھدار ہندوستانیوں نے جو کسی نہ کسی مقصد سے انگلستان میں اقامت پذیر ہیں، مختلف اغراض سے چند انجمنیں قائم کی ہیں، ان میں ایک انجمن "دی یونین آف ایسٹ اینڈ ویسٹ" یعنی

”اتحاد مشرق و مغرب ہے، اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ مشرق و مغرب کو علم و فن، فلسفہ و ادب، موسیقی اور ڈراما کے میدان میں ایک چبوترہ پر جمع کیا جائے، کے، ان، ان داس گپتا اس کے سکریٹری ہیں، سنہ ۱۹۱۹ء میں اس کے متعدد جلسے لندن کے مختلف ایوانوں میں ہوئے، جن میں انگریز اور ہندوستانی مقرروں نے مختلف مضامین پر تقریریں کیں۔ ذیل میں ہم سال گذشتہ کے مقررین اور عنوانات تقریر کا نقشہ دیتے ہیں۔

| ماہ | مقررین | عنوان |
|---|---|---|
| جنوری | یوسف علی سابق ڈپٹی کمشنر (صوبہ متحدہ) | گیلی پولی میں ایک ہندوستانی ہیرو |
| مارچ | ایم۔ ایچ۔ اصفہانی | اکبر |
| اپریل | | حیات بعد الممات |
| مئی | آرنسٹ رہائش، کے، ٹی پاول | |
| | ان، ایم سوارتھ، ایڈمنڈ رسل،<br>کینتھ سونڈرس ڈاکٹر پولن | ہندوستان اور برطانیہ۔ |
| جون | ایڈمنڈ رسل | مہانی اراکان |
| جولائی | سرتیدر ناتھ بنرجی، سری نواس شاستری | موجودہ اور گذشتہ ہندوستان |
| اکتوبر | سروجنی نائیڈو | ہندوستان کا تخیل |

نامور مستشرق پروفیسر براؤن (کیمبرج) کی ”تاریخ ادبیات ایران“ کی تیسری جلد، جس کا مدت سے انتظار تھا، بالآخر شائع ہوگئی، کتاب کا پورا نام ”ہسٹری آف پرشین لٹریچر انڈر تاتار ڈومینین“ ہے، اور تقریباً چھ سو ۶۰۰ صفحات کی ضخامت کے ساتھ کیمبرج یونیورسٹی پریس سے بہ آب و تاب شائع ہوئی ہے، کاغذ و طباعت کی عمدگی کے علاوہ متعدد تصاویر سے بھی کتاب کے حسن و زیبائش میں

مدد لی گئی ہے، جن میں سعدیؔ، حافظؔ، ابو اسحاق شیرازی کی تصاویر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس جلد کا رقبۂ موضوع ۱۲۶۵ء / ۶۶۳ھ سے ۱۵۰۲ء / ۹۰۷ھ تک وسیع ہے، طبقۂ شعراء و صوفیہ میں عراقی، حافظ، خواجو، سلمان ساوجی، امامی، مغربی، محمود شبستری، خواجہ عبید اللہ احرار، کمال خجندی، ابن یمین، خسرو وغیرہ تمام اکابر عصر کا تذکرہ آگیا ہے،

---

کتاب پر تفصیلی ریویو کا یہ موقع نہیں، اس وقت صرف ایک ضمنی بات عرض کرنی ہے، آج سے آٹھ دس سال قبل جب شعر العجم کی ابتدائی جلدیں شائع ہوئی تھیں، اس وقت ہمارے ملک کے بعض خوش فہم "نقادان فن" نے مصنف کی محنت و کمال کی داد یہ دی تھی، کہ شعر العجم کا سرمایۂ معلومات تمامتر براؤن صاحب کی لٹریری ہسٹری ہے، ان حضرات کو یہ معلوم کر کے یقیناً صدمہ ہوگا، کہ پروفیسر موصوف نے اپنی اس جدید جلد کا ایک خاص ماخذ شعر العجم ہی کو بتایا ہے، ساری کتاب میں شعر العجم، اور اس کے مصنف کا ذکر پندرہ بیس مرتبہ آیا ہے، کیونکر اور کس حیثیت سے، اس کا اندازہ اقتباسات ذیل سے ہوگا۔

> "جو اشخاص اردو سے واقفیت رکھتے ہیں، انہیں میں زمانہ حال کی ایک اعلیٰ ترین کتاب شعر العجم مصنفہ شبلی نعمانی کی جانب توجہ دلاؤں گا۔ الخ" (ص ۱۰۸)
>
> (سلمان ساوجی کے سوانح سے متعلق) علمائے ہند کی دو[۲] بہترین کتابوں پر میں توجہ دلانا چاہتا ہوں.... جن میں دوسری کتاب تقریباً بیس[۲۰] فارسی شعراء کے کلام پر بیش بہا تبصروں کا مجموعہ ہے، موسومہ شعر العجم مولفہ شبلی نعمانی" (ص ۲۶۱)
>
> حافظؔ کے متعلق بہترین و جامع ترین تبصرہ جو میری نظر سے گذرا ہے، وہ وہ ہے جو شبلی نعمانی نے شعر العجم میں کیا ہے، جس کا حوالہ میں مکرر دے چکا ہوں۔"
>
> (ص ۲۷۳)

---

ان متفرق حوالوں سے قطع نظر کر کے پروفیسر براؤن نے سلمان، حافظ، و خواجو کے سوانح و کلام پر جو کچھ لکھا ہے، وہ تقریباً لفظ بہ لفظ شعر العجم کی تلخیص ہے، اور مولانا مرحوم نے حافظ

کا جو موازنہ سلمان و خواجو سے کیا تھا۔ اس کے ایک بڑے حصہ کو بعینہٖ نقل کر دیا ہے، پھر ان چیزوں کو چرا چھپا کر نہیں لیا ہے، بلکہ قدم قدم پر شعر العجم و مصنف شعر العجم کے حوالے دیے ہیں، فاضل موصوف کا جو خیال مولانائے مرحوم کے متعلق ہے، اس کے اظہار کے لیے ہم ان کے ایک گرامی نامہ موسومہ ادیٹر معارف سے چند فقرے اس مقام پر نقل کرتے ہیں:

> ”باز می گویم کہ ہرگاہ بتوانید کتاب مولوی شبلی نعمانی مرحوم را یعنی شعر العجم یا بہ فارسی یا بہ انگلش ترجمہ و چاپ بکنند، چہ قدر از برائے عموم فارسی خوانان خوب و بجا می باشد، چہ قدر را افسوس می خورم کہ نصیبم نہ شد آں بزرگوار را ملاقات کنم قبل از آنکہ ازیں دار الفنا بدار البقا انتقال فرمایند۔“

تصریحات بالا سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ شعر العجم کو ”لٹریری ہسٹری آف پرشیا“ کا سرقہ قرار دیتے تھے، وہ وہی اشخاص ہو سکتے ہیں جن کے دماغی دسترس سے یہ دونوں کتابیں بالاتر ہیں، ان حضرات کی تائید نہ براؤن کے لیے باعث فخر ہو سکتی ہے، اور نہ شبلی کے لیے باعث ننگ، اس کا بے شبہہ افسوس ہے کہ براؤن صاحب کو اس وقت تک شعر العجم کی صرف ابتدائی[۲] دو جلدیں دستیاب ہو سکی ہیں، اگر بقیہ تین جلدیں بھی ان کے پیش نظر ہوتیں، تو یقیناً وہ بہت زیادہ استفادہ کرتے۔

### مولانا عبد الباری فلسفی ندوی دار المصنفین میں

ناظرین معارف اس خبر کو یقیناً نہایت مسرت سے سنیں گے، کہ مولوی عبد الباری صاحب ندوی مصنف برکلے نے جن کے مضامین و تصانیف سے وہ بخوبی روشناس ہو چکے ہیں، یکم دسمبر (سنہ ۱۹۲۰ء) سے دار المصنفین میں مستقل قیام کرنے اور اپنی دماغی فیاضیوں سے برابر اسے مستفید کرتے رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے، انکی قابلیت، انکی قوت تحریر، اور سب سے بڑھکر ان کی جامعیت (وہ علوم قدیمہ و جدیدہ دونوں کے عالم ہیں) کے لحاظ سے حلقۂ دار المصنفین میں اس جدید گوہر کے اضافہ کو بے شبہہ ایک خوش قسمتی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

(معارف ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء)

## (٦)

مشرقی لٹریچر کے ہوا خواہ بالعموم اور ڈاکٹر اقبال کے کلام کے مداح بالخصوص اس خبر کو سن کر خوش ہوں گے، کہ ان کی مشہور فارسی مثنوی "اسرار خودی" کا انگریزی ترجمہ لندن میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ مترجم کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز مستشرق پروفیسر نکلسن ہیں، جو اسلامی ادبیات و تصوف پر متعدد تصانیف کے مصنف ہیں، اور عربی و فارسی کی چند نادر و بیش بہا کتابیں اڈٹ کر چکے ہیں، اس ترجمہ پر انھوں نے بکثرت حواشی دیئے ہیں، اور ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔ "ٹائمز لٹریری سلیمنٹ" دوبار اس پر نوٹ لکھ چکا ہے، جو علمی حلقوں میں کتاب کی اہمیت و مقبولیت کی ایک واضح دلیل ہے، سطور ہذا کی تحریر کے وقت تک کتاب ہندوستان نہیں پہنچی ہے،

---

عربی و فارسی لٹریچر سے یورپ کو جس قدر اعتناء ہے، غنیمت ہے۔ لیکن حیرت و تأسف کا مقام ہے کہ اردو کی جانب اس کی بے التفاتی ہنوز جوں کی توں ہے، حالانکہ ہندوستان کے بیشتر حصوں کی زبان اردو ہی ہے، اور سات کروڑ مسلمانوں کی مشترک زبان تو صرف یہی ہے، ان کے اخبارات اسی زبان میں نکلتے ہیں، ان کے علمی و ادبی رسائل اسی زبان میں شائع ہوتے ہیں، ان کی شاعری کی یہی زبان ہے، ان کے گھروں میں یہی زبان بولی جاتی ہے، ان کی تصنیف و تالیف اسی زبان میں ہوتی ہے، ان کے سیاسی جذبات کی ترجمانی یہی زبان کرتی ہے، ان کی مجالس وعظ و محافل میلاد وغیرہ میں یہی زبان مستعمل رہتی ہے، غرض ان کی سیاسی، تعلیمی، مذہبی، قومی، خانگی، علمی ہر قسم کی اجتماعی زندگی کی روح رواں یہی زبان ہے، ایسی حالت میں اس سے بے التفاتی و بے اعتنائی کا ظہور، یورپ اور خصوصاً انگلستان کی جانب سے، جسے ہندوستان پر حکومت کرتے ڈیڑھ سو سال سے زائد ہو چکے ہیں، جس قدر ہمارے لیے حیرت انگیز ہے، اسی قدر ان کے لیے افسوسناک ہے۔

---

میر و درد، غالب و مومن، انیس و دبیر، حالی و اکبر، سرسید و آزاد، نذیر احمد و شبلی جن زبان

کے خزانہ کو اپنے جواہر پاروں سے مالا مال کر چکے ہیں، کیا اس کے وجود کی بھی خبر کیمبرج و آکسفورڈ کے ایوانہائے علم تک پہنچی ہے، پروفیسر براؤن کو فارسی زبان و ادب سے جو شغف ہے، وہ خود مسلمان علماء کے لیے باعث رشک ہے، فارسی سے متعلق جو کچھ بھی لکھا جاتا ہے، اس کے حرف حرف پر ان کی نظر رہتی ہے، لیکن باایں ہمہ کاوش و تحقیق، شغف و انہماک، حال یہ ہے کہ ہندوستان کا ایک محقق فارسی شاعری کی مفصل و مبسوط تاریخ شائع کرتا ہے، (شعر العجم) اور سالہا سال تک براؤن صاحب کو اس کتاب کے وجود کی خبر نہیں ہوتی ہے، اور آٹھ دس سال کے بعد بھی انکی رسائی منجملہ پانچ جلدوں کے کتاب کی صرف ابتدائی دو جلدوں تک ہوتی ہے، یہ کیوں؟ محض اس لیے کہ کتاب اردو میں تھی، مستشرقین کی جماعت قدیم اسلامی لٹریچر کی جو کچھ خدمت کر رہی ہے، اس کا اعتراف بارہا ان صفحات میں ہو چکا ہے، لیکن ماضی کی یاد میں حال سے بالکل بے خبر رہنا کون سی دانشمندی ہے،

---

ڈین انگ جن کے ایک فلسفیانہ مضمون کی تلخیص اسی نمبر میں ملے گی، ایک جید مذہبی عالم ہونے کے ساتھ ہی مستند فلسفی بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیت ارسطاطالیس) نے جو انگلستان کی سب سے بڑی فلسفیانہ انجمن ہے، ان کو اپنا صدر مجلس منتخب کیا ہے، ریورنڈ موصوف نے کرسیٔ صدارت پر بیٹھتے ہی حاضرین کے سامنے ایک خاص استدلال پیش کیا ہے جس کے قضایا کا خلاصہ ہم ناظرین معارف کے تفنن طبع کے لیے یہاں درج کرتے ہیں۔

(۱) سیناٹوگراف (متحرک تصویر) کے پردہ پر جب کسی مرتب و مسلسل واقعہ کی تصویر اتاری جاتی ہے، تو اس کی ترتیب اصل واقعہ کے بالکل برعکس ہوتی ہے، مثلاً اگر یہ دکھانا منظور ہوتا ہے کہ ایک شخص حوض میں غوطہ لگانا چاہتا ہے، تو اس منظر کی ترتیب یوں دکھائی دیتی ہے کہ پہلے ایک ساکن حوض نظر آتا ہے، پھر اس میں تلاطم پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے اندر سے دو پیر نکلتے ہیں، رفتہ رفتہ ایک بلندی نمودار ہوتی ہے، یہاں تک کہ بالآخر ایک مکمل انسانی شکل پیدا ہوتی ہے، جس کے ہاتھ اوپر

کو اٹھے ہوئے ہیں، اور جو حوض میں جست کرنے کو تیار ہے،

(۲) یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ایک ہی واقعہ جو ایک شخص کے لیے داخل ماضی ہے، دوسرے کے لیے مستقبل کا حکم رکھتا ہے، شہر کے گھنٹہ گھر میں جب گھنٹہ بجتا ہے، تو جو لوگ ہمسایہ ہیں، وہ فوراً سن لیتے ہیں، اور جو لوگ دور کے محلوں میں رہتے ہیں، ان تک اس کی آواز چند سکنڈ کے بعد پہنچتی ہے، اور اس درمیانی وقفہ میں وہی آواز بعض افراد کے لیے حکم ماضی میں داخل رہی اور بعض کے لیے مستقبل ہی،

(۳) لیکن ادراک ہمیشہ ادراک ماضی ہوتا ہے، ادراک کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی شی کا وجود واقع ہو چکا ہے، شعور ہم کو ہوا

(۴) اس سے معلوم یہ ہوا کہ ہماری اصطلاح میں ماضی و مستقبل دونوں محض اضافی مفہوم رکھتے ہیں، یعنی جس ترتیب سے واقعات ہمارے شعور میں آتے رہتے ہیں، ان پر ماضی و مستقبل کا اطلاق... اسی کے لحاظ سے کیا جاتا ہے، سنہ ۱۹۰۰ء ہمارے لیے اس واسطے ماضی ہے کہ اس کے واقعات ہمارے شعور میں آچکے ہیں، اور سنہ ۱۹۳۰ء اس لیے مستقبل ہے کہ اس کے واقعات ہمارے شعور میں نہیں آئے ہیں۔

(۵) اس صورت میں بالکل ممکن ہے کہ جن ہستیوں کا شعور ہمارے شعور سے مختلف ہے ان کے لیے ماضی و مستقبل بھی بالکل جداگانہ مفہوم رکھتے ہوں، اور جو ہستی شعور مطلق یا ہمہ دانی سے متصف ہوگی، اس کے لیے ان الفاظ کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے۔

ان قضایا کے پیش کرنے کے بعد فاضل موصوف بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ماضی و مستقبل مقدم و موخر، علت و معلول کوئی مستقل وجود نہیں رکھتے، بلکہ اس ہستی مطلق کے جو قید زمان سے آزاد ہے، محض مظاہر و شئون ہیں۔

سنا، ۱۷، ماہ حال کو علی گڈھ میں اس "مسلم یونیورسٹی" کا افتتاح ہوگیا، جو سرسید مرحوم کے "رویائے یوسفی" کی تعبیر خیال کی جاتی ہے، اگر یہ عید شام کو نہ ہوئی ہوتی تو وائس چانسلر کا نغمۂ مسرت صرف اسی ہال میں گونج کر نہ رہ جاتا، بلکہ اس کی آواز بازگشت سارے ہندوستان میں سنائی دیتی، اور ہم بھی بغداد و قرطبہ کی کھوئی ہوئی دولت کا

اس کو نشان بازیافت سمجھ کر خوش ہوتے، لیکن اب تو اگر ہم اس کو آب حیات بھی سمجھنا چاہیں تو بھی مسلمانوں کی "مرگ آرا" غیرت قلم پکڑ لیتی ہے، اور عرفیؔ کی زبان سے کہتی ہے کہ:

منت بازیچۂ عیسیٰ مکش بہر حیات
ارزش مردن بپرس "زنفس مرگ آرائے من"

(معارف دسمبر ۱۹۲۰ء)

# شذرات

## (از ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء)

اس نمبر سے معارف کی ساتویں جلد شروع ہوتی ہے، اور اس کی عمر کا چھٹا سال، جولائی سنہ ۱۹۱۶ء میں اس کا پہلا پرچہ شائع ہوا تھا، ہم سست اور غیر مستقل ہندوستانیوں کے نزدیک تو ایک اردو رسالہ کی اتنی زندگی بھی غنیمت ہے، لیکن سفر یورپ کے لیے جہاز پر سوار ہونے کے ساتھ مجھے امریکہ کے ایک انگریزی رسالہ کو دیکھ کر کس قدر تعجب ہوا، اس کا نام "دی سٹرڈیئے یوننگ پوسٹ" (سنیچر کی شام کی ڈاک) تھا، ہر ہفتہ بڑی تقطیع پر باریک ٹائپ میں تین کالموں کے سائز علاوہ تصاویر سے شائع ہوتا ہے، ہر ہفتہ کے صفحات کی ضخامت ۱۷۲، بایں ہمہ اس کی عمر تم نے سنی؟ فروری سنہ ۱۹۲۰ء اس کی عمر ۱۹۳ برس کی تھی، بتاریخ یکم نومبر سنہ ۱۷۲۸ء کو اس کا پہلا نمبر نکلا تھا، کیا ہمارے لیے یہ بھی یکے از عجائب عالم ہے۔

گذشتہ جنگ جہاں سوز کے دوران میں جرمنی نے زہریلی گیس کا استعمال شروع کیا تھا، اس کی اس "بربریت" پر ساری "مہذب و متمدن" دنیا فرط حیرت و غضب سے تھرا اٹھی تھی، لیکن آج جبکہ ہنگامی اشتعال اور ضروریات جنگ میں سے کوئی شئی موجود نہیں، اور دنیا پر ایک بڑی حد تک امن و امان کی فرماں روائی کہی جا سکتی ہے، اس وقت پورے پرسکون غور و فکر کے بعد امریکہ کی متمدن صلح جو، آشتی پسند حکومت یہ فرمان نافذ کرتی ہے، کہ فوج کو زہریلی گیس کے استعمال سے دست بردار ہونے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ آیندہ جنگ کے موقع پر ہر امریکی سپاہی کو اپنی اپنی جیب میں اس کی ایک ڈبیہ رکھنا لازم ہوگی، امریکہ کے ماہرین سائنس نے اس گیس کو منجمد بنا دیا ہے، اس لیے اسے صابن کی طرح بآسانی ڈبیہ میں محفوظ رکھا جا سکتا ہے،

مسئلہ کے سیاسی پہلو سے یہاں واسطہ نہیں، یہاں دکھانا صرف یہ مقصود ہے، کہ یہ اس قوم کا طرز

عمل ہے، جو مغرب میں صلح و آشتی کی سب سے بڑی علم بردار مشہور ہے، جس کے آئین اساسی میں یہ دفعہ بھی شامل ہے، کہ اس قوم کو دوسروں کے لڑائی جھگڑے سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، اور جس کے رئیس حکومت (پریسیڈنٹ ولسن) کو ایک لاکھ کا گرانقدر نوبل پرائز اس بنا پر عطا ہوا ہے، کہ انھوں نے قیام امن میں بہترین مساعی سے کام لیا۔

دنیا کشت و خون کے مناظر سے اکتا گئی ہے، جنگ و جدل کے نام سے وہ لرزنے لگی ہے، اور اس سے بچنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ سے وسیلہ تلاش کر رہی ہے، لیکن کیا اس سعی میں کامیابی کی بھی صورتیں ہیں، کہ اقوام اپنے تئیں جنگی شقاوت و حربی سنگدلی کے لیے روز بروز تیاری کرتی رہیں، لیکن درحقیقت اس میں کسی مخصوص فرد یا قوم کا قصور نہیں، بلکہ یہ صورت حال لازمی نتیجہ ہے اس نظام تمدن کا، جس کی سیادت کا شرف یورپ و امریکہ کو حاصل ہے، اور جو بالواسطہ اس وقت ساری دنیا پر حاوی و محیط ہے، جس ضابطۂ اخلاق میں انکسار و فروتنی، غیرت و قناعت کا کوئی درجہ نہ ہو، جس طرزِ معاشرت میں بلندترین مرتبہ، عالی حوصلگی و بلند نظری کو دیا گیا ہو، جس فلسفۂ سیاست میں فن احتیال و "حکمت عملی" کو فضائل و کمالات میں شمار کیا جاتا ہے، اور جس نظام تمدن کی بنیاد تمامتر "تنازع للبقاء" مسابقت و باہمی کش مکش پر ہو، اس کے علمبرداروں سے یہ توقع رکھنا کہ ان کی کوششیں مستقل و پائیدار امن و امان کو وجود میں لاسکیں گی، گرگ سے گلہ بانی کی امید قائم کرنا ہے، سچ یہ ہے کہ جس وقت تک دنیا پر مادی تمدن اور خود پرستانہ جذبات کی حکومت قاہرہ قائم ہے، مجالس صلح کا انعقاد، سیاسی صلح ناموں کی ترتیب، نوبل پرائز کے بیش قرار و حوصلہ افزا انعامات غرض ان لوگوں کی ہر کوشش قطعاً لاحاصل و بے سود ہے، مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

خودی بہر صورت، بہرحال نفاق و شقاق، اختلاف و افتراق ہی کی جانب لے جانے والی ہوتی ہے، خواہ اسے "وطنیت" "قومیت" یا اور کسی ہی پرشوکت لقب سے معزز بنانے کی کوشش کیجائے، جو شئ

اتحاد و خلوص، الفت و اخوت پیدا کرنے والی ہے، وہ خودی نہیں، بے خودی، خود فراموشی و خود فنائی ہے، اصول مادّیت کے لحاظ سے یہ دعویٰ یقیناً مستبعد معلوم ہوگا، لیکن جسم و مادہ سے ماورا ایک اور عالم ہے، جہاں اختلاف و افتراق کی گنجائش نہیں، جہاں من و تو کا گزر نہیں، اور جہاں گبر و مومن، ترک و ہندو، عجم و عرب سب مساوی نظر آتے ہیں، اسی عالم میں پہنچ کر خواجہ عطارؒ فرماتے ہیں، ع

روح را پارسی و تازی نیست

یا مولانا رومیؒ کی زبان میں:

روح را با تازی و ترکی چہ کار

چند ماہ ہوئے یورپ کی بین الاقوامی زنانہ کانگریس کا آٹھواں سالانہ اجلاس جنیوا (اٹلی) میں منعقد ہوا تھا، جس کی مفصل روداد حال میں ہندوستان پہنچی ہے، خواتین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی، تقریریں نہایت پرزور ہوئیں، رزولیوشن دو ایک نہیں، بلکہ بیسیوں کی تعداد میں منظور ہوئے، غرض جس معنی میں آج کل جلسوں پر کامیابی کا اطلاق کیا جاتا ہے، اس معنی میں یہ جلسہ ہر پہلو سے نہایت کامیاب و شاندار رہا، کانگریس نے اپنے مطالبات کا جو طویل پروگرام کیا ہے اس کے چند عنوانات یہ ہیں:

(۱) سیاسی حقوق نسواں (۲) شخصی حقوق نسواں (۳) خانگی حقوق نسواں (۴) تعلیمی حقوق نسواں، (۵) اخلاقی حقوق نسواں،

اور ان میں سے ہر عنوان کے ماتحت مردوں سے مساوات کامل کا مطالبہ کیا ہے، اس سے قطع نظر کر کے کہ فطری عدم مساوات کے ساتھ ”مساوات کامل“ کا مطالبہ کس حد تک حق بجانب ہے، سوال یہ ہے کہ کیا خواتین مغرب اپنے فرائض سے اس درجہ سبک دوش ہو چکی ہیں، کہ ”حقوق“ کی اس پرہیبت صف آرائی میں انھیں ”فرائض“ کا نام لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔

مغرب کے نظام تمدن کی بنیاد مطالبہ ”حقوق“ پر ہے، مشرق کے ضابطۂ اخلاق کی اصل ادائے

"فرائض" ہے، مغرب کے نزدیک عورت کا کمال یہ ہے کہ وہ شمع بزم و رونق محفل ہو کر رہے، مشرق کے نزدیک اس کی انتہائی عزت یہ ہے کہ وہ چراغ خانہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرتی رہے، یہی سبب ہے کہ مغرب میں ملکہ کلیوپٹرا پیدا ہوتی ہے، جو حسن و جمال کے حربہ سے، اپنی فاتحانہ اولوالعزمیوں میں ایک بڑی حد تک کامیاب رہتی ہے، اور مشرق میں ستیا پیدا ہوتی ہے، جو عصمت شعاری و شوہر پرستی کی تصویر ہوتی ہے، اور فقط ناموس کی خاطر دنیا سے ناکام و نامراد اٹھ جاتی ہے، ہندوستان جدید کے سامنے اس وقت دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں، دعا ہے کہ اسے راہ راست اختیار کرنے کی توفیق عطا ہو،

(معارف ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء)

## ( ۲ )

### عربی خواں طلبہ کی متحدہ جمعیت

یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ طلبائے دیوبند نے تمام عربی خوانان مدارس ہند کی ایک متحدہ جمعیت قائم کرنی چاہی ہے، اور اس کے لیے عملی کوششیں بھی انھوں نے شروع کردی ہیں، یہ پڑھکر بھی اطمینان ہوا کہ طلبائے دارالعلوم ندوہ نے نہایت فراخ دلی اور خندہ جبینی کے ساتھ اپنے دیوبندی بھائیوں کے ساتھ ملکر کام کرنے کی آمادگی ظاہر کی ہے، اور دیگر مدارس اسلامیہ کے طالب علم بھی بسرعت اس تحریک میں شامل ہورہے ہیں، یہی تو وہ چیز تھی، جس کی عربی تعلیم کے مصلحین سالہاسال سے متمنی تھے، آخر

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

بوڑھی ہڈیوں میں تو اب جنبش مشکل ہے، اب جو کچھ امیدیں ہیں، وہ انہی نوجوانوں سے ہیں، بہتر ہوتا کہ یہ وفد مختلف سربرآوردہ مدارس کے مستعد طلبہ سے مرکب ہوتا، اور وہ اس سرے سے اس سرے تک تمام مدارس اسلامیہ کے طلبہ میں اتحاد کی دعوت پکارتا ہوا چلا جاتا۔

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ پر اس وقت سے جب وہ فقط کالج تھا، ارباب نظر کا یہ اعتراض چلا آتا ہے، کہ عربی تعلیم کے لیے وہاں یورپین، عیسائی یا یہودی پروفیسر کیوں رکھے جاتے ہیں، اور اب نیا کیوں بلوایا گیا ہے، علاوہ مذہبی بدنمائی کے اور علماء سے قطع نظر کر کے جب اسی قابلیت و لیاقت کے، بلکہ اس سے بہتر خود مسلمان پروفیسر مل سکتے ہیں، تو سات سمندر پار سے ڈیوڑھی اور دوگنی قیمت پر علوم عربیہ کے یورپین اساتذہ کیوں بلوائے جاتے ہیں، ایک علم فلسفۂ لغت یا موازنۂ السنۂ سامیہ اور کتب خانہ ہائے یورپ کی فہرست کتب کے علاوہ علمی حیثیت سے وہ ہمارے عام مسلمان علمائے ہند سے جنہوں نے جدید طرز سے تھوڑی بھی آگاہی حاصل کی ہے، ان کی ذات ایک ذرہ بھی ممتاز نہیں

ہوتی، بہتر ہو کہ ہماری یونیورسٹی میں آیندہ سے فارسی پڑھانے کے لیے بھی کسی فرنچ اور اردو پڑھانے کے لیے کسی جرمن کی خدمات حاصل کیجائیں،

حالانکہ یہ سن کر ہمارے ارکان مسلم یونیورسٹی کو افسوس ہوگا، کہ جو اساتذہ ہزاروں روپیے تنخواہوں پر وہ حاصل کرتے ہیں، وہ ہمارے ہی سیاہ رنگ بھائیوں کے آگے زانوے ادب تہ کرکے عالم بنتے ہیں، اور وہاں کی یونیورسٹیوں میں فخر کے ساتھ قبول کیے جاتے ہیں، لندن کے مدرسۂ السنۂ مشرقیہ (اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز) میں اردو، فارسی، عربی اور ترکی پڑھانے کے لیے ہندی ایرانی، عرب اور ترک نوکر ہیں، علی رضا بے وہاں ترکی اور ایک بغدادی مسلمان اور ایک شامی عیسائی عربی پڑھاتے ہیں، اور ہمارے ہی کالج کے تعلیم یافتہ ملک عبدالقیوم اردو سکھاتے ہیں، کیمبرج میں خلیل خالد بے پہلے تھے، اب قدری بے اور ہندوستان کے عبدالحی عرب ہیں، ڈاکٹر اسپرنگر، سرولیم میور، ڈاکٹر لٹینر، ڈاکٹر راس، ڈاکٹر آرنلڈ، سرچارلس لائل، جنھوں نے یورپ جاکر علوم مشرقیہ کے متبحر کی حیثیت سے نام پیدا کیا، ان کو ان میں اسی ہندوستان سے فیض پہنچا ہے، اس وقت پروفیسر براؤن اور پروفیسر مارگولیوتھ جو کیمبرج و آکسفورڈ کے آجکل آفتاب و ماہتاب ہیں، وہ بزرگان یورپ میں نہیں، بلکہ ایران و مصر و شام کی خاک چھان کر اس درجہ کو پہنچے ہیں، فرانسیسیوں کو تو مشرق کا علم تونس اور الجزائر کے جبہ پوشوں کے ذریعہ پہنچا ہے۔

علی گڑھ کالج میں عربی تعلیم کی شاخ کھلنے سے لیکر آج تک دو پروفیسر یورپ سے آچکے ہیں، ڈاکٹر ہارویز اور ڈاکٹر اسٹوری، لیکن جس قدر وہ ہمارے طلبہ کو سکھا گئے، اس سے کہیں زیادہ وہ ہمارے ہندوستانی علماء سے سیکھ کر گئے، جب آئے تھے، تو سیدھی عربی بھی نہیں پڑھ سکتے تھے، اور اب یہاں سے واپس جاکر اکابر مستشرقین کی صف میں داخل ہیں، یہ سب سن کر آپ کہیں گے کہ سب سچ، لیکن ہم کو تو جو چیز ملے گی وہ یورپ ہی کی گداگری سے ملیگی، خواہ وہ سیاست ہو، یا معاشرت، مغرب کا علم ہو یا مشرق کا،

لیکن اسی ملک میں اور اسی صوبہ میں ہماری ہی یونیورسٹی کی ہمزاد ایک ہندو بنارس یونیورسٹی

ہے۔ یہاں بھی مقدس مذہبی زبان سنسکرت کی تعلیم کے لیے پروفیسر ہیں، یورپ میں سنسکرت کے بہترین جرمن اور فرنچ عالم ہیں، لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے، اس کی پیشانی پر کسی جرمن یا فرنچ سنسکرت اسکالر اور پروفیسر کے خدمات کے حصول کا داغ نہیں، وہ اپنی زبان کی تعلیم کے لیے یورپ کے پروفیسروں کے منت کش نہیں، خود اس ملک کے فاضل پنڈت اپنی مقدس زبان سنسکرت یا ہندی زبان کی تعلیم نہایت خوبی سے دیتے ہیں، جب ہندو فضلاء یہ کر سکتے ہیں، تو پھر مسلمان فضلاء عربی کی تعلیم کیوں نہیں دے سکتے، جواب یہ ہے کہ ہم نے عربی کی تعلیم کا وظیفہ سرکار سے اس شرط پر لیا ہے، کہ ہم اپنی مذہبی عربی زبان اپنوں سے نہیں، غیروں سے سیکھیں گے۔

لکھنؤ کے لارڈ بشپ ہندوستان کی مسیحی دنیا میں ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں، مسیحی سال رواں کے نوروز کے دن انھوں نے ایک بڑے کلیسا میں صوبہ کے گورنر اور دیگر اعلیٰ انگریزی حکام کے سامنے ایک مبسوط تقریر کی، اس کے اور حصوں سے اس وقت ہم کو سروکار نہیں، اپنی تقریر کے آخر میں انھوں نے جو دعا مانگی وہ یقیناً قابل توجہ ہے، دعا کے الفاظ یہ ہیں:

> ”اے پروردگار! تو وہ ہے جس نے مختلف اقوام کو سطح ارض پر مل کر رہنے کیلئے پیدا کیا، تو وہ ہے جس نے اپنے فرزند عیسیٰ مسیحؑ کے ذریعہ سے یہودی وغیر یہودی، آزاد وغلام یونانی ووحشی ہر قسم کی تفریق کو مٹانے کا حکم دیا، ہم تیری درگاہ میں التجا کرتے ہیں، کہ ہمارے دلوں سے رشک وحسد کو دور کر، اور ہمارے غرور کو توڑ، اور ان تمام نسبی تعصبات کو دور کر دے جو مشرق ومغرب، شمال وجنوب کے درمیان اخوت ومحبت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں، تاکہ دنیا کے سب لوگ امن واطمینان سے رہ سکیں۔“

اخبارات میں ہے، کہ اس دعا پر حاضرین نے آمین کہی، لیکن معلوم نہیں کہ عہدہ داران سیاسی بھی آمین کہنے والوں میں تھے یا نہ تھے، اور اگر تھے تو یہ امر بھی تحقیق طلب رہ جاتا ہے، کہ ان کے قلوب ان کی زبانوں کے کس حد تک شریک تھے۔

سیاسی حکام سے قطع نظر کرکے امید ہے کہ لارڈ بشپ صاحب نے اس پر غور کر لیا ہو، کہ آج

جس صورت حال کو مٹانے کے لیے انہیں دعا مانگنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اس کے پیدا کرنے کی ذمہ داری خود ان کی جماعت پر کس قدر عائد ہوتی ہے، بڑے بڑے تجارتی کاروبار قائم کرنا، جنگی جہازات پر ہر سال کروڑوں روپیے صرف کرنا، مے نوشی، بدچلنی اور دوسری نفس پرستیوں پر بے شمار دولت خرچ کرنا، کمزور قوموں سے غلامی کا کام لینا، سیاسی مصالح کے لیے حق و صداقت کو بالکل پس پشت ڈال دینا، قتل و خونریزی میں مشغول رہنا: ان میں سے کوئی شے ایسی ہے، جسے حضرت مسیحؑ کی تعلیم سے کچھ بھی علاقہ ہے، پھر کیا اسی حالت میں حاملان شریعت مسیحیؑ پر یہ فرض نہ تھا کہ گم گشتگان وادی معصیت کو راہ حق دکھاتے، اور اپنے "ابن اللہ" کی جانشینی کا کچھ تو حق ادا کرتے۔ ہم مسلمانوں کے عقیدہ میں حضرت مسیحؑ کی صحیح و مکمل تعلیم آج دنیا میں موجود نہیں، لیکن وہ ادھوری اور ناقص تعلیم جو کچھ بھی مروجہ انجیلوں میں موجود ہے، وہ بجائے خود اس پایہ کی ہے کہ اگر اسی کے مطابق عمل ہونے لگے، تو دنیا نمونۂ جنت بن جائے۔

سچ یہ ہے کہ دنیا آج جس دور ابتلا سے گزر رہی ہے، اس کی ذمہ داری ایک بڑی حد تک ہر مذہب کے علماء ہی پر عائد ہوتی ہے، مسلمان علماء اگر واقعۃً اپنی حیثیت "نائب رسول" کی رکھتے تو یقین ممکن تھا کہ ممالک اسلامیہ کی حالت اس وقت ماتم انگیز ہوتی، اَنتمُ الاَعلَونَ کا وعدہ بر حق اِن کنتم مومنین کے ساتھ مشروط تھا، اور ہے، ہندو مذہب کے علماء اگر رام چندر اور سری کرشن جی کے بتائے ہوئے دھرم پر قائم رہتے تو ان کی قوم آج اس پستی کی حالت میں نہ ہوتی، بودھ مذہب کے معتقد اگر گوتم بدھ اور تاؤ کے نقش قدم پر چلتے ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ چین قعر انحطاط میں پڑ کر جاپان کی مادیت کے عذاب میں مبتلا ہو، اور علم برداران شریعت عیسوی گر کبھی کبھی شریعت عیسوی و سنت مسیحی پر عمل پیرا ہوتے رہتے تو مغرب کا انجام یقیناً خودکشی سے بہت دور ہوتا، دنیادار تو بہرحال دنیادار ہوتے ہی ہیں لیکن جب ہادیانِ حق پر جاہ پسندی و نفس پرستی کا عفریت مسلط ہو جائے تو اصلاح و بہبود کی توقعات پر فاتحہ

پڑھ دینا چاہیے، بقول حضرت مسیحؑ کے، "جب خود نمک کی نمکینی جاتی رہے، تو اسے کس چیز سے نمکین کیا جا سکتا ہے،" اگر ایک روز کل مخلوق کے لیے یوم احتساب کا آنا برحق ہے، تو یہ بھی بالکل قطعی ہے، کہ اس وقت تنہا سرکش امراء، ظالم سلاطین، مغرور حکام، بد دیانت تاجر، و فریب کار اہل سیاست ہی سے باز پرس نہ ہوگی، بلکہ ہر مذہب و ملت کے مسند نشینان امامت و جبہ پوشان شریعت کی فرد اعمال کا بھی ایک ایک جزئیہ آئینہ ہوگا، اور مرحوم مرزا غالبؔ کی روح تو اس وقت بھی صدا دے رہی ہے، ؎

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو!

(معارف ماہ فروری سنہ ۱۹۲۱ء)

(۳)

## (مولانا محمد علی جوہر دار المصنفین میں)

یکم مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو سالہا سال کے وعدوں کے بعد محترم محمد علی نے شبلی منزل کو رونق بخشی، جب وہ نظر بند تھے، اسی وقت سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ وہ نظربندی سے آزاد ہوں گے تو سب سے پہلے دار المصنفین آئیں گے، اور چھ مہینے اس گمنام مقام کے کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر عربی کی تکمیل اور سیرۃ نبویؐ کا انگریزی میں ترجمہ کریں گے، لیکن آزادی کے ساتھ جو اطمینان شکن اور امن کش واقعات پیش آئے، وہ سب کے سامنے ہیں،

بہرحال یہ پرانا وعدہ کسی نہ کسی صورت میں یکم مارچ کو پورا ہوا، ہزارہا آدمی استقبال کے لیے شاہ گنج (۲۳ میل) سے اعظم گڈھ تک، اور شہر اعظم گڈھ کے ناکہ سے شبلی منزل تک (دو میل) موجود تھے، شبلی منزل پہنچ کر سب سے پہلے وہ استاد مرحوم (مولانا شبلی) کی قبر پر گئے، اور پھول

کے وہ تمام ہار جو قدر دانوں نے ان کے گلے میں ڈالے تھے، قبر کے ایک گوشے میں ڈال دیئے، اس کے بعد انہوں نے دار المصنفین کی خانقاہ میں ایک دن ٹھہر کر یہاں کے مختلف شعبوں کو دیکھا اور دوسرے دن کی شام کو علی گڈھ واپس گیے،

اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے مذاہب کی تحقیق میں امام عبدالقاہر بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفرق" نہایت متقدم اور محقق ہے، محمد بدر نامی ایک مصری عالم نے ۱۹۱۰ء میں برلن کے ایک قلمی نسخہ سے اس کو شائع کیا تھا، فرق اسلامیہ کی تاریخ میں سب سے مشہور کتاب شہرستانی کی ملل ونحل ہے، اس کا جرمن ترجمہ ۱۸۴۲ء سے یورپ میں مستعمل ہے، الفرق، ملل ونحل سے تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی تھی، لیکن عالم مطبوعات میں یہ اس سے بہت پیچھے ظاہر ہوئی، اب ۱۹۲۰ء میں ایک مستشرق خاتون کیٹ چیمبرس سیلدئے نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، اور نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی میں چھپا ہے، کیا سات کروڑ مسلمانوں کی اردو زبان میں بھی اس کے ترجمہ کی ضرورت ہے؟

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نام سے انگریزی، فرنچ اور جرمن میں جو کتاب مسلسل شائع ہو رہی تھی، اس کا ابھی حال میں پچیسواں نمبر تازہ شائع ہوا ہے، جس میں ۹ کے مضامین میں اجتہاد سے لے کر اعراب تک کے عنوانات اس میں داخل ہیں، اسی نمبر میں ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی انقلاب پر جو بات ہے، اس میں ہندو مسلم اتحاد کے عجیب وغریب وجوہ بتائے گیے ہیں، مسلمانوں کے جدید سیاسی تغیرات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

(معارف ماہ مارچ ۱۹۲۱ء)

(۴)

حریت نسواں ومطالبۂ حقوق نسواں سے متعلق انگلستان میں جو متعدد انجمنیں اور مجالس قائم ہیں، ان میں سے ایک کا نام "ویمنس فریڈم لیگ" (انجمن حریت نسواں) ہے، ۱۳؍ اکتوبر سنہ

گزشتہ کو اس انجمن کا جلسہ ۱۴ مئی ہالی ہبورن میں منعقد ہوا، مسز میکلارن نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس کا عنوان یہ تھا:

"گھر میں باپ کا کوئی درجہ اگر ہے تو کیا ہے؟"

اس جلسہ کی مفصل روداد لندن کے مشہور روزنامہ ڈیلی ٹیلیگراف نے حال میں شائع کی ہے، مسز میکلارن کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک نوجوان مرد نے ان سے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ والدین کو گھروں سے باہر نکال دینا چاہیے، لیکن خود ان کی رائے اس باب میں اس قدر سخت نہ تھی، ان کے نزدیک والدین کو اپنی اصلاح کا ایک اور موقع دینا چاہیے، ہر نظام خانہ داری میں باپ کو جو افسر خاندان کی حیثیت ہوتی ہے، اس دستور کو قطعاً جلد سے جلد بند ہو جانا چاہیے، مسز موصوفہ کی تقریر کے بعد ایک ناکتخدا خاتون مس انڈرڈ نے فرمایا کہ یہ سنتے سنتے کان تھک چکے ہیں، کہ خاندان کا حاکم مرد کو اور محکوم عورت کو رہنا چاہیے، جب تک مساوات کامل پر عمل درآمد نہ ہوگا، اصلاح حال کی کوئی صورت ممکن نہیں، ایک اور شریک جلسہ ناکتخدا خاتون مس ریلے نے ارشاد فرمایا کہ خاتون کی مدد سے مساوات کامل نافذ کرنا چاہیے اور سر دست والدین کو گھروں میں رہنے کا موقع دینا چاہیے، ایک صدی یا نصف صدی کے بعد عورت کی حکومت قائم ہو سکے گی۔

ان تین تقریروں سے جلسہ کے رنگ کا کافی اندازہ ہو گیا ہوگا، یہ رائیں انہی تین مقرروں کی نہ تھیں، بلکہ سارے جلسہ کی تھیں، اس لیے کہ صدائے مخالفت ایک متنفس نے بھی بلند نہ کی، بلکہ مختلف طریقوں سے سب نے داد ہی دی، اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد تالیوں اور قہقہوں کی گونج مقرروں کی حوصلہ افزائی کرتی رہی، جلسہ کی روداد مختلف انگریزی اخبارات میں شائع ہوئی، لیکن بجز دو ایک کے اور کسی اخبار نے بھی مقاصد جلسہ سے ذرا برابر اختلاف... نہیں کیا، ایسی حالت میں اگر اس رائے کو انگلستان کے جمہور یا کم از کم اس کے ایک معقول حصہ کی رائے کا آئینہ سمجھا جائے تو غالباً کسی قسم کی ناانصافی نہ ہو، ہر شخص کا عمل خود اس کے ساتھ ہے۔

ادا ہر قوم اپنے عمل کی خود ہی ذمہ دار ہے، (لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) انگلستان اگر اپنی فلاح و بہبود اسی میں سمجھتا ہے، تو باہر والوں کو مداخلت کا کوئی حق بھی نہیں، لیکن صرف اس قدر گذارش ہے کہ اگر اس کے نوجوان طبقہ کی اس نظر سے فائدہ اٹھا کر دوسری نوجوان قومیں خود انگلستان کی حکومت و سلطنت، تہذیب و تمدن، قانون و معاشرت، تجارت و صنعت، زبان و ادب، علوم و فنون کے برخلاف غدر و بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں، تو شرط انصاف یہ ہے کہ اسے اس شے کا استقبال بھی تلوار کے جھنکار اور توپ کی گرج سے نہیں، بلکہ تالیوں کے شور اور قہقہوں کی گونج ہی سے کرنا چاہیے۔

اللہ اللہ طبائع انسانی کے اختلافات بھی کس قدر حیرت انگیز ہیں، ایک طرف انسانوں کی ایسی جماعت موجود ہے، جس کا اگر بس چلے تو والدین کا وجود ایک لمحہ کے لیے بھی نہ باقی رہنے پائے، دوسری طرف اسی دنیا میں ایک ایسی آبادی بھی ہے، جس کو ہر صبح کی تلاوت میں یہ یہ احکام موکدہ ملتے ہیں، کہ

"والدین کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ سلوک کرتے رہنا" (بقرہ - ۱۰)

"خدا کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ، اور والدین کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آؤ"۔ (نساء — ۱)

"ہم نے انسانوں کو وصیت کر رکھی ہے، کہ والدین سے سلوک کرتا رہے"۔ (لقمان — ۱)

اس قسم کے احکام صرف ایک یا دو جگہ موجود نہیں، بلکہ کم از کم دس بارہ مقامات پر ملتے ہیں، اور عموماً اطاعت والدین کا یہ فریضہ، فریضۂ توحید کے ساتھ ہی ساتھ ملتا ہے، جس سے یہ قدرۃً متبادر ہوتا ہے کہ توحید کے بعد انسان کا شاید سب سے بڑا فریضہ یہی ہے، ایک جگہ یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ:

"والدین اگر شرک پر مجبور کریں تو اس باب میں بیشک ان کی اطاعت نہ کرنا چاہیے باایں ہمہ معاملات دنیوی میں ان کے ساتھ حسن سلوک برقرار رکھنا چاہیے۔ (لقمان - ۲)

احادیث نبویؐ میں اس سے بھی زیادہ صراحت اور تاکید موجود ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے، اور میرا باپ اس کا حاجتمند ہے، آپؐ نے فرمایا "تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک میں"۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "خدا کی خوشنودی والد کی رضامندی اور خدا کی ناخوشی والد کی ناخوشی میں ہے"، ایک اور حدیث میں ہے کہ "جنت کے دروازوں کا عمدہ ترین دروازہ باپ ہے۔" اسی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ اسلامی لٹریچر کے شعبۂ اخلاق و ادب کی ایک ایک سطر، اطاعتِ والدین کے وعظ سے لبریز ہے، ان مشرقی وعظوں اور ایشیائی پندناموں سے قطع نظر کر کے خود انجیل مقدس کا، جس پر لفظاً سارا مسیحی یورپ ایمان رکھتا ہے، درس یہ ہے کہ "اپنے ماں اور باپ کی عزت کرو،" اور اس درس کی تکرار متی، لوقا، مرقس سب میں کی گئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ "عقلیت" کے دور میں "نقل" سے استناد کرنا خود اپنی کم عقلی اور تاریک خیالی کا ثبوت دینا ہے۔

• حرّیت نسواں اور برکات تمدن جدید کے سلسلہ میں یورپ ہی کے بعض موجودہ اہلِ فکر و رائے کا مطالعہ خالی از لطف نہ ہوگا۔ مسٹر فریڈرک ہیرسن انگلستان کے نہایت نامور ادیب و اہلِ قلم ہیں، جو انیسویں صدی کے وسط سے علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں، اور جن کی ادبی شہرت سے شاید ہی کوئی انگریزی خواں ناآشنا ہو، مذہباً مسیحی نہیں، بلکہ ایک آزاد خیال شخص ہیں، فلسفہ و پازیٹوزم کے بانی آگسٹ کومٹ کے پیرو ہیں، اور مِل، اسپنسر، ہکسلے وغیرہ کے خاص دوست و رفیق رہ چکے ہیں، ان کی عمر اب ۹۰ سال تک پہنچ چکی ہے، اور حال میں جب ان کی سالگرہ کا دن آیا تو متعدد اخبارات و رسائل نے اپنے اپنے نمائندے ان کی خدمت میں شرفِ باریابی کے لیے بھیجے، "ٹائمس" کے نمائندہ سے انہوں نے مفصل گفتگو کی، اور اس دوران میں الفاظ ذیل ارشاد کیے:

"اس سلطنت (انگریزی) بلکہ کل مغربی تمدن کا مستقبل قریب نہایت نازک

بلکہ خطرناک حالت میں ہے، قوت و اقتدار کا ان عوام کے ہاتھ میں آجانا جو اخلاقی و ذہنی کسی حیثیت سے بھی حکومت کی صلاحیت نہیں رکھتے، قحط، بغاوت و انقلاب کا پیش خیمہ ہے، میں اپنی ساری عمر اس امر کا شدید مخالف رہا ہوں کہ سیاسی قوت کی باگ عورتوں کے ہاتھ میں آئے، بلکہ اس امر کا بھی کہ عورتیں مردوں کے خدمات و فرائض انجام دینے لگیں، اور میں اس وقت اپنی رائے میں ایک ذرہ تغیر کرنے کی وجہ نہیں پاتا، عورتوں کو اب تو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہو گیے ہیں، اس وقت کوئی کوشش ان کی جانب سے اس کی ہو رہی ہے کہ نظام خاندان کو تباہی سے اور دستور نکاح کو انحطاط سے بچایا جائے، ........ عورت کا اصلی فرض صرف یہ ہے کہ مرد کی اخلاقی و روحانی دنیا کو منور رکھے، اور آیندہ نسل کی تعلیم و تربیت، پرورش و پرداخت میں مصروف رہے"۔

یہ خیالات ایک ممتاز عالم و سنجیدہ مصنف کے تھے، جو ¾ صدی سے علمی خدمات میں مصروف ہے، اس کے پہلو بہ پہلو مشہور ہفتہ وار اخبار نیشن کے بھی، جس نے اپنی سنجیدگی و اصابت رائے کی بنا پر اپنے لیے ایک خاص وقعت پیدا کر لی ہے، بعض خیالات سے خبردار رہنا چاہیے، ایک تازہ اشاعت میں لکھتا ہے:

"چھ برس ہو گیے ہیں کہ کسی مسیحی قوم کو ایک بھی مسیحی عمل کی توفیق نہیں ہوئی ہے، نہ بجز وقتی حاجت برآری کے کسی اور مقصد سے کبھی کوئی مسیحی کلمہ زبان تک آیا ہے، سچ یہ ہے کہ ہماری زبانی مسیحیت جس کے بالکل مخالف ہمارا طرز عمل رہتا ہے، بجائے مفید ہونے کے ہمارے لیے مضر پڑ رہی ہے، اس لیے کہ جوں جوں ہم اسے جنگ و جدل کے لیے ایک آڑ بناتے جاتے ہیں، اور مذہب کو اپنی حرص و طمع کے لیے نئی بناتے جاتے ہیں ہماری روحوں پہ

(شذرات
(ل)

مکر و فریب کی تہ گہری ہوتی چلی جاتی ہے، مسیحیت کا مسکن خالص فروتنی کا مسکن ہے، جس میں صرف منکسر و متواضع اشخاص کا گذر ہو سکتا ہے، بخلاف اس کے ہم لوگ اپنی شان و شوکت کی عمارات خود پسندی اور دوسروں کی حق تلفی کی بنیادوں پر کھڑی کرنا چاہتے ہیں، ...... بہتر ہوگا کہ ہم اعلان کر دیں، کہ ہمارے معبود خدا و مسیح نہیں، بلکہ شیطان اور طمع و جبر کے دیوتا ہیں؟

کیا ان خیالات کی نشر و اشاعت دنیا کے کسی فرقہ، کسی طبقہ، کسی جماعت کے ساتھ بے وفائی، غداری و بدخواہی کہی جا سکتی ہے

(معارف ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء)

### (۵)

پونہ کی زنانہ یونیورسٹی کا تخیل امرہٹی قوم کے ایک صاحب عزم فرد (پروفیسر کاروے) کے ذہن میں دسمبر سنہ ۱۵ء میں پیدا ہوتا ہے۔ جون سنہ ۱۶ء میں یہ منصوبہ عملی شکل اختیار کرتا ہے، آغاز سنہ ۲۱ء میں دارالعلوم مذکور کی جو رپورٹ شائع ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کی زندگی نہ صرف دوسری حیثیات سے قابل اطمینان ہے بہ مالی حیثیت سے بھی، ان ساڑھے چار برس کی مدت میں اس کی مستقل [illegible] لاکھ تک پہنچ گئی ہے سنتے ہیں اسی سرزمین ہند پر ایک اور قوم بھی بستی ہے، جس کے ہاں لڑکیوں کے نہیں لڑکوں کے مدرسے قلت سرمایہ کے مرض میں مبتلا ہو کر سسک سسک کر اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں، ندوہ و دیوبند، علی گڑھ و لاہور، اور جدید قومی درسگاہوں کے ارباب حل و عقد نے بھی اس "یک بام و دو ہوا" کے فلسفہ پر غور کیا ہے۔

دارالمصنفین اپنی نوعیت میں شاید ہندوستان بھر میں منفرد ہے، اس کا مقصد اصلی محض علمی خدمت گذاری ہے، بے شبہہ مذہب و ملت، ملک و قوم، اخلاق و معاشرت کی خدمات بھی وہ اپنی بسا

کے موافق انجام دینے کی کوشش کرتا رہتا ہے. لیکن یہ سب کچھ علمی دائرہ کے اندر مقید رہ کر ہی ممکن ہے، ایسے خالص علمی مرکز کا اہم جزو کتب خانہ ہوتا ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب تک ہم جتنا ذخیرۂ کتب فراہم کر سکے ہیں. وہ کسی اعتبار سے بھی دار المصنفین جیسے بڑے علمی ادارہ کے شایان شان نہیں ہے. اس سلسلہ میں صرف اس قدر گذارش کرنا ہے کہ دنیا میں اس وقت جتنی بھی علمی انجمنیں یا ادارے قائم ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اپنے صرف سے اپنا کتب خانہ قائم نہیں کیا ہے، بلکہ مصنفین، ناشرین (پبلشرز)، اہل مطابع اور عام پبلک تحفۃً کتابیں دیتے ہیں، اس طرح کتب خانہ جمع ہوتا ہے، لندن کی رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ (جرنل) میں برابر ان ہدایا اور تحائف کی فہرست شائع ہوتی رہتی ہے، جو ہر سہ ماہی میں اس کے دار الکتب یا کتب خانہ کو وصول ہوتے رہتے ہیں، اس فہرست کے سرسری مطالعہ سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کی اس مشہور و معروف سوسائٹی کے خزانۂ کتب کا جزو اعظم انہی عطیات پر مشتمل ہے، کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اس سے بھی قدیم تر ادارہ ہے، گذشتہ سال اس کے کتب خانہ میں ۲۵۱۴ کتابوں کا اضافہ ہوا، ان میں خرید کردہ کتابوں کی تعداد کل ۱۷۳ ہے، باقی ۲۳۴۱ کتابیں تحائف و ہدایا کی صورت میں موصول ہوئیں،،، دار المصنفین کے قدردان، معاونین، اور ہمارے احباب اگر اپنی تھوڑی بھی ذمہ داری محسوس کریں تو انشاء اللہ کچھ ہی دنوں میں دار المصنفین کے کتبخانہ کی حیثیت بھی ممتاز ہو جائے.

---

مسٹر اے، جے، بالفر اس وقت یورپ کے مشاہیر علماء میں ہیں، مذہب و فلسفہ سے متعلق وہ متعدد مستند تصانیف کے مصنف ہیں. مختلف علمی انجمنوں کے عہدہ دار رہ چکے ہیں، اور آج بھی دو یونیورسٹیوں (ایڈنبرا اور کیمبرج) کے چانسلر ہیں، کچھ روز ہوئے انھوں نے پارلیمنٹ میں "انجمن اقوام" پر تقریر فرمائی تھی، اس تقریر کے ضمن میں افلاس و عسرت، ایثار و نفس کشی کے مشرقی فضائل کی بابت انھوں نے حسب ذیل گہر افشانی فرمائی:

"بے شک تمام مصائب کی تعبیر خوشنما الفاظ میں کی جا سکتی ہے، امراض کو علاج نفس بتایا جا سکتا ہے، افلاس کو مصلح اخلاق سمجھا جا سکتا ہے...... لیکن اگر کوئی صحیح الحواس

شخص ان چیزوں کو ذریعۂ ترقی سمجھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ ہجوم مصائب، تزکیۂ اخلاق کا کام دے سکتا ہے، تو اسے چاہیے کہ بجائے عقلیات قوم میں اضافہ کی سعی کے، اپنے نظریات کو پاگل خانہ کی چار دیواری کے اندر محدود رکھے۔"

یہ اس شخص کے خیالات ہیں، جو اس وقت مسیحی دنیا میں ایک زبردست عالم و رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جنون و دیوانگی کا یہ معیار صحیح تسلیم کر لینے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس معلم اخلاق کی صحت دماغی سے متعلق کیا فتویٰ صادر ہوگا، جس نے آج سے انیس ۱۹ صدیاں پیشتر دنیا کو یہ تعلیم دی تھی، کہ "دولت مند کا آسمان بادشاہت میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے..... اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے، کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (مرقس باب ۱۰) اور جس نے کہا تھا کہ "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، کہ آسمان کی بادشاہت انہی کی ہے، مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کہ وہ تسلی پائیں گے، مبارک ہیں وہ جنہیں راستبازی کے سبب ستایا گیا ہے کہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے۔" (متی باب ۵)

جنون و سلامتی کے فرق و امتیاز سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، البتہ یہ الگ بحث ہے کہ جنون کا انتساب خود مسٹر بالفر اور ان کے ہم خیالوں کی جانب کرنا صحیح ہوگا، یا ان لوگوں کی جانب جنہیں یہ "مسیحی "فلسفی مجنون قرار دے رہا ہے، اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آئی، جس کا اعادہ شاید مدعیانِ عقل و حکمت کے لیے بھی لطف سے خالی نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ کسی قدیم بادشاہ کے عہد میں ایک بڑا پاگل خانہ تھا، اس کی ایک کوٹھری میں جس کے دروازوں پر لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں، ایک دیوانہ محبوس تھا، ایک صاحب اس دار المجانین کی سیر کرنے تشریف لائے، اور انھوں نے اس دیوانہ کی کوٹھری کے سامنے کھڑے ہو کر اسے منہ چڑھانا شروع کیا، دیوانہ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا، مگر ان صاحب نے ادھر تشریف لا کر وہی حرکت جاری رکھی، دیوانہ نے چار مرتبہ اپنا منہ پھیرا، مگر جدھر وہ منہ پھیرتا تھا اس طرف وہ صاحب آ کر منہ چڑھانے لگتے تھے، عاجز آ کر دیوانہ چلایا کہ "خدایا یہ کیا اندھیر ہے، کہ جس شخص کو اس آہنی کٹھرے کے اندر ہونا چاہیے، وہ باہر ہے، اور جسے باہر ہونا چاہیے

تھا، وہ اندر ہے، "وَفِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ"

لندن ۹ر مارچ، آج سفیر امریکہ مسٹر ڈیوس اور ان کی میم صاحبہ نیویارک کے قصد سے روانہ ہوئے، منجملہ ان اشخاص کے جو واٹرلو اسٹیشن تک ان کی مشایعت کی غرض سے آئے تھے لارڈ ریڈنگ بھی تھے، جنہوں نے مسز ڈیوس کے دونوں رخساروں کے بوسے لیے۔

یہ وہ تار برقی ہے جو ریوٹر کی زبان سے ہندوستان میں گھر گھر پہنچ چکی ہے، تار میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وائسرائے بہادر سے مسز ڈیوس کو کیا تعلق ہے، ممکن ہے کہ محض گہری دوستی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی قرابت قریبہ ہو، لیکن فرض کیا، کہ بہت قریب کی قرابت سہی تو بھی کیا یہ خبر اس قابل تھی کہ ہندوستان میں اس کی تشہیر کی جاتی، شخصیتوں کے سوال سے یہاں سروکار نہیں مقصود گذارش صرف اس قدر ہے کہ ایک مرد کا ایک جوان عورت کا منظر عام پر بوسہ لینا تہذیب جدید و تمدن مغرب کے نزدیک خواہ کتنا ہی معزز عمل ہو، لیکن ریوٹر ایجنسی کے کارپردازوں کو اتنا تو بہرحال سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ساری دنیا ابھی تہذیب و شائستگی کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچ چکی ہے، لارڈ ریڈنگ یقیناً نہایت شریف الخصال شخص ہوں گے، مسٹر ڈیوس (سفیر امریکہ) بداہتہً ایک معزز شخص ہیں، ان کی خاتون محترم یقیناً نہایت عفیفہ و پارسا ہوں گی، یہ سب کچھ سہی، لیکن اسے کیا کیجئے، کہ دنیا میں ابھی کروڑوں نفوس ایسے باقی ہیں، اور ان میں سے کئی لاکھ مغربی تعلیم یافتہ بھی ہیں، جن کے فرہنگ الفاظ میں شرافت، غیرت، حمیت، پارسائی، عفت و عصمت کے معانی اس سے بہت کچھ مختلف ہیں، جو یورپ و امریکہ کے اعلیٰ حلقوں میں لیے جاتے ہیں، ریوٹر کو ایسی خبروں کی اشاعت پر داد حاصل کرنے کیلئے اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے، جب ہندوستانی تہذیب و اسلامی تہذیب (خدانخواستہ) بالکل معدوم ہو چکی ہوں، ابھی تو کروڑوں کی تعداد میں ایک ایسی قوم موجود ہے، جو اپنے پیمبر برحق کے اس وصف پر فخر کرتی ہے، کہ وہ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم و حیا والے تھے، (عن ابی سعید الخدری قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اشد حیاءً عن العذراء فی خدرھا) تمدن جدید کی ان کرشمہ سازیوں سے ان کے نزدیک خود بے حیائی کا چہرہ تمتما اٹھتا ہے، اور بے غیرتی

اپنی آنکھیں نیچی کر لیتی ہے

قرآن کریم میں قدیم متمدن پر قوت قوموں کی تباہی و بربادی کے واقعات کثرت سے بیان کیے گئے ہیں، لیکن ہم مشکل ہی سے ان پر یقین کرتے ہیں، بلکہ بعض مدعیان دانش و دانائی تو اعلانیہ ان بیانات کو "اساطیر الاولین" کے مرتبہ پر رکھتے ہیں، لیکن آج ہماری آنکھوں کے سامنے مغرور و سرکش تمدن حاضر کی فوری بربادی و ہلاکت کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، وہ حیرت انگیز و عبرت خیز ہونے میں قصص قرآنی سے ایک ذرہ کم نہیں، ڈسکوری انگلستان کا ایک نہایت بلند پایہ علمی میگزین ہے، جسکی عنان ادارت سائنس کے نامور ماہرین فن کے ہاتھوں میں ہے، اور جس کے ایک رکن سر جے، جے ٹامسن (پریسیڈنٹ رائل سوسائٹی) بھی ہیں، یہ رسالہ اپنے ایک تازہ ایڈیٹوریل میں وائنا (دار الحکومت آسٹریا) کے تمدن مرحوم پر جن الفاظ میں ماتم کرتا ہے، وہ اس قابل ہیں، کہ انہیں حرف بحرف ناظرین معارف تک پہنچا دیا جائے، لکھتا ہے کہ:

"اس سال ہزارہا آنکھیں وائنا کی طرف اٹھ رہی ہیں، یہ وہ شہر ہے جو صدیوں سے مشرق کی جانب ہمارے علوم و فنون کا مرکز تھا، ........ جنگ سے پہلے وائنا کی عظمت و شوکت کا نقشہ کون کھینچ سکتا ہے، مسرت و رونق کی گرم بازاری اس کی ایک ایک گلی میں تھی، ایک ادنی سی بات یہ ہے کہ اس کے ہوٹلوں میں جو قہوہ کی پیالی فروخت ہوتی تھی اس پر بالائی کی تہ اس قدر موٹی ہوتی تھی، کہ شکر کا ڈھیلا جو اس پر رکھ دیا جاتا تھا، تو وہ کہیں پندرہ سکنڈ میں جا کر پیالی میں تہ نشین ہوتا تھا، یہ ہیں ادنیٰ چیزیں تو اس کی یونیورسٹی، اس کی علمی درسگاہیں، اس کے مشاہیر رجال و خواتین، اس کی رونق و آرائش، اس کا حسن و جمال، اس کی شان و شوکت، آہ! کن کن چیزوں کا ذکر کیا جائے۔"

"یہ حالت کل تک تھی، لیکن آج؟ آہ! آج جو حالت ہے، اس کا خود ہمیں یقین نہیں آتا، آج یہی شہر بے کسی و بے بسی، تباہی و بربادی کی زندہ تصویر ہے، سامان عیش و تعیش کو جانے دیجیے، ضروریات زندگی، جلانے کی لکڑی، کھانے اور کپڑے تک کا قحط ہے۔"

اساتذہ وطلبہ، محققین وماہرینِ فن جو کل تک تبحرِ علمی وکمالِ فن کی داد دے رہے تھے، آج ان کے پاس اتنا نہیں رہا ہے، کہ پیٹ بھر کے کھا سکیں، کتابوں کی خریداری اور آلات کی بہم رسانی تو الگ رہی، فاقہ کشی سے جان دیدینے کی نوبت متعدد صورتوں میں پیش آچکی ہے کیا علم کی اشاعت اس قدر عام ہوچکی ہے کہ دنیا اس کے ایک بڑے مرکز کی بربادی بآسانی گوارا کر سکتی ہے؟ یہ دیکھ کر ہمیں مسرت ہوتی ہے کہ بہت سے فیاض طبع اشخاص اس کی اعانت اور عملی ہمدردی پر کمربستہ ہوگئے ہیں، کاش ان کی کوششیں دنیا کو اس حشر سے محفوظ رکھ سکیں جو بظاہر اس کا یقیناً ہونے والا ہے۔"

آسٹریا کا یہ حشر دنیا کی تاریخ میں کوئی نیا واقعہ نہیں، اس سے بیشتر خدا معلوم کتنی قومیں اسی طرح اپنی زشتیٔ اعمال کے پاداش میں تباہ اور فنا ہوچکی ہیں، وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا، آسٹروی تمدن اگر واقعۃً اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ چکا ہے، تو کوئی دنیوی قوت، کسی کی مالی اعانت، کسی کی ہمدردی، کسی کی فیاضی، اس کے وقتِ موعود کو نہیں ٹال سکتی، مصر وبابل، چین وایران، یونان وروما سب تمدن اسی طرح اپنے اپنے وقتِ مقررہ پر فنا ہوچکے ہیں، مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ،

گذشتہ نمبر میں اخبارِ علمیہ کے زیرِ عنوان ہندوستان میں وقوعِ جرائم کے صوبہ وار اعداد درج کیے جاچکے ہیں، جن سے ناظرین کو معلوم ہوگا، جو صوبے تعلیم وتہذیب میں سب سے آگے ہیں یعنی بمبئی، بنگال، مدراس، وہیں سب سے زیادہ تعداد میں جرائم واقع ہوتے ہیں، اور جو صوبے تعلیم وتہذیب میں سب سے پست ہیں، وہاں جرائم نسبتاً بہت ہی قلیل الوقوع ہیں، یعنی آسام، بہار اور صوبہ سرحدی میں، ہندوستانی تعلیم یافتہ جماعت کے بعض انگریزی اخبارات اس "سوءِ اتفاق" پر اظہارِ حیرت کرتے ہیں، لیکن کیا درحقیقت یہ کوئی حیرت انگیز امر ہے، ہندوستان کے صوبہ وار تناسب جرائم وتعلیم کو تھوڑی دیر کیلئے دوسرے اسباب کا معلول فرض کر لیجیے، لیکن اس کے متعلق کیا ارشاد ہے، کہ خود جاہل ہندوستان اور تعلیم یافتہ مغرب کی تعداد جرائم کے درمیان جو تناسب ہے، وہ بھی اس کی تائید میں ہے؟

تازہ ترین اعداد اس وقت پیش نظر نہیں، لیکن آج سے چند سال پیشتر یہاں اور وہاں کے تعداد مجرمین کا جو تناسب تھا اس کا اندازہ اعداد ذیل سے ہوگا۔

| | | |
|---|---|---|
| ہندوستان | ۳۸ مجرمین | فی لاکھ آبادی میں |
| انگلستان | ۹۰ " | " |
| باقی ممالک یورپ | کم از کم ۱۰۰ " | " |
| | زیادہ سے زیادہ ۲۳۰ | |

(ماخوذ از "ڈکشنری آف اسٹیٹکس" مرتبہ مسٹر میکال ملہال اف، آر، اس، اس)

اس سے بھی قطع نظر کیجئے، تو ایک تیسری قوی شہادت رونما ہوتی ہے، اور وہ ایک جدید مستند کتاب امریکن پولیس سسٹم کے اوراق میں منضبط ملے گی، اس کے مصنف امریکہ کے ایک ماہر علم الاعداد مسٹر ریمنڈ فوسڈک ہیں، جنہوں نے امریکہ کے ہر اس شہر کا دورہ کرکے جس کی آبادی ایک لاکھ یا اس سے اوپر ہے، اور وہاں کے اعداد فراہم کرکے یہ کتاب نیویارک کے بیورو آف سوشل ہائجین کے زیر اہتمام شائع کی ہے، اس میں وہ نیویارک، شکاگو، واشنگٹن وغیرہ کے اعداد جرائم دیتے ہیں، جو انگلستان کے اعداد جرائم سے بدرجہا زائد ہے، اور ہندوستان سے کہیں زیادہ انگلستان میں وقوع جرائم ہوتا رہتا ہے، اس لیے ہندوستان و امریکہ کے اعداد جرائم میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، سنہ ۱۹۱۶ء میں لندن میں جس کی آبادی ۷۲ لاکھ ہے، ۹ قتل ہوئے، بخلاف اس کے شکاگو میں جس کی آبادی ۴۳ لاکھ ہے، ۱۰۵ قتل ہوئے، سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک گلاسکو میں ۲۸ قتل ہوئے، اس کے مقابلہ میں فلیڈلفیا میں جس کی آبادی اس کے ساوی ہے، اس مدت میں ۲۸۱ واقعات قتل پیش آئے، سنہ ۱۹۱۹ء میں شہر نیویارک کے اندر صرف موٹروں کی چوری کے واقعات ۵۵۲۶ تک پہنچے، اور یہ جرائم کچھ ایک ہی قسم تک محدود نہیں، بلکہ قتل عمد، سرقہ، سرقہ بالجبر، ڈاکہ، جعل سازی وغیرہ ہر قسم کے جرائم اسی کثرت کے ساتھ اس مرکز تمدن میں واقع ہوتے رہتے ہیں، ایسی حالت میں اگر موجودہ نظام تعلیم اور جرائم پروری کے درمیان علت و معلول کا تلازم نظر آئے، تو اس

لزوم کی ذمہ داری قوانین منطق پر عائد ہوتی ہے،

لیکن اس نظام تعلیم سے اس کے سوا اور نتائج پیدا ہی کیا ہو سکتے ہیں، جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ انسان کو اپنی زندگی گذارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد مل سکے، (اسپنسر) جس کی انتہائی غایت یہ ہو کہ نوع انسانی کے لیے اجتماعی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہو سکیں، (مل) اور جس کی آخری غایت محض اس قدر ہو، کہ انسان کو قوانین مادی کا صحیح ترین علم ہو سکے، (ہکسلے) بد اخلاقی بالواسطہ اس نظام تعلیم میں بھی مذموم سمجھی گئی ہے، مگر صرف اس حیثیت سے کہ بالآخر اس کے نتائج اس کے مرتکب کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوں گے، نہ اس حیثیت سے کہ بد اخلاقی بجائے خود کوئی قابل مواخذہ شے ہے،

البتہ اسی کرۂ ارض کے دوسرے حصوں میں ایک ایسا نظام تعلیم بھی موجود ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ حصول علم کی غایت تمام تر خدا شناسی، تزکیۂ نفس، و توفیق حسن عمل ہے، اور اس کا آخری مقصد نجات اخروی ہے، نہ کہ بیش قرار مشاہروں کا حصول، سعدی تحصیل علم کے لیے جانگداز کوششوں کی ترغیب دیتے ہیں، مگر کیوں، صرف اس لیے کہ بغیر اس کے خداشناسی وفلاح اخروی ممکن نہیں۔

پئے علم چوں شمع باید گداخت  کہ بے علم نتواں خدا را شناخت
برو دامنِ علم گیر استوار  کہ علمت رساند بدار القرار

برہان الاسلام زرنوجی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہ بہت سے اعمال دنیوی حسن نیت کے باعث اخروی بن جاتے ہیں، اور بہت سے اعمال اخروی سوءِ نیت کے باعث دنیوی بن جاتے ہیں، طالب علم کو تاکید کرتے ہیں، کہ اسے طلب علم سے مقصود محض رضائے الٰہی، حیات اخروی، رفع جہالت نفس و تائید ملت اسلام رکھنا چاہیے، اس لیے کہ بغیر علم کے پاکیزہ نفسی و تقویٰ کا قیام رہ نہیں سکتا۔

(تعلیم المتعلم باب ۲)

کاش ہمارے خدایان تعلیم، خواہ عاملین موالات ہوں، یا تارکین موالات، اپنے اسلاف کے ان ارشادات کو کبھی کبھی سن لیا کریں۔

مشرقیات پسند ناظرین معارف یہ دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ہمارے فاضل دوست مولوی عبدالماجد صاحب

کا قلم مغرب کی گردش سے ملول ہو کر مشرق کی سمت لوٹ رہا ہے، ہندو اخلاف اپنے اسلاف کی کہنہ متاع علم کو قدامت کے گرد و غبار سے صاف کر کے اکثر یورپ کی متاع نو کے مقابل میں مساوی قیمت کے مطالبہ کے ساتھ پیش کرتے رہتے ہیں، مثلاً ارتقاء، اور حکمائے اسلام کے مقالہ نگار سے اگر ہم یہی امید علوم اسلامیہ کی خدمت گذاری میں باندھیں تو بیجا نہ ہوگا

البتہ پیش رو قافلہ میں صرف بابو بھگوان داس، بلکہ ڈاکٹر بوس بھی ہیں، جو محض اس پر قانع نہیں ہیں، کہ انیسویں صدی کے معارف و اکتشافات کا ہمارے اسلاف کے ہاں ساتویں صدی میں سراغ ملتا ہے، بلکہ خود انیسویں صدی کے علوم و معارف و تحقیقات پر ازدیاد و اضافہ کی مسلمہ فضیلت بھی ان کو حاصل ہے، لیکن ہمارے حدی خواں ابھی ذکر ماضی کے ذوق سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں، مبادا یہ نشہ تیز ہو کر کہیں اور زیادہ مستقبل سے غفلت کا باعث نہ ہو۔

(معارف ماہ مئی و جون سنہ ۱۹۲۱ء)

(۶)

رائٹ آنریبل مولوی سید امیر علی کی انگریزی کتاب "اسپرٹ آف اسلام" ایک مشہور کتاب ہے، جس کے مطالعہ نے صدہا انگریزوں اور انگریزی خوانوں کے دلوں میں اسلام کی محبت و وقعت پیدا کر دی ہے، یہ کتاب ادھر کئی سال سے نایاب تھی، حال میں اس کے پبلشرز (مسز کرسٹوفر برنرس اسٹریٹ لندن) نے اطلاع دی ہے، کہ اس کا جدید اڈیشن چھپنے کو تیار ہے، مصنف نے اس جدید اڈیشن کے لیے کتاب پر شروع سے آخر تک نظر ثانی کی ہے، اور ایک مقدمہ کا اضافہ بھی کیا ہے، جس میں اسلام پر ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے نظر ڈالی ہے،، اور دو بالکل جدید باب، خلافت راشدہ اور تصوف اسلامی کے عنوان سے اضافہ کیے ہیں، امید ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ احباب اس دوسرے اڈیشن کی کافی قدر کریں گے، اور دلچسپی اور شوق کے ساتھ اسکا مطالعہ کریں گے۔

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے، کہ سنسکرت لٹریری کانفرنس کا سالانہ جلسہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچی، اس سے قبل اس کے چھ سالانہ جلسے ہو چکے ہیں، اس جلسہ کے صدر ہندو کالج دہلی کے

سنسکرت پروفیسر پنڈت ہرنراین شاستری ودیا ساگر تھے، ہندوستان کے ہر گوشہ سے علمائے سنسکرت جمع ہوئے تھے، متعدد عالمانہ مقالات پڑھے گیے، مختلف لسانی و علمی مباحث پر مذاکرہ و مباحثہ رہا، اور آیندہ کے نظام عمل کے لیے یہ تجویز پاس ہوئی، کہ ایک سنسکرت رسالہ جاری کیا جائے، ایک سنسکرت یونیورسٹی قائم کی جائے، اور دہلی میں ایک عظیم الشان کتب خانہ کھولا جائے، کانفرنس کے آیندہ اجلاس کے لیے متعدد مقامات سے دعوت نامے آئے، لیکن بنارس میں آیندہ اجلاس کے لیے پنڈت مدن موہن مالوی جی کے دعوت نامہ کو منظور کیا گیا، اس کا آیندہ اجلاس بنارس میں ہوگا۔

سنسکرت کے متعلق ہمیشہ یہ سنتے آئے تھے، کہ وہ ایک مردہ زبان ہے، ہمارے مغربی اساتذہ اور علما بھی اس کی تائید برابر کر رہے تھے، لیکن آج یہی مردہ زبان اپنی زندگی کا یوں ثبوت دے رہی ہے، اس کے مقابلہ میں ایک ہماری مقدس اور اس سے کہیں زیادہ وسیع عربی زبان ہے، جس میں ہمارا صحیفۂ آسمانی قرآن نازل ہوا ہے، جو ہماری تاریخی و قومی روایات کی حامل ہے، جسے دنیا میں لاکھوں افراد بولتے اور کروروں سمجھتے ہیں، جس میں تصنیف و تالیف کا کثرت کے ساتھ سلسلہ جاری ہے، جس میں ہر ملک سے متعدد اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں، اس کے پرستاروں میں عرب، مصر، شام، عراق، طرابلس اور ہندوستان کے علاوہ اور بھی بہت سے ممالک اور آبادیاں ہیں، لیکن اس زندہ زبان کو زندہ رکھنے میں ہماری کوششوں کا کیا حال ہے، انسان پر کسی کام... کی ذمہ داری صرف اس کی کوششوں کے بقدر عائد ہوتی ہے، سوال صرف اس کی جد و جہد، سعی و کاوش اور محنت و جانفشانی کی بابت کیا جائے گا، خارجی اسباب یا اتفاقی حالات سے کسی چیز کا زندہ اور محفوظ رہ جانا ہرگز اس کو اپنے فرض سے سبکدوش نہیں کر سکتا، شام کے عیسائی اس لیے عربی بولتے ہیں اور اس کی خدمت کرتے ہیں، کہ یہ ان کی ملکی اور مادری زبان ہے، مصر کے قبطی اس لیے عربی زبان میں تالیف و تصنیف کرتے اور کتابیں شائع کرتے ہیں، کہ وہ ان کی ملکی زبان ہے، اور اس کے استعمال کرنے پر مجبور ہیں، لیکن یہ تو ہماری مذہبی، دینی اور آسمانی زبان ہے، اسی میں ہمارا صحیفۂ آسمانی قرآن نازل

ہوا ہے، اس بنا پر اس کے زندہ رکھنے کے فرض سے کیسے سبکدوش ہو سکتے ہیں، ہم کو تو اس کے زندہ رکھنے کا، اور زبانوں کے بولنے والوں سے کہیں زیادہ خیال رکھنا چاہیے، کیا اس فرض کا ہم کو احساس ہے؟

ہندوستان میں چشم بد دور متعدد اسلامی درسگاہیں قدیم وجدید دونوں مدت سے قائم ہیں، لیکن دنیا کو علم نہیں کہ ان اسلامی درسگاہوں نے اس اسلامی زبان عربی کی کس قدر خدمات انجام دی ہیں، ندوہ، دیوبند، فرنگی محل، نظامیہ (دکن) سے زیادہ اسلامی علوم وفنون اور السنہ کی خدمت گذاری کا دعوی کس کو ہو سکتا ہے، لیکن کیا ان درسگاہوں کے ارباب حل وعقد اپنی دیانت اور ضمیر کا احترام ملحوظ رکھ کر بتا سکتے ہیں، کہ انھوں نے اس ام الالسنہ یعنی عربی زبان کی معقول حد تک کیا خدمات انجام دی ہیں، علی گڑھ کالج سالہا سال سے عربی زبان وادب کی تحصیل کا اشتہار دے رہا ہے، لیکن اس نے بھی اب تک کیا خدمت انجام دی، لے دے کے دکن کے ایک دائرۃ المعارف کا نام اس سلسلہ میں لیا جا سکتا ہے، جس نے ایک زمانہ میں متعدد نادر و مفید عربی کتب کی طبع واشاعت کا کام کیا تھا، لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے، عربی زبان کا زندہ کرنیوالا یہ ادارہ ایک مدت سے خود مردہ ہو گیا ہے،

دیکھا کہ وہ ملتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے،

یورپ میں انتقاد اور ریویو نگاری ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، ممتاز اخبارات و رسائل اپنی مجلس ادارت میں مستقل ریویو نگار اور تبصرہ نویس بھی رکھتے ہیں، اور وہ اس کام کا گراں قدر معاوضہ پاتے ہیں، وہاں صدہا اہل قلم بجائے تصنیف و تالیف و مضمون نگاری کے مستقلاً یہی شغل اختیار کیے ہوئے ہیں، کتابوں کی مقبولیت وعدم مقبولیت تمام تر انہی تنقید نگاروں کے حسن قبح پر منحصر ہوتی ہے، اور اکثر مصنفین ومولفین کتب کا مستقبل انہی تنقید نگاروں کے اظہار رائے پر موقوف رہتا ہے، اس بنا پر یورپ میں تنقید نگاروں کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اب تک مصنفین کو ریویو نگاروں کی ناراضگی کا شکار ہو جانا پڑتا تھا، اور اس سے برأت کی کوئی صورت ان سے بن نہیں پڑتی تھی، لیکن حال میں بعض فرنچ مصنفین نے قانون کی مدد سے اپنے بچاؤ کی ایک انوکھی تدبیر نکال لی ہے، فرنچ قانون میں ایک دفعہ ایسی بھی ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ جس مصنف پر جس رسالہ میں کوئی حملہ یا اعتراض شائع ہو، وہ اسی پرچہ میں مساوی جگہ سے کم

اس کا جواب چھپوا سکتا ہے، اور اشتہار کی شرح پر اجرت دے کر اس کی دگنی جگہ اپنے جواب کے لیے لے سکتا ہے،

چند ماہ ہوئے کہ دو فرنچ انشا پردازوں نے ایک لاطینی ڈرامہ کا فرنچ ترجمہ شائع کیا، اس پر پیرس کے ایک نہایت ممتاز علمی رسالہ میں سخت مخالفانہ ریویو نکلا، مترجمین نے ریویو کا جواب لکھ کر بھیجا، مگر اڈیٹر نے اس کے شائع کرنے سے انکار کر دیا، اس پر مترجمین نے فرنچ قانون کی مذکورۂ بالا دفعہ سے فائدہ اٹھا کر اڈیٹر پر دعویٰ دائر کر دیا، وکیل سرکار نے مدعا علیہ کی حمایت کی، اور کہا کہ واضعان قانون کا یہ منشا، ہرگز نہ تھا، کہ اس کا اطلاق ادبی و علمی تنقیدوں پر بھی ہوگا، بلکہ اس کا دائرہ صرف ذاتی حملوں اور شخصی اعتراضات تک محدود تھا، لیکن عدالت نے مدعی کے بیان سے اتفاق کیا، اور مدعا علیہ کے خلاف مع مصارف مقدمہ کی ادائگی کے ڈگری دیدی، کہ جب تک یہ رسالہ جواب شائع نہ کرے گا، اس کی ہر اشاعت پر ایک سو فرانک جرمانہ برابر ہوتا رہے گا، فرنچ و انگریزی اخبار عموماً اس فیصلہ سے سخت ناخوش ہیں۔

متمدن، شائستہ اور مہذب مغرب میں عورت کی عفت و عصمت کا جو معیار قائم ہے، اس کے تفصیلی تذکرہ کے متحمل تو معارف کے صفحات یقیناً نہیں ہو سکتے، البتہ ہمارے مغرب پرست احباب کو یہ سن لینا چاہیے، کہ اب خود اہل مغرب بھی مقدمات طلاق کی کثرت سے تنگ آ گئے ہیں، اس وقت مغربی اخبارات و رسائل میں مشکل ہی سے چند پرچے نکلیں گے جو اس شرمناک داستان سے خالی ہوں، علی العموم صورت یہ ہوتی ہے، کہ پہلے طرفین کی طرف سے انتہائی اظہار محبت و عشق ہوتا ہے، اس کے بعد شادی ہوتی ہے، مگر چند ہی مہینے یا سال کے بعد شوہر کو بیوی کی وفاداری پر اعتماد نہیں رہتا، وہ اپنی آنکھوں سے اس کی بدچلنی اور آوارگی کو دیکھتا ہے، اور عدالت میں اس کا ثبوت پیش کرتا ہے، اور اس سے علیحدگی چاہتا ہے، اکثر مقدمات میں بیویاں خندہ پیشانی سے اقبال جرم کر لیتی ہیں، اور عدالت دونوں میں فراق کرا دیتی ہے،

تازہ اعداد کے بموجب لندن کی عدالتوں میں سال گذشتہ کی فروری تک طلاق کے ۱۵۴۴

مقدمات دائر تھے، سال رواں میں اس مہینہ تک ۲۴۵۹ مقدمات دائر ہو چکے ہیں، جن میں سے ۲۱۰۲ مقدمات میں بیویوں کو اپنی بدچلنی اور آوارگی کا اقبال ہوا ہے، ایک پادری صاحب نے اپنی تقریر میں بیان فرمایا ہے، کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں انگلستان میں طلاقوں کی جو تعداد تھی، سنہ ۱۹۲۱ء میں اس سے پوری چھ گنی تعداد زیادہ ہو گئی ہے، انہی پادری صاحب کی روایت ہے کہ امریکہ اس باب میں انگلستان سے بھی بہت آگے ہے، وہاں ہر سال طلاقوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زائد ہوتی ہے، اس صورت حال سے پریشان ہو کر وہاں کے اخبارات اس کے خلاف مضامین لکھ رہے ہیں، اور اہل سیاست مسودات قانون پیش کر رہے ہیں۔

یہ نمونہ تو شادی شدہ خواتین کی آزادہ روی کا تھا، بن شادی شدہ اور بن بیاہیوں کی حالت اس سے بھی کہیں زیادہ ناگفتہ بہ ہے، ان کنواریوں کے پاس اخفائے جرم کا بہترین ذریعہ اسقاط تھا، لیکن قانون نے وہاں اسے جرم قرار دے رکھا ہے، دور استبداد کی یہ یادگار اس دور حریت میں کیونکر قائم رہ سکتی ہے، چنانچہ چند سال ہوئے سوئیٹزرلینڈ کی مجلس وضع قوانین کے سامنے یہ تحریک پیش ہوئی تھی، کہ اسقاط کو قانوناً جائز کر دیا جائے، لیکن ناکام ہو گئی، اب زیکوسلوویکا کی جدید سلطنت (یہ آسٹریا و روس کی سرحد پر قائم ہوئی ہے) کی پارلیمنٹ میں یہ تحریک بڑے زور شور سے پیش ہوئی ہے، کہ اسقاط کو قانوناً جائز کر دیا جائے، محرکین نے یہ دلیل پیش کی ہے، کہ چونکہ اسقاط کو قانون سے روکا نہیں جا سکتا، اور قانون کے علی الرغم اسکا ارتکاب برابر ہوتا رہتا ہے، اس لیے اس کو جائز کر دینا چاہیے تاکہ مستند اور مشہور ڈاکٹر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں، انگلستان کے بعض اخبارات اس خبر کو بہ صد رشک و حسرت اپنے کالموں میں جگہ دے رہے ہیں، کہ ترقی، شایستگی اور روشن خیالی کے اس جدید مظاہرہ کا شرف ان کے ملک کو کیوں نہ حاصل ہوا۔

یہ ہے ان ترقی یافتہ اور متمدن قوموں کی اخلاقی زندگی کا حال، جو ترکی حرم کا ہمیشہ مضحکہ اڑاتی رہتی ہیں، اور جو اسلام کے تعدد ازدواج پر طعنہ زنی کرتی رہتی ہیں، جن کے اہل قلم حقوق نسواں کی پر زور وکالت کرتے رہتے ہیں، اور جن کے نزدیک ہم مشرقیوں کے نیم متمدن و نیم شایستہ ہونیکی ایک مضبوط دلیل

پر ہے، کہ وہ عورت کے مرتبہ کے لائق ان کی تعظیم و تکریم نہیں کرتے، اہل مغرب اپنے افعال و اعمال کے خود ذمہ دار ہیں، ہم ان پر تاسف تو ضرور کر سکتے ہیں، لیکن ان کے اعمال بد کی پاداش خود انہی کو بھگتنا پڑے گی۔ مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی،

یہ کیسا عبرت کا مقام ہے کہ مغربی حکومت اور اس کی مادی فوقیت سے متاثر و مرعوب ہو کر مشرقی مغرب کے ہر عیب کو ہنر سمجھنے لگتا ہے، اور ان کے قبائح و نصائح کو فضائل و کمالات قرار دینے لگتا ہے، حالانکہ اس دنیوی حکومت اور مادی تفوق کا جو انجام ہونے والا ہے، وہ کسی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں، وجعلنهم ائمة يدعون الى النار ويوم القيمة لا ينصرون واتبعهم فى هذه الدنيا لعنة ويوم القيامة هم من المقبوحين۔ (اس قوم کو ہم نے سردار بنایا تھا، مگر جب تک وہ دنیا میں رہی خلقت کو دوزخ کی طرف بلاتی رہی، قیامت کے دن نہ ان کی مدد کی جائے گی، اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے پھٹکار لگا دی ہے، اور قیامت کے دن تو ان کا برا حال ہونا ہی ہے۔)

یہ دماغی غلامی اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے، کہ ہم ہر مغربی آواز پر اپنے جامۂ ہستی میں قطع و برید کرنے پر آمادہ رہتے ہیں، ہم نے کتابوں میں پڑھا کہ مغربیوں کی ترقی کا راز ان کی ایجاد کردہ ریلوں، تار برقیوں، گھڑیوں، کلوں میں ہے، اور جھٹ ہم نے یہ ثابت کرنا شروع کر دیا، کہ ہم بھی کسی زمانہ میں اختراع آلات میں کسی سے پیچھے نہ تھے، ہم نے دیکھا کہ صاحب اور میم صاحبہ دونوں ایک ساتھ باہر پھرتے رہتے ہیں، معاً ہم نے اپنے ہاں کی کتابوں کو دکھایا کہ پردہ کی رسم ہماری شریعت کے بالکل خلاف ہے، ہم نے سنا کہ یورپ میں ایک وقت میں ایک ہی بیوی رکھنے کا رواج ہے، اور ہم فوراً اس امر کے ثبوت کے درپے ہو گئے، کہ اسلام میں تعدد ازدواج حرام ہے، ہماری ان سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقبیٰ تو برباد ہی ہوئی، دنیا بھی ہاتھ نہ آئی، ہم نے اپنے اس انوکھے معشوق کے قدموں پر اپنی قومیت، اپنی عقل اپنی غیرت، اپنی خودداری، اپنا مذہب، اپنا طریق معاشرت سب کچھ نثار کر دیا، اس پر بھی وہ سیم تن معشوق کسی طرح

راضی نہیں ہوتا، بلکہ کشیدگی اور بڑھتی جاتی ہے، بیگانگی اور مغایرت تو تھی ہی، اس پر بے غیرت اور بے ننگ و ناموس ہونے کے طعنے سننے پڑتے ہیں، مشرقی حسرت سے پکار اٹھتا ہے:

لو وہ بھی کہتے ہیں، کہ تو بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

الحمد للہ کہ توقع کے عین مطابق ہماری قابل فخر عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) نے بار آوری شروع کر دی، میٹریکولیشن کے امتحانات تو کئی سال سے ہو رہے تھے، اس سال انٹرمیڈیٹ کا بھی پہلا امتحان لیا گیا، جس کے نتائج اسی مہینہ کے انگریزی و اردو اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔

جہاں تک اس کے ظاہری پہلو کا تعلق ہے، ہندوستان کی عام یونیورسٹیوں کو دیکھتے ہوئے دو باتوں میں نمایاں ترقی ہے، ایک تو یہ کہ نتیجہ جلد ظاہر ہو گیا، اوائل مئی میں امتحانات ختم ہوئے تھے اور غالباً اوائل جون ہی میں طلبہ کو اپنے مستقبل کے بارہ میں یکسوئی حاصل ہو گئی، دوسرے یہ کہ انٹرمیڈیٹ کے کامیاب طلبہ کا تناسب نہایت ہی حوصلہ افزا ہے، یعنی ۱۱۶ میں صرف ۲۸ ناکام رہے، ان ۲۸ میں بھی ۱۳ وہ ہیں جو پرائیویٹ طور سے شریک امتحانات ہوئے تھے، اور کالج کی تعلیم سے انہوں نے استفادہ نہیں کیا تھا، البتہ میٹریکولیشن کے امتحان میں پرائیویٹ طور سے شریک ہونے والے طلبہ کو نکال کر بھی کامیابی کا تناسب (۳۳ء۵) فی صدی ہے، جس کے اسباب کی تحقیق و اصلاح یقیناً یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کی توجہ کی طالب ہے، ۵۷۶ طلبہ میں (گو ان میں پرائیویٹ شرکا بھی شامل ہیں) ۴۵۹ کا قتل ہو جانا یقیناً قتل عام ہے۔

امتحان میں، نصاب تعلیم میں، طرز تعلیم میں اور نظام تعلیم میں اگرچہ عثمانیہ یونیورسٹی سردست (بعض عارضی مصالح کی بنا پر) دیگر ہندوستانی یونیورسٹیوں ہی کے ناقص نظام کی پیروی کر رہی ہے، لیکن ذریعہ تعلیم ایک اجنبی زبان کے بجائے ایک ملکی زبان کو قرار دینا ہماری ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی تاریخ میں ایک ایسا اہم اصلاحی قدم ہے، جس کی بنا پر تمام ملک کی نگاہیں اس کی جانب لگی ہوئی ہیں، اس

یونیورسٹی کی تمام تر بنیاد اسی پر ہے، اس لیے نتائج امتحان کے ساتھ ان نتائج کی بھی جو ایک مادری زبان میں تعلیم دینے سے تجربہ میں آئے ہوں گے، ایک مختصر رپورٹ بھی شامل ہوتی، تو مناسب تھا۔

ایک بڑی کمی ہندوستانی یونیورسٹیوں میں یہ ہے کہ ان میں خود مشرقی اور ہندوستانی علوم والسنہ کے ساتھ غایت بے التفاتی برتی جاتی ہے، عثمانیہ یونیورسٹی کے نتائج امتحان کے ساتھ اختیاری مضامین کی جو فہرست ہم کو موصول ہوئی ہے، وہ اگرچہ اس نقطۂ نظر سے نہایت ہی مایوس کن ہے، پھر بھی تاریخ اسلام کے اختیاری مضمون کے ساتھ دکنی زبانوں (تلنگی، مرہٹی، کنڑی) کے نام اس میں نظر آتے ہیں، جو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں کی فہرست مضامین میں الا ماشاء اللہ نہ ملیں گے۔

تاریخ اسلام لینے والے طلبہ کی تعداد بھی خاصی ہے، یعنی ۲۱، البتہ عربی و سنسکرت لینے والوں کا اوسط وہی ہے جو کم و بیش دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رہتا ہے، یعنی علی الترتیب ۸ اور ۴۔

یادش بخیر! عثمانیہ یونیورسٹی نے ایک مستقل شعبۂ مشرقی کے قیام کا اعلان کیا تھا، جس کے معلّمین کے نام بھی شاید سرکاری گزٹ میں شائع ہو گئے تھے، لیکن پھر پتہ نہ چلا کہ یہ شعبہ کہاں تک اپنے وجود کو ثابت کر رہا ہے۔

(معارف ماہ جولائی ۱۹۲۱ء)

(۷)

ہمارا ملکی شاعر ٹیگور مغرب کی طویل سیاحت کے بعد ماہ گذشتہ میں وطن واپس آگیا، سرزمین یورپ میں فرانس، انگلستان، اٹلی، اسٹریا، جرمنی، ہالینڈ، سویڈن، جہاں جہاں اس نے قدم رکھا تعظیم واحترام نے اس کی پیشوائی کی، اور عقیدتمندی اس کے لیے فرش راہ رہی، شعراء و حکماء نے اس سے نیازمندانہ ملاقاتیں کیں، یونیورسٹیوں نے اس کے مقالات اور خطبات سنے، اور اخبارات نے اس کے پیامات شائع کیے، برلن یونیورسٹی میں لکچر کے وقت معینہ پر انسانی آبادی کا ایک سیلاب آگیا، احاطہ کے اندر جو ہجوم تھا، اس کا علم تو خدا ہی کو ہو سکتا ہے، جو لوگ احاطہ کے باہر کھڑے رہ گئے تھے ان کا تخمینہ پندرہ ہزار تھا، اس کی تصانیف

کو جو حسن قبول حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ "ہوم اینڈ دی ورلڈ" کے جرمن ترجمہ کے ڈیڑھ لاکھ نسخے چھ مہینے کے اندر فروخت ہو گئے، اور "سادھن" کا جرمن ایڈیشن تین ہفتہ کی مدت میں پچاس ہزار کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔

ٹیگور کی عزت درحقیقت مادر وطن کی عزت ہے، اس کا اعزاز ملک کے لیے موجب افتخار ہے، اور اس کی مسرت عین ہم سب کی مسرت ہے، سچ یہ ہے کہ ہر ملک و قوم کی وقعت و عظمت کے حقیقی حامل اہل سیف اور اہل سیاست نہیں، بلکہ اہل قلم اور ارباب علم ہوتے ہیں، جرمنی سے اگر کینٹ اور گیٹے کو حذف کر دیا جائے، تو باقی کیا رہ جائے گا، انگلستان میں اگر شیکسپیر و بیکن نہ پیدا ہوئے ہوتے، تو کون اس کی بات پوچھتا، فرانس کی عظمت کے محافظ ڈیکارٹ و برگساں ہیں، یونان کی زندگی ہومر و فلاطون کے دم سے وابستہ ہے، ایران کو سعدی و حافظ کی مسیحانفسی موت سے بچائے ہوئے ہے، ہندوستان کا بھرم کالیداس و والمیک قائم رکھے ہوئے ہیں، آج بھی ٹیگور کی ہستی غیروں کے سامنے ہندوستان کی لاج رکھے ہوئے ہے، اور اس کا سر فخر سے اونچا ہے، ہندوستان میں نہ نپولین ہے، نہ بسمارک ہے، نہ ولسن ہے، نہ لائڈ لارج، لیکن جس وقت تک اس سرزمین پر ٹیگور، اکبر اور اقبال کا دم قائم ہے، کون اس کے فخر کی گردن کو جھکا سکتا ہے۔

ہندوستان کے ایک ممتاز سیاسی لیڈر آج سے ڈھائی سال قبل ایک سیاسی وفد لیکر یورپ گئے تھے، ان کا بیان ہے کہ جس وقت وہ فرانس میں سفر کر رہے تھے، ان کے درجہ میں تین شخص اور آکر بیٹھے، یہ لوگ سوئڈن کے باشندہ تھے، ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا یہ ہم سفر ایک ہندوستانی ہے، تو معاً اس کی جانب کمال التفات توجہ، خلق و تواضع کے ساتھ پیش آئے کہ وہ ٹیگور کا ہم وطن ہے، آگے چل کر دوران گفتگو میں ان ہی سے جب ان کو معلوم ہوا کہ ہندوستان میں خواندہ آبادی کا تناسب چھ فیصدی سے بھی کم ہے، تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، پھر بھی ان کو یقین نہیں آیا، اور بار بار یہ فقرہ دہراتے رہے، کہ جو ملک ٹیگور پیدا کر سکے، وہاں کی خواندہ آبادی کا یہ تناسب نہیں ہو سکتا، نہ وہاں کے لوگ اس قدر جاہل اور ناخواندہ ہو سکتے ہیں۔

یہ اعترافات سب صحیح، لیکن سوال یہ ہے کہ مغرب نے ٹیگور کے پیام کو کس دل سے سنا، ہمارے مشرقی شاعر کا اصلی پیام عالمگیر امن و آشتی، اتحاد و اخوت کا پیام ہے، وہ یورپ میں جہاں بھی گئے، اسی کی منادی کرتے رہے، انھوں نے

مختلف عنوانات پر صدہا لکچر دیئے، اور مضامین لکھے، لیکن یہی ایک راگ تھا، جو مختلف سازوں سے ادا ہوتا رہا، مگر اس کا کیا جواب ہے کہ اس وقت یورپ کی مسلح افواج کا شمار جو اپنے ہی جنس کے لوگوں کی جان لینے پر ہر وقت کمربستہ ہیں، ۳۰ لاکھ سے کم نہیں، جن کی سب سے بڑی تعداد برطانیہ، فرانس، اور ان کے حلیفوں کے جھنڈوں کے نیچے ہے، اور وہ ۲۳ لاکھ ہے، کیا خونخواری و خون آشامی کا یہ عفریت "ساحر بنگال" کے کسی افسون یا نقش سے زیر ہو سکتا ہے، بلبل کی خوش نوائی مسلّم ہے، لیکن توپوں کی گھن گرج کے سامنے بھلا آج تک اس کی زمزمہ سنجیوں پر توجہ کی گئی ہے،

آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایک ایسی ہستی نے جو شاعر ٹیگور سے بدرجہا زائد عالی مرتبہ اور برگزیدہ تھی، اور جس کی جلو میں نصرت الٰہی اور مدد خداوندی رہتی تھی، اپنے ہم وطنوں کو راہ ہدایت دکھانا چاہا تھا، اس کی آواز سب کے کانوں میں پڑی، بہت سی گردنیں اس کے سامنے خم ہو گئیں، پھر بھی ایک بڑی تعداد سنگدلوں کی ایسی رہ گئی جس نے سب کچھ سننے کے بعد منہ موڑ لیا، اور صاف صاف کہدیا، کہ تم ہم پر کسی طرح کا اثر نہیں ڈال سکتے، تم جو باتیں کہتے ہو، وہ ہمارے دل میں کچھ اترتی نہیں، اور ہمارے کانوں میں ان کی طرف سے ایک طرح کی گرانی ہے، اور ہمارے تمہارے درمیان گویا ایک پردہ حائل ہے، پس تم اپنی طرح عمل کیے جاؤ، اور ہم اپنی جگہ پر عمل کر رہے ہیں، فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا اَکِنَّۃٌ مِمَّا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۔

ان سنگدلوں کے مقابلہ میں غریب ٹیگور کی کیا بساط ہے، جو اس کی کوششوں کے بار آور ہونے کی کچھ بھی توقع کی جا سکے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک مفلس و نادار ملک ہے، اور یہاں کے باشندے تقریباً فاقہ کشی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن یہ مفلس و نادار ملک دنیا کے سامنے اس دعویٰ کا کیا ثبوت پیش کر رہا ہے، سال گذشتہ کی ایک ششماہی میں یعنی اپریل سے ستمبر ۱۹۳۰ء تک ہندوستان میں ۷۴۹۰ موٹروں کی خرید ہوئی ہے، جن کی مجموعی قیمت (۳۰۸۰۰۰۰۰) (تین کروڑ آٹھ لاکھ) ہوئی، درانحالیکہ سنہ ۱۹ کی اسی ششماہی میں کل ۲۵۵۳ موٹریں خریدی گئی تھیں، جنکی قیمتوں کی میزان ۷۴ لاکھ تھی، یہ تعداد برٹش ہندوستان

سے متعلق ہے، ریاستوں میں جتنی موٹریں خریدی گئیں، اس کا ان اعداد سے کوئی تعلق نہیں، ہندوستان کے ہر ہر صوبہ نے اس کار خیر میں جس حد تک شرکت فرمائی، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

| | |
|---|---|
| صوبہ بمبئی | ۲۷۷۵ |
| صوبہ بنگال | ۲۶۹۴ |
| صوبہ مدراس | ۹۰۸ |
| صوبہ سندھ | ۵۹۰ |
| صوبہ برہما | ۵۳۱ |

یہ مصنوعات ہندوستان میں آئیں، کن کن ممالک سے، اس کا جواب اعداد کی زبان سے سن لینا چاہیے۔

| | |
|---|---|
| امریکہ سے | ۵۶۵۴ |
| برطانیہ سے | ۱۰۰۲ |
| کنڈا سے | ۵۴۲ |
| فرانس سے | ۴۹ |
| اٹلی سے | ۴۳ |

یہ حساب تو پوری ششماہی کا تھا، مگر رفتار اسراف روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی گئی، چنانچہ اس سال کے آخری مہینہ یعنی ستمبر ۲۰ء میں ۱۰۴۱ موٹریں ہندوستان میں خریدی گئیں، جن میں ۷۲۳ امریکہ سے آئیں، اور ۲۴۷ برطانیہ سے۔

مگر یہی شاہ خرچیاں کسی ملک کی عسرت، ناداری اور افلاس کی دلیل بھی ہو سکتی ہیں، ایک مہاتما کے اثر سے ایک کرور چندہ جمع ہو جانے کو جو حضرات ملک کی عالی ہمتی، ایثار، فیاضی اور خلوص نیت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، ان سے بادب التماس ہے، کہ ایک ششماہی میں عیاشی کی صرف ایک مد میں تین کرور اٹھ لاکھ کی خطیر رقم لٹا دینا کس امر کی دلیل ہو سکتی ہے فطرت کا یہ ایک اٹل قانون ہے کہ جہاں اس کے دربار سے

خفیف سے خفیف محاسن پر انعام ملتا ہے، وہاں اس کی گرفت سے کوئی جزئی سے جزئی معصیت بھی بچ نہیں سکتی، جو لوگ اپنے حسنِ عمل پر صلہ و ثواب کے متوقع ہیں، انہیں اپنے سوءِ عمل کے ایک ایک جزئیہ کے احتساب و پاداش کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے، اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ

ہمارے اخبارات اور انجمنیں مصروف شیوہ شیون ہیں، کہ ہمارے ملک ہمارے ہاتھ سے نکل کر اغیار کے قبضہ میں جا رہے ہیں، لیکن اس سے زیادہ ماتم خیز یہ واقعہ ہے کہ ہمارا خلوص و ایثار، صبر و استقلال، ہمارا تقویٰ و ضبطِ نفس ہم سے رخصت ہو رہا ہے، اور اس کے بجائے حبِّ زر، حبِّ جاہ اور حبِّ دنیا کا غلبہ ہم پر ہوتا جاتا ہے، درانحالیکہ حیاتِ دنیوی کو قرآن میں ہر جگہ "متاع الغرور اور لہو و لعب" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیثِ نبوی میں حبِّ دنیا کو تصریح کے ساتھ تمام گناہوں کا سبب قرار دیا گیا ہے، (حب الدنیا راس کل خطیئة) بلکہ ایک حدیث میں تو حضور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہاں تک مروی ہے، کہ فرمایا! قسم خدا کی، میں اس سے ذرہ بھی اندیشہ نہیں کرتا کہ تم لوگ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گے، البتہ میں اس سے اندیشہ کرتا ہوں کہ جس طرح تم سے پیشتر والوں پر دنیا فراخ کر دی گئی تھی، کہیں تم پر بھی فراخ نہ کر دی جائے، اور ان کی طرح تم بھی اس کی جانب رغبت کرنے لگو، اور پھر دنیا تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے۔

(عن عمرو بن عوف قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتھلکم کما اھلکتھم)

وہ قومیں جو علانیہ ہماری قوم اور مذہب سے دشمنی کا برتاؤ کر رہی ہیں، ان ہی سے اپنی تن آسانی، آرام طلبی، عیش پسندی، خود نمائی، اور اظہارِ جاہ کے لیے موٹریں خریدنا کہاں تک روا ہے، بعض حقیقت سنجانِ اسلام نے تو بلا استثناء ہر قسم کی دنیوی اشیاء کو خریدنا یا حاصل کرنا شیطانی مملکت میں حصہ لگانے کے مرادف قرار دیا ہے، ٹوٹی پھوٹی اینٹ سے زیادہ بے بساط چیز اور کیا ہو سکتی ہے، لیکن حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ کو سر کے نیچے تکیہ بنا کر سو گئے، شیطان آیا، اور اپنی اس کامیابی پر نہایت مسرور ہوا کہ پیمبر خدا اس کی ملک

میں ساجھا کیے ہوئے ہیں،

عیسیٰ مریم بخواب افتادہ بود     نیم خشتے زیر سر بنہادہ بود
چوں کشاد از خواب خوش عیسیٰ نظر     دید ابلیس لعین را سر زبر
گفت اے ملعون چرا استادۂ     گفت خشتم زیر سر بنہادۂ
جملۂ دنیا چو اقطاع من است     ہست ایں خشت آں من ایں روشن است
تو تصرف می کنی در ملک من     خویشتن آوردۂ در سلک من
عیسیٰ آں زیر سر برتاب کرد     روئے را بر خاک عزم خواب کرد
چوں فگند آں نیم خشت ابلیس گفت     من کنوں رفتم زیشت خوش بخفت

ہمارے ایک نامور مسلمان بزرگ کے صاحبزادے جو کم عمری میں ولایت بھیج دیئے گیے تھے، جب وہاں سے تعلیم پاکر لوٹے تو ان کو اپنی مادری زبان اردو بالکل ایک نووارد انگریز کی طرح از سر نو سیکھنا پڑی، یہ کوئی نادر مثال نہیں ہے، یہاں کے جو طلبہ بھی ایک خاص مدت تک آکسفورڈ یا کیمبرج کی آب وہوا میں رہتے ہیں، اردو کو طاق نسیاں کے حوالہ کردیتے ہیں، ہندوستان کے اسکولوں اور کالجوں ہی میں اپنی زبان کی طرف ان طلبہ کو کہاں اعتنا ہوتا ہے، ولایت جاکر تو یہ کڑوا کریلا اور زیادہ نیم چڑھا ہوجاتا ہے، اس زبان سے وہ اور زیادہ بیگانہ ہوجاتے ہیں، برسوں کے بعد جب اپنی تعلیم مکمل کرکے واپس آتے ہیں، تو ان میں سے کسی کو بمشکل ہی سے معمولی نوشت و خواند سے زائد اپنی زبان پر قدرت ہوتی ہے۔ بہتیرے بیرسٹروں کو دیکھا گیا ہے کہ جس زبان کو انھوں نے شیر مادر کیطرح استعمال کیا تھا، اس کے بولنے اور استعمال کرنے میں لکنت اور معمولی خط وکتابت میں املا تک کی غلطیاں کرتے ہیں، اور کسی مسئلہ پر جب وہ تقریر کرتے ہیں، یا لکھتے ہیں، تو ان کی تقریر اور تحریر دونوں زعفران زار بن جاتی ہے۔

جس طبقہ کی قومی حمیت اس حد تک فنا ہوچکی ہے کہ اپنا مذہب، اپنی روایات، اپنا تمدن، اپنی تہذیب اور اپنی وضع قطع ہر چیز کھوکر غیر بن جانے ہی کو سرمایۂ فخر ومباہات جانتا ہو، اس کا

تو ذہن بھی اپنی زبان سے جہل کے ان غیرت سوز واقعات کی طرف نہ جاتا ہوگا، نہ ہمارا اس وقت روئے سخن اس کی طرف ہے، البتہ جو لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ جدید تعلیم کے ساتھ اپنی قومی عناصر کے بقا و تحفظ کو لازمی سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ خبر یقیناً مژدہ ہوگی، کہ ان کے بعض غیور فرزندوں نے سات ہزار میل کے فاصلہ پر انگریزی زبان کی سب سے بڑی درسگاہ (کیمبرج) کے احاطہ میں بیٹھ کر اپنی زبان کو یکسر فراموش کرنا گوارا نہیں کیا، اور نوائے کیمبرج کے نام سے ایک راگ چھیڑ کر اسکی یاد تازہ رکھنے کا سامان کیا ہے۔

زبانوں کی زندگی کی سب سے بڑی ضامن اور محافظ شاعری ہے، انگلستان کی دور دراز سرزمین میں بھی اول اول شاعری ہی کے جذبہ نے اردو بولنے والوں کو اردو کی یاد دلائی، اور کیمبرج اور آکسفورڈ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً مشاعرے منعقد ہوتے رہے، بالآخر اسی سے کیمبرج کے چند فرزندان ہند کو احساس ہوا، کہ ہماری مادری زبان کا حق صرف مشاعرے کی تفریحی صحبتوں سے ادا نہیں ہو سکتا، اس احساس نے ایک مستقل "انجمن اردو کیمبرج" کی بنیاد ڈالی، نوائے کیمبرج اسی انجمن کا آرگن اور ہندوستان کے ہندو مسلمان طلبہ کی متحدہ مساعی کا ایک ثمرہ ہے۔

چونکہ یونیورسٹی کا سال تین ٹرم میں تقسیم ہے، اس لیے یہ رسالہ بھی سال میں تین مرتبہ نکلنا طے پایا ہے، پہلا نمبر پچھلے مہینہ شائع ہوا ہے، گو ضخامت اور طباعت کی بعض کمیاں اور خامیاں اصلاح طلب ہیں، جن کا ماشاء اللہ خود اڈیٹر کو بھی احساس ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے اس کا ظاہر و باطن دونوں مستحق حوصلہ افزائی ہیں، رسالہ نثر و نظم، سنجیدگی و ظرافت کا ایک مائدہ ادب ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو کیمبرج یا آکسفورڈ میں اپنی طالب علمی کے لیل و نہار بسر کر چکے ہیں، نوائے کیمبرج کو ہر طرح ترقی دینے کا سب سے زیادہ فرض انہی پر عائد ہوتا ہے، اس نمبر میں سب سے دلچسپ مضمون نواب نصیر حسین صاحب خیال کا "کیمبرج میں دو شب" ہے، ایک مختصر مضمون بعنوان "قومیت و مذہب" بشیر حسین صاحب زیدی (کیمبرج) کا ہے، یہ تعلیم جدید کے سرمست طالبان آزادی کے لیے انہی کی برادری کے ایک فرد کی جانب سے مناسب وقت پر تازیانہ تنبیہ ہے، ایک مضمون خود اسی رسالہ کے متعلق مولوی عبدالماجد صاحب کا ہے، جس میں اس کی ضرورت پر گفتگو کے علاوہ اس کی رہنمائی کے لیے بہت سے مناسب مشورے بھی

دیئے گیے ہیں،

جس اتحاد و یکجہتی اور یگانگت کے ساتھ ہمارے ہندو مسلمان طلبہ نے سات سمندر پار بیٹھ کر ایک اہم ترین خدمت کو اپنے ذمہ لیا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ یگانگت و اتحاد کے ساتھ امید ہے کہ اس خدمت کا خیر مقدم ہمارے ارباب دولت اور اصحاب قلم کریں گے،

مضامین و اشتہارات وغیرہ کے طبع و اشاعت کے لیے مراسلت آنریری سکریٹری اردو ایسوسی ایشن نمبر ۲۴ پوسٹ آفس نزبس کیمبرج انگلینڈ ہے،

(معارف ماہ اگست سنہ ۱۹۲۱ء)

(۸)

# آہ! اکبرؔ

۶ر محرم سنہ ۱۹۴۰ء کو ہماری زبان کا زندہ دل شاعر، اس دنیا سے چل بسا، اس گلستان کی ۷۶ بہاریں اس نے دیکھیں، وہ اس وقت عالم وجود میں آیا تھا، جب ہندوستان انقلاب کی کروٹیں لے رہا تھا، اس لیے لامحالہ اس کی زبان سے وہی نالے بلند ہوئے جو قوموں کے انقلاب اور ملکوں کے تغیرات کی خبر دیتے ہیں، اس کے ضخیم دیوان کے اوراق ہمارے سیاسی، اخلاقی، معاشرتی، تخیلی اور انقلابات کی تاریخ ہے، آیندہ نسلیں اس کے صفحات کو پڑھیں گی، اور انیسویں بیسویں صدی کے اسلامی ہندوستان کی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گی۔ اس کی زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا اہم واقعہ گزرا ہو جس کو اپنے کاشانۂ خیال میں اس نے جگہ نہ دی ہو، زبان خلق نے اسکو لسان العصر کا خطاب دیا، اور اس سے بہتر لقب اس کے لیے دوسرا نہیں ہو سکتا تھا، اس کی ذات میں تین صفتیں ایک ساتھ جمع تھیں، وہ فطری فلسفی، پاک مشرب صوفی اور زندہ دل شاعر تھا۔ اس کا نمک ظرافت ہمارے عیوب کے زخموں پر جس قدر بھی تیز چرکا لگاتا ہو، لیکن وہ درحقیقت نمک نہیں مرہم تھا، سر سید کے زمانہ سے لیکر ابتک تمام

ہندوستان تمدن جدید کے حسن ظاہر پر والہ و شیدا تھا، لیکن صرف ایک اکبر کی زبان تھی جو برملا اس کے عیوب و نقائص کو واشگاف کرتی رہتی تھی۔

وہ مکروہات عالم سے آزردہ اور حیات دنیا سے بیزار تھا، اشعار کے علاوہ اس کا شاید ہی کوئی خط اس بیان سے خالی ہو، بوڑھے اکبر! بشارت ہو کہ تیری مراد دل پوری ہوئی اور تجھے مسرت جاوید نصیب ہوئی۔

مسیحی دنیا میں سینٹ فرانسس ایک نامور مقدس بزرگ گذرے ہیں، جن کی نیک نفسی و پاکیزہ خصالی کے واقعات آج تک ضرب المثل ہیں، حال میں ان کی ساتویں صد سالہ برسی منائی گئی تھی، اس موقع پر پاپائے روم نے ایک فرمان تمام منصب داران کلیسا کے نام جاری کیا، جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر شخص کو سینٹ موصوف کی زندگی نمونہ کے طور پر اپنے سامنے رکھنا چاہیے، اور اخوت و ایثار، پاکبازی، تقویٰ، فقر و انکسار کے جادہ سے ایک قدم بھی باہر نہ رکھنا چاہیے، بقول پاپائے موصوف کے اس وقت مغربی تمدن میں دو ایسی زہریلی عادتیں راسخ ہو گئی ہیں، جو تیزی سے اسے موت و ہلاکت کی جانب لیے جا رہی ہیں، ان میں سے ایک حرص مال و زر ہے، جس کا جلوہ روزانہ بغاوتوں، بلووں اور جنگوں میں نظر آتا ہے، اور دوسری خواہش عیش اور حظ نفس ہے، جس کی شہادت خواتین کی نیم عریاں پوشاک اور طلاق کی کثرت دے رہی ہے،" اس ارشاد عالی کی صحت و صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، لیکن عرض یہ ہے کہ خود پاپائیت کی تاریخ جن اسرار درون پردہ کی غمازی کر رہی ہے، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے،، مریض یورپ بلاشبہ زر پرستی و زن پرستی کی مہلک بیماری میں گرفتار ہے، اگر نائبان مسیحؑ کے دوا پلانے والے ہاتھ خود اسی زہر کے جراثیم سے آلودہ ہوں، تو ان کی دوا کا کیا اثر ہوگا، اگر آپ چاہتے ہیں، کہ آپ کے سامنے کے کھانے پر مکھی نہ بیٹھے، اور آپ اپنے ہاتھ کو مکھی کو دفع کرنے کے لیے جلد جلد حرکت دے رہے ہیں، تو پہلے اپنی آستین کو تو دھو ڈالیے جو شہد اور شیرہ میں لت پت ہو رہی ہے۔

لکھنؤ کے ایک بڑے پادری نے حال میں ایک وعظ کے ضمن میں مسئلہ خلافت اور ملک کے اندرونی حالات سے جو بے چینی اور برہمی پیدا ہو گئی ہے، اس کا تذکرہ فرمایا، اور آخر میں کہا کہ:

"یہ شورش کسی حکمت عملی یا فریب کاری سے ختم ہونے کی نہیں، اس کا خاتمہ محض تائید الٰہی ہی کر سکتی ہے، ہماری سرکار کو (اور یہ یاد رہے کہ اس کا مذہب یہی ہے احکام الٰہی کی اطاعت اور پابندی کرنا چاہیے، اس وقت جو افراد بر سر حکومت ہیں، خواہ وہ یہودی ہوں یا مجوسی، سب کو چاہیے کہ خدا کو ہر وقت حاضر و ناظر جان کر اپنے فرائض ایمانداری سے بجا لائیں، بغیر اس کے ہمیشہ دھوکا کھائیں گے۔"

شاعری کی دنیا میں یہ واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، کہ محبوب اپنی جفاکاریوں سے اس وقت باز آتا ہے، جب عاشق اپنی جان سے گذر جاتا ہے، اور محض اس کا تن بیجان یہ صدا دینے کے لیے باقی رہ جاتا ہے۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سنتے ہیں، کہ سیاسیات کی دنیا میں بھی کچھ اسی قسم کے قوانین کارفرما رہتے ہیں، اس لیے امید نہیں کہ پادری صاحب کی استدعا کو اس وقت شرف قبول حاصل ہو۔

ظالم دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے مگر کب؟ جب اس کا دست ظلم شل ہو جاتا ہے، مغرور سجدہ میں گرتا ہے، مگر کس وقت جب اس کا سر پر غرور پامال ہو جاتا ہے، گنہگار اور عاصی اپنے لبوں کو توبہ و استغفار کے لیے کھولتا ہے، مگر کب؟ جب اس کی زبان کلمات کفر نکالتے نکالتے تھک جاتی ہے، نشۂ قوت و حکومت سے متوالی اور سرمست قوموں کا بھی ایک روز نشۂ طاقت و حکمرانی اتر کر رہے گا، مگر یہ اس وقت ہوگا جب ان کے جور و جفا، فسق و فجور، عصیان و گنہگاری کی شب سیہ گذر چکی ہوگی، اور انتقام و عتاب کی صبح طلوع ہونے پر ہوگی، یہ وہ گھڑی ہوگی، جب حسرت و ندامت، توبہ و استغفار، اعتراف و اقبال، معذرت و انفعال بے کار ہو جائیں گے، اور معدلت کاملہ بڑے سے بڑے طاقت ور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچا کر رہے گی، عادل حقیقی کا فرمان آج سے نہیں، صدیوں سے سرگشتۂ غفلت دنیا کے سامنے منادی کر رہا ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ
ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ
اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ
مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا
وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ
فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْئَلُوْنَ ۝ قَالُوْا
يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝
فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ
حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا
خٰمِدِيْنَ ۝

(انبیآء: ۲)

ہم نے کتنی ہی آبادیوں کو جہاں کے لوگ
ظالم تھے، تہس نہس کر ڈالا اور ان کی
جگہ پر دوسری قومیں اٹھا کر کھڑی کیں،
بس ان ہلاک ہونے والوں نے جب
ہمارے عذاب کی آمد دیکھی تو اس بستی
سے بھاگنے لگے، مگر ہم نے کہا کہ بھاگو مت
بلکہ اپنے اس ساز و سامان کی طرف جس
میں ابتک چین کرتے رہے ہو، نیز اپنے
مکانات کی طرف واپس جاؤ، شاید تمہاری
پرسش ہو، اس پر وہ لگے چلانے کہ ہائے
ہماری بدبختی بے شک ہم ہی قصوروار
تھے، اور اپنے اس اعتراف جرم کو وہ
برابر پکارتے رہے، لیکن ہم نے انہیں
ایسا ملیامیٹ کر دیا، کہ گویا وہ کٹے
ہوئے کھیت تھے

---

تمدن جدید کے فضائل و مناقب کی داستان سرائی جب کبھی اس کے پرستاروں نے کی ہے، تو سر فہرست "فضیلت" حفاظت نفس کو قرار دیا ہے، وحشی و غیر متمدن قبائل کی زندگی کہا جاتا ہے کہ ہر وقت خطرات و حوادث اتفاقی کی نذر رہتی ہے، درانحالیکہ متمدن و مہذب جماعت میں ہر فرد کو حفظ جان و سلامتی جسم کا یقین و اطمینان رہتا ہے، اور آفات ارضی و سماوی شاذ کالمعدوم کے حکم میں رہ جاتے ہیں، اس دعوے کی تغلیط کے لیے اگرچہ تمدن کی حربی تعلیم بالکل کافی ہے، تاہم کہا جا سکتا ہے، کہ جنگ تمدن کی ایک غیر طبعی صورت کا نام ہے، اپنی عام اور طبعی حالت میں تمدن اور سلامتی جسم و حفظ جان مترادف ہیں، اس دعوے کا اعادہ اس کثرت

وثوق سے کیا گیا ہے، کہ اس میں شبہہ کرنا بڑی جسارت کا کام ہو گیا ہے، لیکن اگر یہ سچ ہے کہ واقعات اپنے اندر خطابت سے زیادہ قوت رکھتے ہیں، تو اعداد ذیل اپنی توضیح خود کرالیں گے۔

فرانس کا دار السلطنت پیرس گلدستۂ تمدن کا سب سے زیادہ خوش رنگ و شاداب پھول ہے، اس مرکز تہذیب و شایستگی میں گذشتہ سال کے اندر شارع عام پر جو اتفاقی حادثے پیش آئے، اور ان سے جو نقصان نفوس ہوا، اس کی تفصیل سرکاری بیان کے مطابق یہ ہے،

| | | |
|---|---|---|
| موٹر کاروں سے | ۷۳ اشخاص فی الفور ہلاک اور | ۹۰۰ مضروب ہوئے |
| گھوڑے گاڑیوں سے | ۲۰ ″ | ۲۲۰۰ ″ |
| ٹرام کاروں سے | ۱۴ ″ | ۱۷۲۴ ″ |
| موٹر آمینبون سے | ۱۰ ″ | ۵۵۳ ″ |
| بایسکلوں سے | ۲ | ۱۱۰۰ ″ |
| موٹر سایکلوں سے | ۱ ″ | ۲۵۲ ″ |
| کل حوادث سے | ۱۲۰ ″ | ۱۵۰۰۰ ″ |

اور حوادث کی مجموعی تعداد ۶۰۳۷۵ ہوئی، جس کے حساب سے روزانہ ۱۶۵ حادثوں کا اوسط نکلتا ہے، ایک فرنچ اخبار ان اعداد کو درج کر کے لکھتا ہے، کہ پیرس کی بڑی سڑکوں اور چوراہوں پر ہر وقت سواریوں کی جو ریل پیل رہتی ہے، اس کے لحاظ سے ان حادثات کے وقوع پر مطلق حیرت نہ کرنا چاہیے، بلکہ حیرت اس پر ہونا چاہئے کہ اتنے پا پیادہ چلنے والے صحیح و سالم اپنے گھر کیونکر واپس پہنچ جاتے ہیں۔

یہ ہے اس حکمت آفریں و حکمت آفریدہ تمدن کی برکات کا نمونہ جس کی دعوت ہم تاریک خیال و قدامت پرست اہل مشرق کو دی جا رہی ہے۔

---

پروفیسر گیڈیس کا شمار اس وقت یورپ کے مشاہیر علمائے علم المعاشرت میں ہے، حال میں آپ نے گلفرڈ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت یورپ کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے، کہ اس میں ایک کرور بے شوہر عورتیں ہیں، آگے چل کر انھوں نے فرمایا کہ:

"تمدن کی بدترین صورت یہی ہے، کہ عورتوں کی تعداد ضرورت سے زائد ہے۔"

یہ ارشاد بالکل صحیح ہے، لیکن کیا اس بدترین صورت حال کا کوئی معقول علاج بجز جواز تعدد ازدواج کے ممکن ہے، ممکن ہے کہ اس کے جواز کے غلط استعمال سے مسلمانوں کے طرز عمل نے اس لفظ کو یورپ کے کانوں میں ناخوشگوار بنا دیا ہو، لیکن اس سے نفس مسئلہ کی خوبیوں سے انکار کس آئین منطق کے مطابق ہے، کوئی باورچی اگر اپنی بدسلیقگی سے کھانے میں ضرورت سے زیادہ نمک کی مقدار ڈال دے، تو اس غصہ میں آکر سرے سے نمک ہی کو اپنے اوپر حرام کر لینا کون سی دانشمندی ہوگی۔

مرد و زن کے تعلقات باہمی کے تذکرہ میں ذہن مسئلہ کے ایک دوسرے رخ کی جانب منتقل ہوتا ہے، سر آرچ ڈیل ریڈ، انگلستان کے ایک نامور اہل قلم ہیں، انھوں نے اگست کے "نائنٹینتھ سنچری" میں "امراض زہریہ" پر ایک مبسوط و پر از معلومات مضمون تحریر کیا ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں، کہ جنگ سے قبل برطانیہ کی شہری آبادی میں (جو کل آبادی میں ۷۹ فی صدی کی تعداد رکھتی ہے، اور بقیہ ۲۱ فیصدی دیہاتی آبادی ہے) ۱۰ فیصدی اشخاص مرض آتشک میں مبتلا تھے، اور سوزاک کے مریضوں کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی، ان اعداد میں دوران جنگ ہی میں اضافہ شروع ہو گیا تھا، اور خاتمۂ جنگ کے بعد سے تو بدرجہا زائد اضافہ ہو گیا ہے، مریضوں کی کثیر تعداد کے تناسب سے مرنے والوں کی تعداد بے شبہہ خفیف ہے، تاہم آتشک کا شمار چار مہلک ترین امراض میں ہونے لگا ہے، اور اس کے کشتوں کا شمار حد سے متجاوز ہونے لگا ہے، موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

> "برطانیہ کی آبادی میں تقریباً ہر دوسرا شخص اس مرض کا زخم خوردہ پایا جائے گا، اور خاندان تو شاید ہی کوئی محفوظ رہا ہو، ہمارے بیمار خانے، پاگل خانے، اپاہج خانے، بہرے، اندھوں، مفلوجوں وغیرہ کے شفاخانے اس مرض کے اسیروں سے لبریز ہیں، شیرخواروں کی بہت بڑی تعداد اموات اور بے شمار عورتوں کے عقر و دیگر تکالیف کا باعث یہی مرض ہوتا ہے، درانحالیکہ وہ بیچاریاں اصل سبب سے ناواقف رہ کر ساری عمر رو رو کر کاٹتی رہتی ہیں، ..... غریب مریضوں کے علاج میں لاکھوں پونڈ کا بار پبلک کی جیب پر پڑتا ہے۔"

> اور جو مریض معطل العضو ہو کر رہ جاتے ہیں، ان کی پرورش و اعانت میں کروڑوں پونڈ اٹھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ جان و مال کے مجموعی نقصان کا اگر اندازہ کیا جائے تو کروڑوں سے گذر کر اربوں تک میزان پہنچ جائے گی، انگلستان ہی سے یہ مرض بعض قدیم دور افتادہ قوموں تک پہنچا ہے، بعض ختم ہو چکی ہیں، اور بعض دم توڑ رہی ہیں"،

اس کے بعد فاضل مضمون نگار نے واقعات و اعداد کی مدد سے مزید تفصیلات بیان کی ہیں، لیکن معارف کے صفحات اس نجاست سے زیادہ آلودہ ہونے کا تحمل نہیں کر سکتے، مقصود گذارش صرف اس قدر ہے کہ جو زبانیں مغربی تہذیب و شائستگی، مغربی علوم و فنون، مغربی حکمت و فلسفہ اور مغربی طب و معاشرت کی قصیدہ خوانیوں سے کبھی نہیں تھکتیں، اپنی حالت پر رحم کھا کر کبھی کبھی تصویر کے اس رخ پر بھی نظر کر لیا کریں، شربت کا گلاس جو آپ کے ہاتھ میں دیا جا رہا ہے، بے شبہ نہایت خوش رنگ، خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے، لیکن شربت میں ملے ہوئے زہر ہلاہل کے ان قطرات پر بھی تو خدارا نظر کر لیجیے جس کو نوش جان فرما لینے کے بعد جان بری انسانی اختیار سے باہر ہو گی۔

---

مہاتما گاندھی کو ان کی مخصوص سیاسی حیثیت سے قطع نظر کر کے ایک عام شہرت و ناموری جو تمام دنیا میں حاصل ہو رہی ہے، اس پر ان کے ہم وطن بجا فخر و مباہات کر سکتے ہیں، ان کی آواز ہندوستان کے حدود تک محدود نہیں رہی ہے، بلکہ ایشیا سے گذر کر آسٹریلیا، افریقہ، امریکہ، یورپ سب اس صور قیامت سے چونک پڑے ہیں، یورپ و امریکہ کے متعدد اخبارات و رسائل میں اب تک صدہا مضامین ان کے متعلق نکل چکے ہیں، جن میں سے بیشتر مداحانہ و معتقدانہ ہیں، ان کا نام ایک مستقل موضوع بن گیا ہے، جس پر تقریریں کی جاتی ہیں، رسالے تصنیف کیے جاتے ہیں، اور علمی مجالس میں مذاکرے کیے جاتے ہیں، امریکہ میں مسٹر جے، اچ ہومز نے حال میں ایک لکچر دیا، جس میں ثابت کیا کہ اس وقت دنیا کا بزرگ ترین شخص گاندھی ہے، اس قسم کے اعترافات یورپ کے متعدد ممالک میں ہو چکے ہیں۔

---

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ خبر یہ آئی ہے کہ گاندھی جی کی شخصیت اور ان کی تحریکات کی

میں طلبہ کی معلومات عامہ کے لیے موضوع امتحان بنالیا گیا ہے، چنانچہ حال میں امریکی طلبہ کے لیے واقفیت عامہ کے مضمون میں پروفیسر سلوسن نے جو پرچۂ امتحان مرتب کر کے دیا، اس میں ایک سوال یہ تھا،

”گاندھی جی کی تحریک ترک موالات کی تشریح کرو،“

”اس کی مدافعت بمقابلہ مسلح بغاوت کے کن کن حیثیات سے زیر غور ہے،“

”آئرلینڈ والوں نے جو مقاطعہ کا اعلان کیا تھا، اس میں اور اس تحریک میں وجوہ مماثلت کیا کیا ہیں۔“

ایک دوسرا پرچہ جو ڈاکٹر لائڈ مسٹر نیویارک ہائی اسکول نے مرتب کیا تھا، اس میں یہ سوال موجود ہے۔

”ایک مختصر طبع زاد قصہ لکھو، جس سے یہ ظاہر ہو، کہ اگر امریکہ میں کوئی جماعت گاندھی کے اصول کی معتقد ہو جائے، اور ان پر عمل درآمد کیلئے کمر بستہ ہو جائے، تو یہاں کیا صورتحال رونما ہو گی۔“

(معارف ماہ ستمبر ۱۹۲۱ء)

(۹)

”نائنٹینتھ سنچری“ انگلستان کے ماہوار رسالوں میں سب سے زیادہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ستمبر نمبر میں ایک باخبر خاتون مسز بارٹلی نے ایک عبرت انگیز مضمون تحریر کیا ہے، جس کا عنوان ”بن بیاہی ماں کی اولاد“ ہے، اس میں انگلستان میں ناجائز بچوں کی سالانہ شرح ولادت سے متعلق کچھ نقشے بھی دیئے ہیں، ان نقشوں میں سے ہم اعداد ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔

| سال | مجموعی ولادتیں | جائز | ناجائز |
|---|---|---|---|
| ۱۹۱۴ء | ۸۷۹۰۹۶ | ۸۴۱۷۶۷ | ۳۷۳۲۹ |
| ۱۹۱۵ء | ۸۱۴۶۱۴ | ۷۷۸۳۶۹ | ۳۶۲۴۵ |
| ۱۹۱۶ء | ۷۸۵۵۲۰ | ۷۴۷۸۳۱ | ۳۷۶۸۹ |

| سال | مجموعی ولادتیں | جائز | ناجائز |
|---|---|---|---|
| ۱۹۱۷ء | ۶۶۸۳۴۶ | ۶۳۱۳۳۶ | ۳۷۰۱۰ |
| ۱۹۱۸ء | ۶۶۲۶۶۱ | ۶۲۱۲۰۹ | ۴۱۸۵۲ |
| ۱۹۱۹ء | ۶۹۲۴۳۸ | ۶۵۰۵۶۲ | ۴۱۸۷۶ |

یہ واضح رہے کہ انگلستان میں مردہ بچوں کی ولادت کا سرکاری کاغذات میں اندراج ہونا ضروری نہیں، اس لیے ہر سال ہزارہا ناجائز بچوں کی ولادت غیر معلوم رہ جاتی ہے، جن ممالک میں مردہ بچوں کی ولادت کا بھی سرکاری حساب رہتا ہے، وہاں یہ عموماً پایا گیا ہے کہ جائز ولادتوں کے مقابلہ میں ناجائز ولادتوں میں مردہ بچے بقدر مضاعف کے ہوتے ہیں، اس لیے اگر انگلستان میں مردہ بچوں کی ولادتیں بھی درج رجسٹر ہوتی رہتیں، تو ناجائز بچوں کا شمار اعداد بالا سے کہیں زیادہ ہوتا۔

پھر جب یہ بھی مد نظر رہے، کہ ناجائز تعلق ازدواجی کا نتیجہ ہر صورت میں نہیں، بلکہ مغرب کی طبی تدابیر کی بنا پر بہت ہی نادر صورتوں میں اولاد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، تو پاک دامن و عصمت شعار خواتین انگلستان کی اندرونی زندگی کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، اس واقعہ کے تذکرہ سے انگلستان یا کسی مغربی ملک کی اخلاقی زندگی پر خدانخواستہ اعتراض کرنا ہرگز مقصود نہیں، جن ممالک کی معاشرتی فضیلت مسلّم ہو، جن اقوام کا تمدن ہمارے لیے مایۂ صد رشک و افتخار ہو، جن لوگوں کی تہذیب و شائستگی کا شمار بدیہیات میں ہوتا ہو، ان کے کسی شعبۂ زندگی پر نکتہ چینی کرنا خود اپنی کم عقلی، بے علمی، و ناشائستگی کا اظہار کرنا ہے، البتہ گزارش صرف اس قدر ہے، کہ مغرب کی جن تصانیف عالیہ میں شارع اسلامؐ اور خلفائے راشدینؓ کی کثرت ازدواج، شاہان مغلیہ کی رنگینیوں اور سلاطین ترکی کی حرم سراؤں کے واقعات بصد آب و تاب درج کیے جاتے ہیں، اور جن میں سے بعض تصانیف ہماری خوش قسمتی سے ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے مطالعہ کے لیے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں داخل نصاب کی گئی ہیں، اگر ان میں ان روشن دماغ، آزاد خیال، حریت دوست اور جمہوریت نواز شریف خواتین مغرب کے یہ درخشاں کارنامے بھی درج کر دیے جایا کریں تو یقیناً ان اوراق کی زینت و دلکشی دوبالا ہو جائے گی۔

بیچارہ مشرق! وہ اب تک شریف ورذیل کے قدیم امتیازات پر سر دھن رہا ہے، اسے خبر نہیں، کہ اس ترقی پذیر دنیا میں حقایق اشیا، نے بھی استحالہ قبول کرنا شروع کردیا ہے، نور وظلمت، خیر وشر، عیب وصواب، ان سب کے معانی اب مقلوب ومعکوس ہو گیے ہیں، نیک چلنی، پاکیزہ نسبی، عفت شعاری وشرافت، یہ اوصاف کسی زمانہ میں محمود رہے ہوں گے، لیکن عہد حاضر نے ان کے قطعی فرسودہ ومتروک ہونے کا فتویٰ دیدیا ہے، اور یہ تخیلات صرف اس قابل رہ گیے ہیں، کہ انہیں رسوم کہن کے عجائب خانہ کی کسی بوسیدہ الماری میں آثار قدیمہ کی حیثیت سے جگہ دیدی جائے، زیادہ ترقی یافتہ قوموں کے لیے ان خرافات پر توجہ کرنا باعث ننگ ہے، کہ اس سے قوائے عمل میں ضعف واختلال پیدا ہوتا ہے، چنانچہ خود مسز بارٹلی نے بھی اپنے مضمون مذکورۂ بالا کی یہ غایت مطلق نہیں رکھی ہے، کہ ناجائز ولادتوں کے سدباب کی فکر کی جائے، بلکہ تمامتر بحث اس پر کی ہے، کہ ان بچوں کی پرورش وپرداخت کا قوم کی طرف سے کیا انتظام کرنا چاہیے، ان کا ایک فقرہ سارے مغرب کی نفسیات کا نہایت صحیح ترجمان ہے، سننے کے قابل ہے. ارشاد ہوتا ہے،

> "طفل نومولود کی زندگی (خواہ وہ ولادت جائز ہو یا ناجائز) نہایت اہم اور قیمتی ہوتی ہے، اب سے ہر بچہ کی تربیت وپرداخت کا معقول انتظام کرنا کسی فرد کا نہیں، بلکہ قوم کا فرض ہے،

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ،

---

تمدن جدید کی فہرست فضائل ومناقب میں سب سے نمایاں عنوان تحفظ جان وقلت تعداد اموات کا رکھا جاتا ہے، اور اس کے ثبوت میں شہری زندگی کا وجود پیش کیا جاتا ہے، شہر کا اطلاق ان آبادیوں پر کیا جاتا ہے جو بڑی اور گنجان ہوتی ہیں، جہاں صنعت وحرفت کی گرم بازاری رہتی ہے، ملیں قدم قدم پر کام کرتی نظر آتی ہیں کارخانے بکثرت قائم ہوتے ہیں، مشینیں گھر گھر موجود ہوتی ہیں، اور بازاروں اور دکانوں کی آراستگی اور سجاوٹ پر نمائش گاہ کا دھوکا ہوتا ہے، اور جو شہر ان خصوصیات کے لحاظ سے جتنا زیادہ ممتاز ہوتا ہے، اسی قدر شایستہ اور متمدن سمجھا جاتا ہے، ان شہروں میں میونسپلٹی کے قوانین سختی سے نافذ رہتے ہیں، قواعد حفظان صحت کی پابندی شدت سے کرائی جاتی ہے پینے کیلئے چھنا پانی دیا جاتا ہے دودھ ڈاکٹروں کی نگرانی میں باقاعدہ صاف کرلیا جاتا ہے ڈاکٹروں کے دواخانے اور مطب ہر ہر گلی میں ہوتے ہیں، امراض وبائی کی مدافعت کے لیے انتہائی تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں، غرض موت

کو رد کئے اور حیات کو بڑھانے کی جس قدر کوششیں انسان کے احاطۂ امکان میں ہیں، شہری زندگی ان سب سے مسلح ہوتی ہے، بخلاف اس کے دیہاتی زندگی اس ساز و سامان کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی، اس بنا پر قدرۃً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شہر کی شرح پیدائش دیہات کے مقابلہ میں بہت زائد اور اس کی شرح اموات دیہات کے مقابلہ میں بہت کم ہوگی۔

لیکن پروفیسر رادھا کمار مکرجی (لکھنؤ یونیورسٹی) کے جو مغربی یونیورسٹیوں کی متعدد اعلیٰ ڈگریاں رکھتے ہیں، اور بلدیات اور اجتماعیات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، ایک تازہ لکچر نے اس حسن ظن کی بنیادوں کو بھی متزلزل کر دیا ہے، پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ صوبۂ متحدہ کے دیہاتوں میں شرح اموات ۳۷ فی صدی (یعنی فی صد ولادت) ہے، درانحالیکہ شہروں میں شرح اموات ۳۴ فی صدی ہے، اسی طرح بچوں کی شرح اموات دیہات میں ۲۱۳ فی ہزار ہے، درانحالیکہ شہروں میں ۳۰۰ فی ہزار ہے، ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے جو شہر اپنے مغربی طرز تمدن، ملوں، کارخانوں اور صنعتی کاروبار میں جتنے زیادہ ممتاز ہیں، اسی قدر بچوں کی شرح اموات بھی ان کے ہاں اونچی ہے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| دیہات کا اوسط شرح اموات اطفال : | | | ۲۱۳ | فی ہزار |
| کلکتہ | 〃 | 〃 | ۲۵۰ | 〃 |
| مدراس | 〃 | 〃 | ۲۷۸ | 〃 |
| لکھنؤ | 〃 | 〃 | ۳۱۶ | 〃 |
| بمبئی | 〃 | 〃 | ۴۱۰ | 〃 |
| کانپور | 〃 | 〃 | ۵۴۱ | 〃 |

گویا ہر سال جتنے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں، لکھنؤ میں ان کی تقریباً ایک ثلث تعداد، بمبئی میں ان کی تقریباً نصف تعداد، اور کانپور میں ان کی نصف سے زائد تعداد نذر اجل ہو جاتی ہے، یہ ہے اس شہری طرز معاشرت کی مادی برکات کا نمونہ اور بہترین طبی امداد کا ماحصل، جس کی طمع میں ہم اپنا اخلاق، مذہب، انسانیت سب کچھ نثار کر چکے ہیں۔

اس لکچر کے دوران میں ایک دوسری حقیقت کا بھی انکشاف ہوا، اور وہ بھی کچھ کم سبق آموز نہیں، وہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جدید تجارتی و صنعتی شہروں میں عورتوں کی آبادی مردوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے، یہاں تک کہ بعض شہروں میں نصف کے قریب ہے، مثال کے لیے تین بڑے شہروں کے اعداد ملاحظہ ہوں،

| | |
|---|---|
| کان پور میں مردوں کی فی ہزار آبادی کے مقابلہ میں | ۷۲۸ عورتیں ہیں، |
| بمبئی " " " " | ۵۳۰ " |
| کلکتہ " " " " | ۴۷۰ " |

اس غیر قدرتی صورت حال کے جو قدرتی نتائج نکل رہے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں، دیکھنا ہے کہ ایسا طرز تمدن، جس نے سکون و اطمینان کے الفاظ کو بے معنی بنا دیا ہے، جس نے خطرات جان و مال دہ چند کر دیا ہے، اور جس نے حفظ ناموس کا خیال تک دلوں سے محو کر دیا ہے، کب تک دنیا کو اپنا مفتون اور گرویدہ بنائے رکھتا ہے،

نہ بت نہ گوشۂ چشمے نہ چین ابروئے
بحیرتم کہ دل برہمن ز کف چوں شد

---

حضرت اکبر مرحوم کے کلام کے شایقین یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ان کے کلیات کا حصۂ سوم جس کے آخری پروف ان کی وفات سے کچھ ہی روز پیشتر پریس سے نکل کر آچکے تھے، اب چھپ کر شایع ہو گیا ہے، اور غالباً عشرت منزل الہ آباد کے پتہ سے دستیاب ہو سکتا ہے، کلیات حصۂ چہارم کیلئے بھی مرحوم اپنا آخری کلام مرتب کر رہے تھے، امید ہے کہ کچھ عرصہ میں وہ بھی شایع ہو سکے گا، کلیات کا حصۂ اول و دوم بھی مدت ہوئی ختم ہو چکا ہے، ضرورت ہے کہ یہ چاروں حصے عمدہ ترتیب، مفصل فہرست اور ممکن ہو تو انڈکس کے اضافہ کے ساتھ یکجا شایع کیے جائیں۔ حضرت اکبر اگر کسی زندہ قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو اب تک خدا معلوم کتنے ایڈیشن ان کے کلام کے نکل چکے ہوتے، بعض احباب ان کی یادگار کی تجویزیں پیش کرتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک جس قوم نے نذیر احمد، آزاد، حالی و شبلی کی یادگار قائم کرنا غیر ضروری سمجھا اس کے سامنے اس قسم کی تحریک کرنا وقت و قوت کو ضایع کرنا ہے، اکبر کی بہترین یادگار خود ان کا کلام ہے،

اور اس کے ہوتے ہوئے وہ نیازمندوں کی اعانت اور قدردانوں کی دست گیری سے قطعاً بے نیاز ہیں۔

(معارف ماہ اکتوبر ۱۹۲۱ء)

(۱۰)

میں نے ابتک قصداً اپنے احباب اور عام ناظرین کو اس سے مطلع نہ کیا کہ اثنائے سفرِ یورپ میں میری صحت کس درجہ خراب ہوگئی تھی، اور جس کا سلسلہ اب تک بدستور باقی ہے، روزانہ درد گردہ، درد جگر کے حملے ہوتے رہتے ہیں، وزن ۱۰ پونڈ کے قریب کم ہوگیا ہے، انہی امراض کے دوران میں انتہائی جاں گداز خانگی حوادث بھی پیش آتے رہے ہے، غرض میری زندگی کا یہ پورا سال بیماری اور تیمارداری میں بسر ہوگیا، اس حالت میں کچھ تو اطبا کے مشورہ کی بنا پر اور زیادہ تر خود اپنی پریشان دلی اور پراگندہ خاطری کے باعث اس سال بہت کم دماغی محنت گوارا کرسکا، علاوہ ازیں ملکی حالات نے اطمینان وسکون کی دولت سے محروم کر رکھا ہے، یہی وجوہ ہیں، جن کی بنا پر امسال حسب معمول سیرۃ کا تیسرا حصّہ (معجزات) اب تک پریس میں نہ جاسکا، باوجود صحت کی خرابی اور خیالات کی پراگندگی کے اب میں نے یہ عزم کرلیا ہے، کہ آیندہ دسمبر تک یہ حصہ پریس میں ضرور چلا جائے۔

---

سیرۃ نبویؐ جلد اول کا پہلا اڈیشن جو بڑی تقطیع پر لکھنؤ میں چھپا تھا، ختم ہوگیا تھا، شایقین کا اصرار تھا کہ اس کا دوسرا اڈیشن ۲۰ × ۲۶ کی تقطیع پر طبع اور شایع ہو، چنانچہ اس تقطیع پر یہ جلد ۵۵۰ صفحوں میں چھپ گئی ہے،

سلسلۂ سیر الصحابہؓ کی تین جلدیں مطبع میں زیر کتابت اور زیر طبع ہیں، ۱۹۲۲ء کے آغاز تک امید ہے کہ یہ تینوں جلدیں چھپ کر تکمیل کو پہنچ جائیں گی۔

**الفوائد فی اصول البحر والقواعد**

اس مہینہ کی ڈاک میں یورپ سے جو نئی کتابیں موصول ہوئی ہیں، ان میں نویں صدی ہجری کے ایک عرب ناخدا ابن ماجد نام ملقب بہ اسد البحر کی تصنیف "الفوائد فی اصول البحر والقواعد" ہے، ماہوار دو جزو یہ کتاب پیرس سے شایع ہو رہی ہے، مصنف نے اس میں اسپین اور پرتگال سے بحر عرب تک کے بحری راستوں کو بیان کیا ہے، اور جہازرانی کے اصول وقواعد لکھے ہیں، دوسری

کتاب نجم الدین شیرازی کی "الحاوی فی علم التداوی" ہے، جو فرنچ ترجمہ کے ساتھ بیروت میں چھپی ہے اور جس میں مصنف نے مرکب ادویات کو جمع کیا ہے، تیسری کتاب براؤن کی طب عربی (انگریزی) ہے جس میں عربی کی ابتدائی پانچ صدیوں کی طب کی تاریخ ہے، یہ وہی کتاب ہے جس پر اکتوبر کے معارف میں ریویو نکل چکا ہے،

---

لیوچخ ایک ممتاز چینی مسلمان نے چینی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی تھی، جس کے آخر میں چین میں اسلام کی حالت کی تفصیل ہے، مشہور دشمن اسلام پادری زویمر نے خدا جانے کس نیت سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کرایا ہے، کتاب ابھی چھپ کر شائع نہیں ہوئی، دیکھنے کی چیز ہوگی، یہ خبر ہندوستان کے ہزاروں انگریزی داں مسلمانوں کو غور سے پڑھنا چاہیے، جن کی ہمت سیرۃ نبوی جیسی اہم اور مقدس کتاب کے ترجمہ سے قاصر ہے،

---

"ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کے ایک نوٹ سے معلوم ہوا، کہ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کی جلدیں شایع ہونا شروع ہوگئیں، مرہٹی قوم میں یہ تخیل پیدا ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے، ۱۹۱۶ء میں بمقام ناگپور ایک کمیٹی اس کی تالیف واشاعت کی غرض سے قائم ہوئی، پونہ کے مشہور مرہٹہ عالم ڈاکٹر کیتکر اس کے جنرل ایڈیٹر قرار پائے، اور یہ طے ہوا، کہ کتاب بڑی تقطیع پر پانچ پانچ سو کی ضخامت میں بیس جلدوں میں شایع ہو، جن میں سے ابتدائی پانچ جلدیں عام ارتقائے تمدن وعلوم وفنون کے لیے وقف ہوں، اور باقی پندرہ جلدوں میں حروف تہجی کی ترتیب سے مضامین ومقالات ہوں، پچھلے دنوں پہلی دو جلدیں طبع ہوکر شایع ہوگئی ہیں، تیسری زیر طبع ہے، اور بقیہ جلدوں کے جلد طبع اور شایع ہونے کی توقع ہے، مرہٹی زبان کے فضلا واہل قلم اس کامیابی پر سارے ہندوستان کی علمی برادری کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں، ادب اردو کے خدمت گذار بھی بصدق دل اپنا تہنیت نامہ پیش کرتے ہیں۔

یاد ہوگا، کہ عین اسی زمانہ میں جب کہ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا تخیل مرہٹہ قوم کو پیدا ہوا تھا، ہم میں سے بعض اہل دماغ اردو انسائیکلوپیڈیا کا بھی خواب دیکھ رہے تھے، اس وقت تک ہم اور وہ تخیل کی ایک ہی سطح پر تھے، لیکن پانچ سال کے بعد ان کا منصوبہ عملی شکل میں تبدیل ہوکر ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ بن گیا ہے، اور ہم ابھی

تک اس کا خواب ہی دیکھ رہے ہیں، ان کے یہاں سربفلک عمارت تیار ہو گئی ہے، اور ہمارے یہاں ابھی تک عمارت تو درکنار زمین کی سطح بھی ہموار نہیں ہو سکی ہے، وہ سفر کی سختیاں برداشت کرکے منزل مقصود تک پہنچ گئے ہیں، اور ہم ابھی تک عالم تصور میں صدائے جرس ہی سے لطف اٹھا رہے ہیں،

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

اس فرق کے اسباب کیا ہیں، کیا اردو زبان بمقابلہ مرہٹی زبان کے مفلس و نادار ہے، اور سنجیدہ علمی زبان کی متحمل نہیں ہو سکتی. کیا اردو زبان کے اہل قلم اور مصنفین بمقابلۂ مرہٹی زبان کے نااہل اور ناقابل ہیں، کیا اردو بولنے والوں کی تعداد مرہٹی بولنے والوں سے کم ہے، کیا اردو کا حلقۂ اثر مرہٹی سے زیادہ مختصر و محدود ہے، کیا اردو والے مرہٹی والوں سے زیادہ بے زر، بے مایہ اور مصارف تالیف و تصنیف و طبع و اشاعت برداشت کرنے کے ناقابل ہیں، اگر ان سب سوالات کا جواب نفی میں ہے، تو پھر آخر ہمارے ان کے عمل میں اس قدر بعد المشرقین کا کیا سبب ہو سکتا ہے، وہ قوم جس کو ابھی چند سال پیشتر اپنی سیاسی اہمیت کا دعویٰ تھا، اور آج بھی اپنے ماضی پر نازاں ہے، کاش اس مسئلہ پر سنجیدگی سے کبھی غور کرے،

عقلائے قوم کا تو جو فیصلہ ہوگا وہ تو ہوگا، البتہ عاقل مطلق کی پیشگاہ عقل سے یہ فیصلہ برابر چلا آرہا ہے کہ انسان کو جو خرابیاں پیش آتی ہیں، وہ سب خود اسی کے ہاتھ کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہیں، وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء - ۱۱) اگرچہ بہت سی خطاؤں سے درگذر بھی ہوتا رہتا ہے، پھر بھی جتنے مصائب پیش آتے ہیں، سب اپنی ہی زشتیٔ اعمال کا ثمرہ ہوتے ہیں، وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (شوری - ۴) یہ ہمہ گیر قانون افراد کے لیے مخصوص نہیں، اقوام کی زندگی کا مد و جزر بھی اسی کلیہ کے تحت ہوتا رہتا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

(سورۂ رعد - ۲)

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

قوم کا بناؤ بگاڑ، اتار چڑھاؤ، عروج وزوال، ترقی وتنزل سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے، اس وقت جن معاملات میں جو کچھ بھی خرابیاں رونما ہو رہی ہیں، ان سب کے اسباب کو، قوم کو باہر نہیں، بلکہ اپنے اندر تلاش کرنا چاہیے۔

روس کا نام آج سے کچھ ہی عرصہ قبل جابرانہ سطوت وجبروت اور ظالمانہ حکومت واقتدار کے مرادف تھا، غریب ٹرکی پر اس کی خاص عنایت رہتی تھی، ٹرکوں کے علاوہ ساری دنیا پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، زار کا وجود چنگیز وہلاکو، نیرو وہنیبال کے برابر تھا، بڑے بڑے تاجدار اور سلاطین اس کے نام سے دہشت کھاتے تھے، اور تو اور خود برطانیہ عظمیٰ کے قلب پر اس کا خوف مسلط رہتا تھا، اور روس کی شقاوت اور سنگدلی ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ چکی تھی، جاپان نے میدان جنگ سے پہلے اس کا غرور توڑا، پھر بھی اسکی ہیبت دلوں سے دور نہیں ہوئی، اور یہ ظالم حکومت پورے کر و فر، غرور وتکبر، قوت وجاہ کے ساتھ فرعون مصر کی سنت ادا کرتی رہی، دنیا اس کے نام سے لرزتی رہی، اور نیکی وسعادت، ہمدردی وانسانیت شرافت وعزت اس کے سایہ سے پناہ مانگتی رہی، تاآنکہ سنہ ۱۷ء میں قہر الٰہی انقلاب حکومت کی شکل میں نازل ہوا، اور مجرمین اور ظالم کیفر کردار کو پہنچ گیے۔

یہ عذاب الٰہی سال رواں میں قحط و وبا کی صورت میں نمودار ہوا، اس کی جو ہولناک اور عبرت انگیز تفصیلات کئی مہینوں تک انگریزی اخبارات کے ذریعہ موصول ہوتی رہیں، وہ بڑے سے بڑے شقی القلب کا بھی دل ہلا دینے کے لیے کافی ہیں، جنوری سے جولائی تک سات مہینے کے عرصہ میں سرکاری اعداد کے بموجب ۷۸۰۱۱ وارداتیں ہیضہ کی ہوئیں، اور قحط زدوں کا اندازہ تین کرور نفوس تک کیا جاتا ہے، جن میں سے ۹۰ لاکھ صغیر سن بچے ہیں، اور بخار اور طاعون وغیرہ دیگر امراض سے جس قدر نفوس نذر اجل ہوئے ہیں، ان کا کوئی شمار نہیں، والدین اپنی اولاد کو برائے نام معاوضہ پر فروخت کر رہے ہیں، اور متعدد خاندان دن میں ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا ملنے کے معاوضہ میں امرا کے یہاں اپنے لیے خط غلامی لکھے دیتے ہیں، درختوں کی پتیاں تک خشک ہو گئی ہیں، اکثر مقامات پر لوگوں کی غذا گھاس رہ گئی ہے، اور بعض مقامات پر گھاس تک ناپید ہو گئی ہے، انتہا یہ ہے کہ ٹڈیاں اپنے چرنے چگنے کا کوئی سامان نہ پاکر لاکھوں کی تعداد میں مر رہی ہیں،

قحط زدہ بچوں کے چلانے اور بلبلانے کی جاں گداز آواز دور دور تک جاتی ہے، اور بعض بعض سڑکیں انسانی نعشوں سے پٹی ہوئی ملتی ہیں، جرمنی، فرانس، انگلستان، مالی وطبی امداد بھیج رہے ہیں، لیکن اب تک تمام تدابیر ناکام رہی ہیں۔

خیال کرو، یہ اس ملک کا حال زار ہے، جو کل تک اپنے تمدن، اپنی شائستگی، اپنے علوم وفنون اور سب سے بڑھ کر اپنی جنگی قوت اور فوجی عظمت پر مغرور تھا، کل تک جو ملک اپنی جابرانہ وقاہرانہ حکومت اور چیرہ دستی کے لیے ضرب المثل تھا، آج وہ نکبت وادبار کے روح فرسا عذاب میں گرفتار ہے، کل تک جن زبانوں پر مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر قوت میں اور کون ہے) جاری رہتا تھا، آج وہی نالہ وفریاد، تضرع والحاح میں مصروف ہیں، لیکن اب یہ سب بے سود ہے، تمرد وسرکشی اور فخر وغرور کا یہ نتیجہ لازماً نکلنے والا تھا، اور نکل کر رہا۔ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ (یہ سزا ہے اس کی جو تم زمین پر اتراتے تھے اور اکڑتے رہتے تھے) روس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی نئی مثال نہیں، اس سے قبل جب جب قوموں نے ظلم کیا ہے، اور رعونت وتمرد کو جزو زندگی بنا لیا ہے، تو ہمیشہ ایسی قوموں کا انجام ہلاکت وبربادی ہی پر ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَتِلْكَ الْقُرٰىٓ اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا<br>(سورۃ الکہف: ) | اور یہ بستیاں انھوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے ہلاک کر دیا، اور ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر کر رکھا تھا، |
| وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝<br>(سورۃ القصص: ۹) | اور ہم نے بہت سی ایسی بستیوں کو ہلاک کر دیا، جو افراط معاش کے باعث غرور کرنے لگی تھیں، تو اب انھی لوگوں کے مکانات ہیں، ان کی ہلاکت کے بعد بجز شاذ ونادر کے آباد ہی نہیں ہوئے، اور ہم ہی ان کے مال ومتاع کے وارث ہوئے، |

تمدن جدید نے آخرت و عاقبت کے خیال کو علانیہ ایک وہم ضعیف عقیدگی قرار دیدیا ہے، اور اپنا تعلق تمام تر دنیوی ترقی و مادی زندگی سے رکھا ہے، لیکن حیاتِ مادی میں بھی جب اس کی بہترین مساعی کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کی صورت میں نکل رہا ہے، اور تمام تدابیر تحفظ پیہم ناکام ثابت ہو رہی ہیں، تو خدارا یہ بتایا جائے کہ ان تجربات و مشاہدات کے ہوتے ہوئے اسی بت کو پوجتے رہنا، اور اسی چبائی ہوئی ہڈی کو چبائے جانا کون سی دانشمندی و خوش فہمی ہے، آپ کہیں گے کہ تمدن کو ترک کر کے دنیوی فلاح و ترقی کیونکر ممکن ہے، لیکن عرض یہ ہے، کہ تمدن کو اختیار کر کے دنیوی فلاح کیونکر ممکن ہے، پہلی صورت کے خلاف تو آپ کوئی تجربہ پیش ہی نہیں کر سکتے، لیکن دوسری صورت کا تجربہ تو ہزاروں سال سے ہو رہا ہے، عہد اساطیر سے قطع نظر کیجیے، اس دور کو لیجیے جس پر یورپ "خالص تاریخی" ہونے کا اطلاق کرتا ہے، یونان، روما، ایران، ہندوستان، ترکی، روس، جرمنی تمام جگہ جی کھول کر برکات تمدن کا تجربہ کیا جا چکا ہے، اگر کسی ایک مقام میں یہ تجربہ بالآخر مادی حیثیت سے بھی کامیاب رہا ہو تو اس قابل زیارت شہر یا ملک کا نام ارشاد فرمایا جائے،

---

جب یہ صورت ہے، تو کیا حرج ہے کہ ایک بار ذرہ ترتیب عمل معکوس کر کے تجربہ کیجیے، یعنی تکلفات کی جگہ سادگی کو، قوانین کی جگہ آزادی کو، تقریر کی جگہ سکوت کو، رعب و داب کی جگہ بے تکلفی کو، عقل کی جگہ نقل کو، انتقاد و ارتیاب کی جگہ اعتماد و اعتقاد کو، فربہی و توانائی کی جگہ ضعف و لاغری کو، بلند نظری و حب جاہ کی جگہ قناعت و توکل کو، سیری کی جگہ گرسنگی کو، تعلیم کی جگہ ناخواندگی کو، اور جسم کی جگہ روح کو، دے کر کم از کم ایک بار تو تجربہ کر لیا جائے، اگر ناکامی ہوئی، تو جہاں اب تک بے شمار ناکامیاں ہو چکی ہیں، ان پر صرف ایک کا اور اضافہ ہو جائے گا، اور یہ کوئی ایسا نقصان نہیں، باقی اگر کامیابی ہو گئی، تو جو کچھ مل سکتا ہے، سب مل کر رہے گا، عارف قونیہ کی آواز سات سو برس سے اس تجربہ کا صلائے عام دے رہی ہے:

چند گاہے بے لب و بے گوش شو        وانگہاں چوں لب حریف نوش شو
چند گفتی نظم و نثر و راز فاش        خواجہ یک روز امتحاں کن گنگ باش
چند بختی تلخ و تیز و شور و گز        ہم یکے بار امتحان شیریں بہ پز

چند خوردی چرب و شیریں از طعام  امتحاں کن چند روزے در صیام
چند شبہا خواب را گشتی اسیر  یک شبے بیدار شو دولت بگیر
روزہا بردی بسر در ھزل و جد  روزکے دو جہد را شو مستعد؟

---

حضرت اکبر الہ آبادی کی وفات کو چند ماہ گذر چکے، ان کی سی شخصیت اگر کسی دوسری قوم میں گذری ہوتی، تو اس وقت تک خدا معلوم کتنے تعزیتی جلسے ہو چکے ہوتے، متعدد سوانح عمریاں لکھی جا چکی ہوتیں، اور کوئی موزوں یادگار قائم ہو چکی ہوتی، لیکن اکبر کا تعلق اس قوم سے تھا جس کے ہاں اعتراف کمال کا دستور مدت ہوئی مٹ چکا ہے، آج تک کسی نے (الا ماشاء اللہ) ان کے واقعۂ وفات پر توجہ بھی نہ کی، مرنے والے ظریف کو اس کی امید نہ تھی، نہ پروا، وہ خود صاف کہہ گیا تھا۔

از کمیٹی طمع جلسہ نداریم اکبر
؟
شعرم اندر پس من مدح سرایم باقی است

(معارف ماہ نومبر ۱۹۲۱ء)

## (۱۱)

## ایم - مہدی حسن افادی الاقتصادی

ماہ گذشتہ میں ایم مہدی حسن (افادی الاقتصادی) کا انتقال ادب اردو کے لیے ایک سخت حادثہ ہوا، مرحوم ایک سحر نگار ادیب اور ایک خاص طرز انشاء کے موجد تھے، معارف کے افق پر یہ برق ایک سے زائد بار چمکی، اور یقین ہے کہ ناظرین کے دلوں میں "شبلی سوسائٹی" اور "معاصرانہ چشمک" کے لکھنے والے کی یاد ابھی بالکل تازہ ہوگی، مرحوم کو مولانا شبلیؒ کی ذات، ان کی تصانیف، ان کے تلامذہ، اور ان کی یادگار چیزوں سے بڑا گہرا تعلق تھا، ان کی ایک یادگار معارف بھی ہے، اس لیے وہ معارف کو بھی بہت عزیز رکھتے تھے، وہ دار المصنفین کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے، ادب و انشا کا ایسا ذوق سلیم رکھنے والے افراد مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں، افسوس ہے کہ ۲۲ر نومبر ۱۹۲۱ء کو یہ ماہتاب کمال گورکھپور کے افق میں ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا،

انا للہ وانا الیہ راجعون،

---

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اس فیصلہ کی تائید یقیناً ہر محب وطن کرے گا، کہ آیندہ سے "قومی پارلیمنٹ" کی تمام کارروائیاں حتی الامکان "ہندوستانی زبان" میں ہوا کریں گی، اور تحریریں بھی علی العموم اسی زبان میں اردو ناگری رسم خطوں میں شایع ہوں گی، ملکی حکومت کی پہلی علامت ملکی زبان ہے، افسوس ہے کہ برطانوی مدبرین سو ڈیڑھ سو برس کے تجربہ کے بعد بھی اتنی موٹی بات نہ سمجھ سکے، یا قصداً اس سے بے اعتنائی برتتے رہے، دنیا میں کوئی شے بھی نہ شر محض ہے نہ خیر محض، انگریزی زبان اور اس کی تعلیم سے ہمارے ملک کو جو فوائد پہنچے، اس سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن ملکی زبان کو ترک کر کے ایک اجنبی زبان کو ملک کا حاکم بنا دینے کا جواز، خدا معلوم کس عقل، کس شریعت، اور کس ضابطۂ اخلاق سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟ مقام مسرت ہے، کہ کانگریس کمیٹی نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، اور تمام ملک کی ایک مشترک زبان ہندوستانی باضابطہ تسلیم کر لی۔

---

ہماری مسرت اس وقت اور زیادہ زائد ہو جاتی، اگر وحدت زبان کے ساتھ وحدت رسم الخط پر بھی مہر استناد لگا دی جاتی، لیکن اس راہ میں جو دشواریاں تھیں، ان کے پیش نظر دو رسم خطوں کے قائم رکھنے کی تجویز نہایت مناسب ہے، امید ہے کہ اگر تعصب اور غلط فہمی کو دخل نہ دیا گیا، تو ناگری رسم خط کے مقابلہ میں اردو رسم خط کی سہولتیں اور خوبیاں رفتہ رفتہ سارے ملک کے ذہن نشیں ہو جائیں گی، اور ایک روز فرزندان وطن اردو ہی کے رسم خط کو مشترک قرار دینے پر متفق ہو جائیں گے، اس وقت تک کے لیے کوئی مضایقہ نہیں ہے اگر بجائے توحید کے ثنویت ہی کا عقیدہ رکھا جائے، جو احباب اس میں شبہہ کرتے ہیں، کہ ایک ملک میں دو رسم الخط ایک ساتھ عملاً چل بھی سکیں گے، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں بعض ملک ایسے بھی ہیں، جہاں کئی زبانیں بیک وقت رائج ہیں، اور کاروبار میں کوئی دقت نہیں ہوتی، یورپ میں سوئٹزرلینڈ ایسا ملک ہے جو اپنی کوئی مخصوص زبان نہیں رکھتا، سرکاری زبان جرمن ہے، لیکن وہاں فرینچ و لاطینی زبانیں بولی جاتی ہیں، اور یہ تینوں زبانیں وہاں کی مادری زبانیں سمجھی جاتی ہیں، سرکاری کاغذات، اعلانات، قوانین وغیرہ جرمن اور فرینچ دونوں زبانوں میں شایع ہوتے ہیں، اور وہاں کی پارلیمنٹ کے ارکان دونوں زبانوں میں

تقریر کرتے ہیں، اسی طرح ہندوستان میں بھی بیک وقت دو رسم الخط بلا دقت چل سکتے ہیں، بشرطیکہ (اور یہ شرط نہایت اہم ہے) فریقین خلوص و دیانت و رواداری کو ملحوظ رکھیں، اردو رسم الخط اور زبان ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے ارتباط و اتحاد کی یادگار ہیں، ان دونوں کا قائم رکھنا ہندو مسلم اتحاد کی سب سے بڑی اور مستحکم ضمانت ہے۔

ہندوستان کی حکمراں قوم کو ہندوستان کی زبان سے جو مغایرت اور بیگانگی ہے، وہ اس وقت بہت زیادہ حیرت انگیز ہو جاتی ہے، جب یہ حقیقت پیش نظر ہو جاتی ہے، کہ آج سو سوا سو برس پہلے انگریزوں اور دوسرے فرنگیوں کو اسی پست و حقیر زبان اردو کے ساتھ غیر معمولی شغف و اعتنا تھا، اس وقت بڑے بڑے انگریز یہی نہیں کہ خود اردو سیکھتے تھے، بلکہ اردو زبان و ادب و شاعری کی سرپرستی کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے، کثیر مصارف برداشت کر کے اردو میں انگریزی کتابوں کا ترجمہ کراتے تھے، اور خود اردو صرف و نحو و لغت پر محققانہ تالیفات و تصنیفات کرتے تھے، گلکرسٹ، ٹیلر، رچرڈسن، ڈی تاسی، شیکسپیر وغیرہ نے اٹھارہویں صدی کے خاتمہ اور انیسویں صدی کے آغاز میں جو احسانات اردو پر کیے ہیں، ان سے وہ قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتی، انیسویں صدی کے وسط تک بھی فیلن، لاٹیز، ہالرائڈ وغیرہ جیسے اصحاب ذوق اور اردو زبان و ادب کی قدر کرنے والے حکمراں قوم یعنی انگریزوں میں پیدا ہوتے رہے، لیکن اب ہندوستان کے پورے طول و عرض میں چند ایسے فرنگی دکھائے جا سکتے ہیں جو اردو زبان سے ماہرانہ واقفیت یا اس کا گہرا ذوق رکھتے ہیں، ان کی اس بے اعتنائی و بے التفاتی کا محرک خدانخواستہ استحکام حکومت کا جذبۂ غرور تو نہیں ہے، کہ اب حکومت مستحکم اور پائدار ہو گئی ہے تو اس زبان کی طرف خواہ مخواہ توجہ کرنے کی اب کیا ضرورت ہے۔

بہت کم اشخاص کو اس کا علم ہوگا، کہ اس دور میں متعدد فرنگی ایسے گذرے ہیں، جو اردو نثر صرف و نحو و لغت تو الگ رہے، اردو نظم سے بھی بڑا شغف رکھتے تھے، یہ اردو میں شعر کہتے تھے، اور اپنے وقت کے کسی استاد سے باقاعدہ اصلاح لیتے تھے، چنانچہ بعض تذکروں میں ان اصحاب ذوق فرنگیوں کے نام مع ان کے نمونۂ کلام کے محفوظ ہیں، ان میں سے ایک صاحب کا تخلص اسقان تھا، نام

کی تحقیق نہ ہو سکی، تذکرۂ شیفتہ میں ہے:

> غالباً نامش ہم ہمیں باشد، نصرانی بودہ، اصلش از فرنگ و ولادتش بہ
> ہندوستان اتفاق افتادہ۔ (گلشن بیخار، ص ۲۳)

ان کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

خط کا یہ جواب آیا جو لکھا کبھی پھر خط
کر ڈالوں گا اکدم میں ترے آن کے پرزے

اسی طرح ایک بہادر "صاحب" تخلص فرماتے تھے، جن کا پورا نام مع القاب مظفر الدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب بہادر خاں تھا، یہ شمرو فرانسیسی کے صاحبزادہ اور دلسوز کے شاگرد تھے، نوجوانی میں رحلت کر گیے، ان کے یہ دو شعر محفوظ رہ گیے ہیں۔

نظر آیا مجھے شب بام پر پیارا اپنا ؛ بارے اب کچھ ہے بلندی پہ ستارہ اپنا
ہے زلف حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس

یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس

ایک اور فرنگی شاعر طوما تخلص رکھتے تھے، غالباً تامس نام ہو، شاہ نصیر کے شاگرد تھے، ان کا یہ شعر ہے،

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اس قدر
روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

تذکرۂ گلشن بیخار میں دو اور نصرانی شاعروں اسیر و فراسو کا بھی ذکر درج ہے، معلوم نہیں یہ لوگ خالص فرنگی تھے یا اسی ملک کے مسیحی باشندے تھے، بہرحال اردو کی مقبولیت کی شہادت دونوں صورتوں سے نکلتی ہے،

ایک اور صاحب مسٹر والر نامی تھے، ان کے متعلق تذکرۂ فرخ بخش مطبوعہ ۱۲۸۸ھ میں بہ تصریح موجود ہے:

> متوطن شہر لندن، انگریز، شہر کلکتہ میں تھے، زبان اردو خوب بولتے تھے، شعر
> بھی کہتے تھے، یہ ان کا کلام ہے، (ص ۶۹)

اس کے آگے ان کی ایک پوری غزل درج کی ہے، جس کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں،

رخ شعلہ ہے، تن نور ہے، بلور کی ہڈی
کیوں رشک سے تیرے نہ جلے حور کی ہڈی

او طالب دنیا تجھے عبرت نہیں آتی
کھائی دہن خاک نے فغفور کی ہڈی

---

ان واقعات کے تذکرہ سے مقصود اصلی تو اس انقلاب روزگار کو دکھانا تھا، کہ کل تک جو ہمہ تن نیاز بننا چاہتے تھے، آج کس قدر اجنبی اور بیگانہ ہو گئے ہیں۔ اور اس بیگانگی اور اجنبیت سے خود اپنے مقاصد ہی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

جن فرنگی شاعروں کے کلام کا نمونہ اوپر درج کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرز کا ان کا دوسرا کلام بھی ہے، ان میں سے بعض وہ تھے، جن کی ولادت بھی ہندوستان میں ہوئی تھی، اور ایسے تو بہت تھے، جن کی عمریں ہمارے ہاں کے اہل زبان بزرگوں کی صحبتوں میں گذریں، پھر بھی ان کی شاعرانہ پرواز اس پست سطح سے بلند نہ ہو سکی، جس کی جھلک ابھی آپ نے اوپر ان کے کلام میں دیکھی ہے، بخلاف اس کے، جن فرزندان و دختران ہند نے بغیر اہل زبان انگریز ادیبوں، شاعروں، انشاپردازوں کی صحبت اور بغیر ان سے کامل استفادے کے، انگریزی زبان میں فکر سخن کی ہے، وہ ان ہندوستان نژاد انگریز شاعروں کے کلام سے کہیں زیادہ بلند ہے مثلاً ٹیگور، ہرندرناتھ چٹوپادھیا، مسز نائیڈو، مس تارادت، نظامت جنگ اور محمد علی وغیرہ، جو انگریز ادیبوں اور انشاپردازوں سے بھی زیادہ انگریزی زبان و ادب پر قدرت رکھتے تھے، اس میں اظہار خیال کرتے تھے، اس میں شاعری کرتے تھے، اس میں فکر سخن کرتے تھے، محمد علی کی انگریزی دانی کی شہرت تو ہندوستان سے گذر کر انگلستان تک پہنچ چکی تھی۔

---

شہزادہ ولی عہد بہادر (ایڈورڈ ہشتم) اس وقت سیاحت ہند میں مصروف ہیں، اس سیاحت کے سیاسی پہلو سے یہاں غرض نہیں، لیکن اس کے جس پہلو کا تعلق انسانیت، شرافت اور اخلاق سے ہے، ان پر دو لفظ کہنا چاہتا ہوں، شاہزادہ ممدوح جس مقام پر بھی جاتے ہیں، وہاں شاہانہ ضیافتیں ہوتی ہیں، روشنی، چراغاں، اور آتش بازی ہوتی ہے، فوج کا معاینہ کرتے ہیں، شکار کھیلتے ہیں، سرکاری اور نیم سرکاری جماعتوں کو شرف باریابی بخشتے ہیں، پولو، گھوڑدوڑ، اور مدارس کے کھیل کود کے میدانوں کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم

سے مشرف فرماتے ہیں، ممدوح کے اس شاہانہ دورہ میں ایک مقام اجمیر بھی تھا، یہاں ایک دن قیام رہا' بارہ دری میں نزول اجلال فرمایا، میو کالج کا معاینہ کیا، والیان ریاست سے ملاقاتیں کیں، میو کالج کے ایڈرس کا جواب دیا، اجمیر میونسپلٹی کے سپاسنامہ کا جواب دیا، پورے اسکاؤٹس کا معاینہ کیا، اور ان کے یہ تمام مشاغل ٹھیک اپنے اپنے مقررہ اوقات پر انجام پائے، لیکن اسی شہر میں ایک روضہ بھی ہے، جس میں ایک زندہ جاوید ہستی کا جسد خاکی مدفون ہے، جس کا سنگ در کروروں نفوس کا مرکز عقیدت ہے، جس کی عقیدت نہ صرف کروروں مسلمانوں کے دلوں میں ہے، بلکہ غیر مذاہب کے ہزاروں اور لاکھوں لوگوں کے قلوب میں بھی اس قدر راسخ ہے، جو آج تک کم از کم ہندوستان کے کسی دنیوی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوئی، جس کی زیارت کے لیے مغل شہنشاہ اکبر، جہانگیر وغیرہ دہلی سے اجمیر تک کی صدہا میل کی مسافت پا پیادہ طے کر کے آتے تھے، اور اس کو اپنے لیے باعث فخر و اعزاز سمجھتے تھے، کیا ایسی مقدس تاریخی درگاہ شریف میں حاضری دینا، یا وہاں مختلف اداروں کے جوابی ایڈرسوں میں اس کا تذکرہ کرنا ولی عہد بہادر کے جلال و مرتبت کے منافی تھا؟

ان جوابی ایڈرسوں میں اجمیر کی قدامت کا ذکر ہے، اس کی تاریخی عظمت کا اعتراف ہے، اس کی سیاسی مرکزیت و اہمیت کا بیان ہے، اس کی خوش سوادی کی تعریف ہے، میو کالج کی عمارتوں کی مدح و ثنا ہے، اس کے طریقۂ تعلیم کی ستایش ہے، اس کے اشتیاق دید کا اظہار ہے، غرض سب کچھ ہے، لیکن نہیں ذکر ہے تو خواجۂ اجمیر معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک کا جس کی زیارت کے لیے عرس کے موقع پر، ہندوستان و غیر ہندوستان کے مختلف حصوں سے ہزاروں اور لاکھوں انسان جاتے ہیں، اور اپنی جبین عقیدت اس آستانہ قدس پر جھکاتے ہیں، ولی عہد بہادر یہاں کے والیان ریاست کے لڑکوں سے ملے، ان کی تعلیم گاہوں میں گیے، انعامات بھی تقسیم کیے، ان کی جانب سے سپاس نامے بھی قبول کیے، لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ اجمیر کے اس پر عظمت روحانی تاجدار کی آرام گاہ تک جانے کا وقت ان کے پروگرام میں شامل نہ ہو سکا، جو آج بھی کروروں انسانوں کے قلوب پر حکومت کر رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ شاہزادہ ممدوح نے اجمیر کی سیاحت کا خود پروگرام مرتب نہیں کیا ہوگا، اور نہ جوابی ایڈرسوں کا

مسودہ انہوں نے تیار کیا ہوگا، یہ سارے کام تو ان کے مشیروں نے انجام دیے ہوں گے، کیا ان مشیروں کے نزدیک ایک درگاہ کی حاضری ناقابل عفو جہالت، تاریک خیالی، اور وہم پرستی ہوتی جو اس کو انھوں نے شاہزادہ کے پروگرام میں شامل نہیں کیا، کہیں اس کی تہ میں خدانخواستہ یہ سبب تو مخفی نہ تھا، کہ ایک داعیٔ حق کی قربت و صحبت کے تحمل کا یارا ان میں نہیں تھا، سچ ہے، داعیان حق اپنے اندر حق کی ہیبت رکھتے بھی ہیں، ان کے قرب و صحبت کا متحمل ہونا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے،

---

آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر دنیا کا سب سے بڑا داعیٔ حق جب مکہ کی گلیوں میں حق کی منادی کرتا پھرتا تھا، تو اس وقت کے ارباب جاہ و وجاہت اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیتے تھے، یا دور ہی سے آپؐ کو دیکھ کر کترا جاتے تھے، کہ کہیں اس "ساحر" و "مجنون" کی آواز ان کے توازن دماغی کو برہم نہ کردے، آفتاب کی ضیا پاشی ہم آپ اپنے لیے کتنا ہی باعث برکت قرار دیں، مگر کیا عالم حیوانات کی ہر نوع اس کی تصدیق کے لیے تیار ہوگی،

---

ٹیگور نے پچھلے دنوں جو چند مضامین سیاست حاضرہ پر تحریر کیے تھے، اور ان میں گاندھی جی کی بعض تجاویز اور خیالات سے اختلاف کیا تھا، اس پر بعض حلقوں میں بڑی مسرت کا اظہار ہو رہا ہے، اور مسٹر ٹیگور کو گاندھی جی کا بالکل مخالف قرار دیا جا رہا ہے، حالانکہ دونوں بزرگوں کے خیالات میں اصولاً مطلق تناقض نہیں، دونوں ہی اپنے قوم کے طبیب حاذق ہیں، قوم کے مرض کی تشخیص پر دونوں ہی متفق ہیں، البتہ طریقۂ علاج دونوں کا جداگانہ ہے، اس صورت میں مریض کو دونوں ہی کے مجوزہ علاج سے شفائے کامل کی توقع رکھنا چاہیے، البتہ ایک شرط ضروری ہے، کہ علاج ان میں سے جس کا بھی ہو، اس کی ہدایات پر عمل اور اس کے بتلائے ہوئے پرہیز کی پابندی بہت ضروری ہے، اہل طریقت کے یہاں جذب و سلوک، سکر و صحو دونوں اپنی اپنی جگہ پر نفع بخش اور پر تاثیر ہیں، لیکن یہ کیسی دلیری اور جسارت ہوگی، اگر کوئی ان دونوں کو متناقض قرار دکر ان پر محاکمہ کرنا شروع کردے، عارف رومیؒ نے ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کرکے ارشاد کیا ہے،

ایکہ نارستہ ازیں فانی رباط
تو چہ دانی صحو و سکر و انبساط

(معارف ماہ دسمبر ۱۹۲۱ء)

# شذرات

## (ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء تا ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء)

مسٹر گیا نندر وناتھ چکرورتی کا شمار اس وقت ہندوستان کے مشہور ترین ماہرین تعلیم میں ہوتا ہے، ان کی ساری عمر صیغۂ تعلیم میں بسر ہوئی ہے، مدتوں وہ کالج کے پروفیسر اور ہائی اسکولوں کے انسپکٹر رہ چکے ہیں، الہ آباد یونیورسٹی کے بہت پرانے فیلو اور بنارس ہندو یونیورسٹی کورٹ کے ممبر ہیں، اور اب کچھ عرصہ سے لکھنؤ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں، ان کا ایک مضمون جنوری کے ماڈرن ریویو میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن پر شائع ہوا ہے، جس کی تلخیص آیندہ نمبر میں ناظرین معارف کے پیش کش ہوگی، فاضل موصوف نے اپنی بعض نکتہ چینیوں کے باوجود بہ حیثیت مجموعی یونیورسٹی مذکور کے تخیل اور طریق کار کی بہت کافی داد دی ہے، اور اسے برٹش انڈیا کی یونیورسٹیوں کے مقابلہ میں بطور نمونہ کے پیش کیا ہے، یونیورسٹی کے بلند تخیل، بہتر اور قابل تقلید ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے، لیکن یونیورسٹی کے طریق کار سے اس کے کارکن بھی ایمانداری کے ساتھ مطمئن ہیں، دنیا پر طاؤس کی خوش نمائی، خوش منظری، حسن و جمال کی مداحی میں رطب اللسان ہے، لیکن خود طاؤس کی کیفیت اپنے پیروں پر نظر کرنے سے کیا ہو جاتی ہے، اردو کے ظریف ناصح نے ابھی حال ہی میں کیا خوب کہا ہے،

نہ بھول اس پہ کہ یہ اور وہ تجھے اچھا سمجھتا ہے،
تو اپنے دل میں اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے،

بات پر بات یاد آتی ہے، حیدرآباد دکن کی اردو یونیورسٹی کے ذکر کے ساتھ ہی ذہن آپ سے آپ انجمن ترقی اردو کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، دسمبر کا آخری ہفتہ ملک کے جملہ قوائے عملی کے مظاہرہ کا ہوتا ہے جس میں زندہ قوم کا بچہ بچہ ہمت، اقدام اور عمل کے جملہ اسلحہ سے مسلح نظر آتا ہے، لیکن اردو کا لشکر جرار اپنے خیال میں فتح کامل کے حصول سے سرخوش ہے، اس کے سپاہیوں نے اپنے اسلحہ کھول کر رکھ دیئے ہیں، اور اس کے سپہ سالار خواب راحت کا لطف اٹھا رہے ہیں۔

سنہ ۱۰ء میں بدایوں سے ایک پرزور آواز آل انڈیا اردو کانفرنس کے قیام کی تحریک کے لیے اٹھی تھی، لیکن وہ جس زور اور تیزی کے ساتھ اٹھی تھی، اسی سرعت اور تیزی کے ساتھ اسی سرزمین میں دب کر رہ گئی، سنہ ۱۷ء میں بزرگان لکھنؤ نے اس نقارہ پر اس زور سے چوب لگائی، کہ علی گڑھ، بنارس، پٹنہ، اورنگ آباد تک کے در و دیوار جنبش میں آگیے، لیکن کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ ساحران قیصر باغ لکھنؤ کے جرس کارواں کی صدائے بازگشت تھی۔

اس کے دو سال کے بعد یہ برق افق دہلی پر چمکی، لیکن معاً نظر آگیا، کہ اس سے حرم ادبیات اردو کے زائرین کو روشنی پہنچانا نہیں تھا، بلکہ مقصود ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دینا تھا، خیر یہ ذکر تو اردو کانفرنس کا تھا، جو ابتدا ہی سے ایک تفریح و تفنن کی چیز تھی، البتہ انجمن ترقی اردو تو اپنی بساط کے موافق کچھ قابل قدر خدمات انجام دے رہی تھی، لیکن اب دو ایک برس سے اس کا بھی کہیں اجلاس منعقد ہونے کی خبر نہیں آتی، اگر اس کا اجلاس ہونا بند ہوگیا تو یہ حیرت انگیز نہیں، حیرت اس پر ہے کہ اتنے عرصہ تک اس کے اجلاس ہوتے کیونکر رہے، جس چراغ کا تیل بالکل ختم ہوچکا ہو، وہ اگر کچھ دیر جھلملاتا رہے، تو اس پر حیرت ہوسکتی ہے لیکن اگر وہ فوراً خاموش ہوجائے تو کسی کو بھی تعجب نہ ہوگا۔

---

ایک سرکاری اطلاع کے مطابق اپریل سنہ ۲۰ء سے مارچ سنہ ۲۱ء تک برٹش ہندوستان میں (ریاستوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد) موٹر کی قسم کی سواریاں ۴۵۹۹۳ کی تعداد میں درج رجسٹر ہوئیں، ان میں ۳۱۹۳۴ موٹریں تھیں، ۱۱۳۹۹ موٹر سائیکلیں تھیں، اور ۲۶۶۰ بھاری موٹر گاڑیاں تھیں، اس سال نئی موٹروں کی درآمد ۱۵۴۳۲ کی تعداد میں رہی، جن کی مجموعی قیمت تخمیناً آٹھ کروڑ ہوتی ہے ہندوستان کے مختلف صوبوں نے اس کار خیر میں حسب ذیل نقشہ کے مطابق حصہ لیا۔

| | | |
|---|---|---|
| بمبئی | ۱۰۲۸۸ | موٹریں |
| بنگال | ۷۴۸۲ | " |
| برہما | ۳۲۴۰ | " |
| صوبہ متحدہ | ۲۶۷۵ | " |

تمدن جدید کے آیات کمال کا سرعنوان موٹریں ہی ہیں، لیکن ان کا دائرہ امراء اور خوش حال طبقہ تک محدود ہے، لیکن کائنات تہذیب و شائستگی کے آفتاب و ماہتاب دو اور چیزیں بھی ہیں، جن کے دائرہ اطلاق میں متوسط الحال افراد تو افراد غربا، تک بھی آجاتے ہیں، اور وہ شراب اور سگریٹ ہیں، ان کے سال بسال دائرۂ فیض کا اندازہ درج ذیل تفصیل سے ہوگا۔

| | سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء | سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء | سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء |
|---|---|---|---|
| شراب | ۳۵ لاکھ گیلن | ۴۵ لاکھ گیلن | ۵۷½ لاکھ گیلن |
| سگریٹ | ۳۵ لاکھ پونڈ | ۲۰ لاکھ پونڈ | ۶۰ لاکھ پونڈ |

یہ اعداد تو وزن کے لحاظ سے تھے، اب ذرا ایک نظر ان کی قیمتوں پر بھی ہو،

| | سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء | سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء |
|---|---|---|
| قیمت اسپرٹ (شراب کی ایک نوع) | ۲ کرور روپیہ | ۳½ کرور روپیہ |
| " سگریٹ | ایک کرور ۶۸½ لاکھ | ۲ کرور ۵۸¼ لاکھ |

اس سرکاری اعداد میں اس کی تفصیل درج نہیں، کہ ہندوستان کی مختلف قوموں میں کن کن نے ان جنس ہائے گراں مایہ کی قدردانی میں حصہ لیا، ورنہ معلوم ہوجاتا کہ جس قوم کی شریعت نے شراب نوشی کو عمل شیطانی قرار دیا ہے، اس کو ام الخبائث سے تعبیر کیا ہے، اور جس نے اپنے پیرووں کے سامنے کفایت کا نصب العین رکھا ہے، اور جس کی کتاب آسمانی نے تکلفات دنیوی کو متاع غرور اور لہو و لعب سے تعبیر کیا ہے، اس کے نام لینے والے کس حد تک اپنے نفس پر اپنے ضمیر کو حاکم بنائے ہوئے ہیں، عام مشاہدہ کی بنا پر کون کہہ سکتا ہے، کہ اس کاروبار تعیش میں اس قوم کا نمایاں حصہ نہ ہوگا، آج باوجود اپنی انتہائی عیش پرستی، تن پروری، آرام طلبی اور زشت اعمالی کے، یہی قوم حق و صداقت، غیرت و حمیت، ایثار و للہیت، صدق و صفا، ربانیت وحقانیت، دعوت و عزیمت کا پیغام لے کر اٹھی ہے، کہ اس صنم کدۂ کائنات کو پھر ایک بار کاشانۂ خلیل اور گلزار ابراہیم بنا دے، اس دعویٰ کی لاج رکھنا محض ستار عیوب اور قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، ورنہ اعمال اور ظاہری اسباب تو اس قوم کے ایسے ہیں، کہ اغیار تو اغیار خود اپنوں کو بعض دفعہ اس پر حیرت

ہو جاتی ہے، اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے،

ہے آرزو کہ ابر دے پُر نم کو دیکھئے
اس حوصلہ کو دیکھیے اور ہم کو دیکھئے

---

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی جس کی بابت ہمیں یقین دلایا گیا تھا، کہ وہ قرطبہ و بغداد کی جانشین ہوگی، بالآخر جب وہ وجود میں آگئی تو اس کا سب سے پہلا کارنمایاں دنیا کے سامنے یہ پیش ہوتا ہے، کہ ۱۲ فروری کو شاہزادہ ولی عہد بہادر مسلم یونیورسٹی کو اپنے ورود سے مشرف کریں گے، یونیورسٹی انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دے گی، اور انہی کے ساتھ چار اور صاحبوں کو بھی ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں عطا ہوں گی، یہ قابل رشک ارکان اربعہ کون ہیں؟ (۱) گورنر صوبہ متحدہ (۲) ممبر محکمہ تعلیمات حکومت ہند (۳) مہاراجہ صاحب گوالیار (۴) اور نواب صاحب رام پور۔ اس بات سے قطع نظر کرکے کہ مسلم یونیورسٹی کی یہ انگریز نوازی، اور والیان ریاست کا یہ اعزاز واکرام مسلم یونیورسٹی کے جذبات کے کہاں تک موافق ہے، جن خوش نصیب اصحاب معتبر پر اعزاز واکرام کی جو بارش ہونے والی ہے، وہ واقعۃً اس اعزاز واکرام کے مستحق بھی ہیں، اس سے کچھ مناسبت بھی رکھتے ہیں، اس سوال کا جواب آج تو مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد آسانی سے ٹال سکتے ہیں، لیکن وہ وقت آنے والا ہے، جب اس سوال کا جواب بآسانی نہ ٹل سکے گا، اور جب ہر امانت کی طرح اس قومی امانت کا بھی حساب دینا پڑے گا، بہت بہتر ہوگا، کہ اس وقت کے آنے سے پہلے اس سوال کا کوئی معقول جواب ابھی سے سوچ لیا جائے، ورنہ شرمندہ ہونا پڑیگا۔

---

یونیورسٹیوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ علم واخلاق کی روایات کو زندہ، اور قائم رکھا جائے، اور ان کو آگے بڑھایا جائے، انگریزی تعلیمی ڈگری انتہائی اعزاز ہے، جو کوئی بھی یونیورسٹی قوم وملت کے کسی فرد کو دے سکتی ہے، اگر کسی دولت مند اور صاحب ریاست وامارت نے یونیورسٹی کی مالی مدد کی ہے، تو اس احسان کے اعتراف کے لیے یونیورسٹی کے پاس اور بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً یہ کہ اسے یونیورسٹی کا رکن منتخب کردیا جائے، اس کے نام سے یونیورسٹی میں کوئی عمارت تعمیر کرادی جائے، وقس علی ھذا، لیکن اعزازی ڈگریوں کے استحقاق کا معیار کوئی علمی امتیاز اور بلند اخلاق ہے، مسلم یونیورسٹی سے آنزیری ڈگری پانے والے اصحاب

نے اگر اس حیثیت سے اپنی اہلیت کا کوئی ثبوت دیا ہے، تو اسے یقیناً مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر یا خزانچی صاحب کے دفتر کی کسی آہنی الماری میں بہت مضبوط قفل ڈالکر چھپا دیا گیا ہے،

دنیا کی دوسری یونیورسٹیاں اپنی آنریری ڈگریاں جس درجہ کے کاملین فن و ائمۂ علوم کو دیتی ہیں اس کے لیے یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں سے مثالیں لانے کی حاجت نہیں، خود ہندوستان میں علی گڑھ سے چند قدم کے فاصلہ پر بنارس ہندو یونیورسٹی اور ذرا آگے بڑھ کر کلکتہ یونیورسٹی ہے، ولی عہد بہادر کا ورود ان دونوں جگہوں پر بھی ہوا، لیکن ان یونیورسٹیوں نے اس موقع پر کیا کیا؟ بنارس کی ہندو یونیورسٹی نے بھی ڈاکٹریٹ کی آنریری ڈگری دی، مگر معلوم ہے کس کو، مسز اینی بیسنٹ کو، جن کے ہاتھوں بنارس میں ہندو کالج کی بنیاد پڑی تھی، جن کی ایک معتدبہ عمر ہندو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں گذری ہے، اور جن کی علمی و دماغی قابلیت کا اعتراف اسی ملک میں نہیں، دنیا کے ہر ملک اور اس کے ایک ایک گوشہ میں ہو چکا ہے، کلکتہ یونیورسٹی نے بھی جو سرکاری یونیورسٹی ہے، متعدد اشخاص کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں، مگر جانتے ہو وہ کون لوگ تھے؟ یہ وہ تھے، یہ وہ ہیں جنھوں نے اپنی عمریں فلسفہ، سائنس، تاریخ، ادب کی خدمت میں صرف کی ہیں، جن کا نام علمی دنیا کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے، جن کی تعظیم و تکریم کرنا خود علم و فن کی تعظیم و تکریم کرنا ہے، اس سے انکار نہیں، کہ مسلمانوں میں قحط الرجال ہے، لیکن اس قدر تو نہیں ہے، کہ مسلم یونیورسٹی کو اپنی قوم میں چند افراد بھی اس پایہ کے اس کو نظر نہ آتے، ان لوگوں سے قطع نظر کیجئے، جن کی سیاسیات مسلم یونیورسٹی کے نزدیک قابل نفرت ہے، پھر بھی کیا ایک متنفس بھی اس پایہ کا نہیں نکل سکتا، سید امیر علی کی خدمات مذہب و تاریخ، عماد الملک سید حسین بلگرامی کا علم و فضل، اور پھر ان کا علی گڑھ سے مخلصانہ تعلق، ڈاکٹر اقبال کی فلسفیانہ و ادبی عظمت، جسٹس عبدالرحیم کی قانونی وسعت نظر، مولوی عبدالحلیم شرر کی زبان و ادب کی خدمات، شاید یہ تمام فضائل مسلم یونیورسٹی کی بارگاہ علم میں ناقابل قبول ہیں۔

خیر عزت و کرامت تو صرف ذات باری تعالیٰ کی ہے، (وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اور اسی رب العزت کی رحمت کے طفیل میں پیمبروں، اس کے خاص بندوں اور عام مومنوں کی ہے، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ، (منافقون - ۱) اس عزت و کرامت کو کسی یونیورسٹی

کی اعزازی ڈگریاں گھٹا بڑھا نہیں سکتیں، اس کا تعلق تو صرف ایمان و اعمالِ صالحہ سے ہے، نااہلوں کو علم یا حکومت کا لباس پہنا دینا، بالآخر نہ صرف ان کے حق میں بلکہ ساری قوم کے حق میں مضر ہوتا ہے، مولانائے رومی نے کیا خوب تمثیل دی ہے، کہ کسی نااہل کو عالم یا حاکم بنا دینا، رہزن کے ہاتھ میں تلوار دے دینا ہے، بلکہ اس سے بھی بدتر ہے،

بدگہر را علم و فن آموختن　　دادنِ تیغ بدستِ راہ زن
تیغ دادن در کفِ زنگی مست　　ہر کہ آید علم ناکس را بدست
علم و مال و منصب و جاہ و قران　　فتنہ آمد در کفِ بد گوہران
پس غزا زیں فرض شد بر مومناں　　تا ستانند از کفِ مجنون سناں

قوم کے نادان دوست اسی غزا و جہاد کے وقت کو اپنے اعمال سے قریب بلا رہے ہیں،

(معارف ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء)

### (۲)

انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی اخلاق میں کس قدر فرق ہے، فضول گو سے فضول گو اور غیر سنجیدہ سے غیر سنجیدہ آدمی بھی تھوڑی دیر کے لیے سنجیدہ، متین اور کم گو ہو جاتا ہے، لیکن متین سے متین اور سنجیدہ سے سنجیدہ لوگ بھی جب وہ اپنے کو جلسوں، انجمنوں اور کمیٹیوں کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں، اور ایک جماعت کے فرد بن جاتے ہیں، تو ان کے اجتماعی اخلاق میں دفعۃً انقلاب ہو جاتا ہے، بات بات میں جھگڑتے ہیں، ہر شخص سے بدگمان ہوتے ہیں، ہر مقرر کی تقریر اور ہر مجوز کی تجویز پر معترض ہوتے ہیں، زبان کی طلاقت اور روانی کو اپنی برتری، فوقیت اور بڑائی کا معیار قرار دیتے ہیں، سرگوشی، بات چیت، طعن و طنز، خندہ و تبسم، ہنسی اور مذاق سے آدابِ مجلس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وقار و سنجیدگی کا سررشتہ ہاتھوں سے چھوڑ دیتے ہیں، ایک دوسرے کی عزت اور وقار کے کلیہ کو فراموش کر دیتے ہیں، اپنے شور و غل سے جلسوں کی کارروائی کو درہم برہم کر دیتے ہیں، لیکن بایں ہمہ اگر ان کو الزام دیجئے، تو ان میں سے کوئی شخص بھی انفرادی حیثیت سے ملزم اور قصوروار نہیں ٹھہر سکتا، لیکن اجتماعی حیثیت سے وہ سخت مجرم، قصوروار اور گنہگار ٹھہرتے ہیں۔

یہ واقعہ درحقیقت ہمارے اجتماعی اخلاق کی کمزوری اور اجتماعی معاشرت کی پستی کو دکھاتا ہے، کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ یہ کمزوری اور پستی اس قوم کے افراد میں سب سے زیادہ ہے، جو کبھی اس دنیا میں اجتماعی حیثیت سے سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ بلند تھی، کیا ہماری قوم کے نوجوان افراد جو آجکل بہت پیش پیش رہتے ہیں، اپنے اس عیب کی طرف توجہ کریں گے، اور جلسوں، انجمنوں، کانفرنسوں میں اپنی قوم کی اس اجتماعی خرابی اور معاشرتی کمزوری کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔

ہندوستان کے زندان خانوں کی نوآبادیوں میں فرزندان ہند کے مختلف فرقوں اور مذہبوں کے نمایندے شریک ہیں، ان میں مسلمان بھی ہیں، ہندو بھی، سکھ بھی ہیں اور عیسائی بھی، یہ تمام اصحاب گو مختلف قوموں، مختلف مذہبوں، مختلف فرقوں، مختلف خاندانوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان اختلافات کے باوجود ان سب میں ایک ہی روح جاری اور ساری ہے، ایک ہی خیال ہے، جو ان سب پر مستولی ہے، اور ایک ہی نشہ ہے جو سب پر چھایا ہوا ہے، اور اس طرح باوجود الگ الگ ہتکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ بند ہونے کے وہ سب کے سب حب وطن اور نصرت حق اور حمایت صداقت کی ایک ہی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں، یہ مختلف قوموں، مذہبوں، فرقوں اور خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی شب و روز کی یکجائی، باہمی ملاقات ایک دوسرے سے واقفیت، مبادلۂ خیالات، باہمی اظہار محبت ایک دوسرے کی معاونت اور دستگیری، باہمی تاثیر اور تاثر یقیناً باہمی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کر کے ان میں نئے سرے سے اعتماد، محبت، اخوت، ہمدردی کی روح پیدا کردے گی، اور وہ ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کی پوری قدر کرنا سیکھیں گے، اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ آج کے ہندوستان کے قید خانہ میں، کل کے ہندوستان کی نئی قومیت تعمیر پا رہی ہے، یہ افراد جو قید سے پہلے ایک دوسرے سے شناسا بھی نہ تھے، جب ایک مدت کی جان پہچان، معرفت و واقفیت اور محبت و دوستی کے بعد تنگنائے زندان سے باہر میدان عمل میں آئیں گے، تو ملک میں رہبروں اور کام کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا ہو جائے گی، جو ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف اور شناسا، ایک دوسرے کے خیالات، احساسات، جذبات حالات سے واقف اور زندان خانہ کے اندر مہینوں اور برسوں کے برادرانہ اور مخلصانہ اتحاد سے پرکیف اور سرشار ہوں گے، اس کو پیش نظر رکھیے تو ہماری نگاہوں کے سامنے ہندوستان کے

مستقبل کا کس قدر خوش آیند منظر سامنے آجاتا ہے، یہ وہ دولت ہے جو زندان خانوں سے باہر کبھی ہندوستان کو نہیں مل سکتی تھی،

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد،

ہندوستان کے مستقبل کا یہ خوش آیند منظر آگرہ ڈسٹرکٹ جیل ہے،

آگرہ ڈسٹرکٹ جیل میں مجاہدین آزادی اور اسیران ملک وملت کی ایک نو آبادی قائم ہوگئی ہے، جس میں ہر قوم وملت کے ہزاروں افراد اور ہر رنگ و مذاق کے صدہا اصحاب شامل ہیں، ہندوستان کی خاک میں شاعری اور سخنوری کی جو فطری استعداد و صلاحیت ہے، اس کو زندان خانہ کے مصائب شدائد اور قیود بھی فنا نہ کر سکے، بلکہ یہ صلاحیت وہاں پہنچ کر اور زیادہ اجاگر ہوگئی، اسی آگرہ جیل میں ۲۰/ جنوری ۱۹۲۲ء کو جو بزم ادبی منعقد ہوئی، اس کا زندہ ثبوت ہے، اسی آگرہ کے قصر حکومت میں کبھی عدل پرور شہنشاہ جہانگیر کی طلائی زنجیر عدل لٹکا کرتی تھی، اس قیدخانہ کی اس بزم ادبی یا مجلس مشاعرہ کے شعراء اور حاضرین کے ناموں پر ایک نظر ڈالیے تو دھوکا ہوتا ہے، کہ ہم کسی قیدخانہ کے مجرموں اور قیدیوں کے نام پڑھ رہے ہیں، یا کسی بڑی یونیورسٹی کے فضلا اور گریجویٹوں کے ناموں کی فہرست پڑھ رہے ہیں۔

ان مختلف قوموں، ملتوں، فرقوں، مذہبوں کے یاران صحبت کے اظہار خیال اور اظہار جذبات کا ذریعہ ہندوستانی تھا، جو اردو کے غلط نام سے مشہور ہے، جس طرح ان مختلف زبانوں کے بولنے والے تمام افراد کی شعرگوئی کی مشترک زبان ہندوستانی تھی، اور اسی کو استعمال کر کے جب تک وہ زندان خانہ میں رہے ایک دوسرے سے گھلے ملے رہے، اسی طرح اس پورے ہندوستان کے زندان خانہ میں جہاں مختلف زبانوں کے بولنے والے قید ہیں ان کے باہمی مبادلۂ خیال کے لیے ایک ہی مشترک زبان کی ضرورت ہے، اور وہ بلاشبہ ہندوستانی ہے، اور قدرت نے اسی ضرورت سے اس کو پیدا کیا ہے، اور یہی آیندہ ہندوستان کی مشترک زبان رہے گی۔

آگرہ ڈسٹرکٹ جیل کی یہ بزم مشاعرہ اس کا ثبوت ہے، کہ ملک کے مختلف زبانوں کے بولنے والوں کے لیے اردو ہی ایک مشترک زبان کا کام دے سکتی ہے، ہماری خوشی کی کوئی حد نہیں رہی، جب ہم نے سنا، کہ

ایک ہی دسترخوان پر ایک طرف خواجہ عبدالمجید بیرسٹر صدر جامعہ ملیہ دہلی بیٹھے، جو ہندی کا ایک حرف نہیں جانتے، اور دوسری طرف ہندوستان کے مشہور ہندو لیڈر مدن موہن مالویہ کے صاحبزادے بیٹھے، جن کی نسبت عام طور سے یہ خیال ہے کہ یہ اس اردو زبان کو ہندوستان سے مٹا دینے کا عزم رکھتے ہیں، جو ملک کی مختلف قوموں میں باہمی محبت کے پیوند کی نشانی ہے،

کیمبرج یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ (مجلس انتظامیہ) نے حال میں یہ تجویز منظور کی ہے، کہ "کیمبرج ہسٹری" کے نام سے ہندوستان کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ سات جلدوں میں مرتب کر کے جلد ہی شایع کی جائے، آج سے چند سال قبل یہی یونیورسٹی "کیمبرج ماڈرن ہسٹری" کے نام سے یورپ کی تاریخ بارہ ۱۲ ضخیم جلدوں میں شایع کر چکی ہے، اس مجوزہ تاریخ ہند کی تالیف و ترتیب و تدوین اسی نمونہ کے مطابق ہوگی، اس کی تالیف میں تاریخ ہند کے علماء اور ماہرین کی ایک پوری جماعت شریک ہوگی، اس تاریخ کو متعدد ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے، اور ہر دور پر الگ الگ اس دور کے ماہرین لکھیں گے،

مغرب کے معیار اور مورخین یورپ کے زاویہ نگاہ سے یہ تاریخ یقیناً مستند ہوگی، لیکن یہ کس قدر ہمارے لیے درس عبرت و مایۂ حیرت ہے، کہ وسیع النظر مغرب کو اس تاریخ ہند کے لکھنے کے لیے ایک شخص بھی ایسا نہ مل سکا، جو ہندوستان کا باشندہ ہوتا، مشرقی علوم و فنون، معاشرت و سیاست، تہذیب و شایستگی کو مغرب جیسا کچھ سمجھتا ہے، اس کے تلخ تجربات بکثرت ہو چکے ہیں، لیکن نیرنگ ساز فطرت کو شاید ابھی ایک بار اور اس تجربہ کی نمایش منظور ہے، کہ عاشق کی داستان محبت کے بیان کرنے میں رقیبوں کی زبان دیانت، صداقت اور ایمان داری کو کہاں تک ملحوظ رکھتی ہے،

قدیم مشرقی خیال تو یہ تھا کہ تاریخ گویا واقعات عالم کا ایک رجسٹر ہوتی ہے، اور مورخ کا کام صرف اتنا ہے کہ واقعات عالم کو اپنے علم و واقفیت کے مطابق بے کم و کاست درج کر دے، لیکن جدید مغربی تحقیق یہ ہے کہ تاریخ نگاری کا ایک مقصد اور غرض ہے، اور مورخ کا فرض یہ ہے، کہ واقعات تاریخ کی توجیہ و تشریح ایک خاص زاویہ نگاہ سے کرے، سر چارلس اومن اس وقت مورخین انگلستان کی جماعت کے ایک مسلم سرخیل ہیں، رسالہ نائنٹینتھ سنچری کے جنوری نمبر میں انھوں نے "مورخین کا حال اور ان کی مشکلات" پر ایک

مضمون تحریر فرمایا ہے، اس کے اقتباسات ذیل لائق ملاحظہ ہیں:

> "غرض تاریخ، اسماء، سنین، و اقعات کا رجسٹر نہیں، جیسا کہ ایک عامی شخص خیال کرتا ہے، بلکہ وہ نام ہے مورّخ کے زاویۂ نگاہ سے ان چیزوں کی توجیہ و تشریح کا، اور چونکہ ہر مورخ کا سیاسی، اخلاقی و قومی زاویۂ نگاہ ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف ہوگا، اس لیے یہ محال ہے کہ کسی زمانہ، کسی عنوان یا کسی شخص سے متعلق کوئی نام نہاد مستند تاریخ مرتب ہو سکے، جو ہر طبقہ کے ناظرین کے ذوق کی تشفی کر سکے،

قدیم فتویٰ یہ تھا، کہ تاریخ چونکہ واقعات مصدقہ کا مجموعہ ہوتی ہے، اس لیے اس میں بحث و اختلاف کی بہت کم گنجایش ہوتی ہے، لیکن تحقیقات جدید نے دکھلا دیا کہ تاریخ بعینہٖ سیاسیات حاضرہ کی طرح ایک مابہ الاختلاف موضوع ہے۔

> ایک مشہور مورخ نے کہا تھا کہ تاریخ نام ہے سیاسیات ماضیہ کا، یہ مقولہ اس قدر صحیح ہے کہ میرے نزدیک جس طرح سیاسیات کے لیے اختلافات لازمی ہیں، ٹھیک اسی طرح تاریخ کے لیے بھی اختلافات ناگزیر ہیں،

سیاسیات مغرب کی ایک محبوب ترین اصطلاح پروپگنڈا ہے، جس کا صحیح مفہوم کم از کم اردو فارسی اور عربی زبانوں میں تو کسی ایک لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا، "تاریخ" علم برداران تحقیقات جدیدہ کی زبان میں اسی پروپگنڈے کی ایک ترقی یافتہ شکل کا نام ہے، سرچارلس فرماتے ہیں:

> ایک عام آدمی ہمارے پاس ایک تاریخی استفسار لیکر آتا ہے، بدقسمتی سے عموماً یہ ہوگا کہ ہم اس کے حسب توقع اسے کسی قسم کا کوئی مسلّم و قطعی جواب نہ دے سکیں گے، بلکہ ایک طرح کے پروپگنڈا سے کام لیں گے، جو ممکن ہے کہ ہمارے نزدیک واقعیت کی صحیح ترجمانی ہو، لیکن ہمیں تسلیم ہے کہ دوسروں کے نزدیک ممکن ہے وہ جواب خلاف واقعہ، غلط اور فتنہ پرداز ہو، تاریخ کسی خارجی سے واقعات کی کسی فہرست کا نام نہیں، مورّخ کا کام واقعات میں تسلسل اور ترتیب پیدا کرنا ہے، اور دو مورخ جن کی قومیت و سیاست باہم مختلف ہے،

> واقعات کو اپنی اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے اس قدر مختلف شکلوں میں مرتب و مدون کر سکتے ہیں، کہ پڑھنے والا انہیں ایک ہی سلسلۂ واقعات کی ترجمانی سمجھ ہی نہیں سکتا۔”

آگے چل کر اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور سبق آموز تصریح موجود ہے:

> غرضیکہ ہم کو اس عام آدمی سے کہہ دینا پڑے گا کہ تاریخ واقعات کے متعلق ایک زاویۂ نگاہ کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر مورخ کا زاویۂ نگاہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ...... اور اس طرح افسوس ہے کہ تاریخ نگاری اب سیاسی، قومی و مذہبی پروپگنڈا کے اہم ترین شعبہ کا نام رہ گیا ہے،

سر چارلس اومین اپنے ان خیالات میں منفرد نہیں، تاریخ کو سیاسیات ماضیہ کا مرادف پروفیسر فریمین نے قرار دیا تھا، جو پچھلی صدی میں انگلستان کے سب سے بڑے مورخ تسلیم کیے جاتے تھے، موجودہ تاریخوں کا سیاسی اغراض کے لیے لکھے جانیکا اعتراف ڈاکٹر شاٹویل نے بھی کیا ہے، جو کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) میں تاریخ کے پروفیسر اور اس فن کے استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان اعترافات و تصریحات کی موجودگی میں قدامت پسند اہل مشرق اگر بجائے ”ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ“ (دنیا کے مورخین کی تاریخ) ”کیمبرج ماڈرن ہسٹری اور کیمبرج انڈین ہسٹری“ کی ضخیم و مرعوب کن مجلدات کے مطالعہ کے اپنا وقت بوستان خیال، طلسم ہوشربا، داستان امیر حمزہ کی ورق گردانی میں صرف کرتے رہیں، تو شاید ان پر تضیع وقت کا الزام عائد نہ ہو، جھوٹ کو جھوٹ کہہ کر ظاہر کرنا، تخییل آرائی کو افسانہ کے لباس میں پیش کرنا، کسی مذہب میں معصیت کبیرہ نہیں، البتہ جھوٹ کو سچ کا نام دے کر تعصبات کو واقعات کا رنگ دے کر اور دروغ کو راستی بنا کر پیش کرنا وہ ملعونیت کبریٰ ہے، جس سے ہر فرد بشر کو جسے اپنی دیانت، اپنا ایمان اور اپنی نجات عزیز ہے، پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

آغاز سال رواں میں پاپائے روم بنڈکٹ پانزدہم نے انتقال فرمایا، ان سطروں کے شائع ہونے تک ان کے جانشین کا بھی انتخاب ہو چکا ہوگا، جس وقت سے پاپائیت کا ایک باضابطہ عہدہ قائم ہوا ہے، [illegible] صد افراد اس منصب پر مامور رہ چکے ہیں، بلکہ اگر ابتدائی عیسوی صدیوں کے بشپ صاحبوں کو بھی اس فہرست میں شامل

سمجھا جائے تو شاید شمار ہزاروں سے متجاوز ہو جائے، سوال صرف اس قدر ہے کہ اس طویل و عظیم فہرست میں کسی غیر یورپی شخص کا نام بھی تلاش کرنے سے مل سکتا ہے، مسیحیت کے حدود تو ماشاء اللہ ایشیا و افریقہ کے گوشہ گوشہ تک وسیع ہو چکے ہیں، اور ان ممالک میں کروڑوں باشندے "ابن اللہ" کے کلمہ گو موجود ہیں، پھر کیا اب تک ان بے شمار مقدس نفوس میں ایک شخص بھی یورپی مسیحیوں کے ہم سطح اور ہم پلہ پیدا نہیں ہو سکا ہے؟

---

سیرۃ النبیؐ کے ساتھ ساتھ سیر الصحابہؓ کا جو سلسلہ دار المصنفین کے زیر اہتمام ترتیب پا رہا تھا، الحمد للہ کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا، اس کی ایک جلد اسوۂ صحابہؓ کے نام سے ۳۵۰ صفحوں میں چھپ کر تیار ہو گئی ہے، اس کے مؤلف مولانا عبد السلام ندوی ہیں، انھوں نے اس جلد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعتقادات، عبادات، اخلاق اور معاملات، واقعات و حالات کو مستند کتب حدیث سے فراہم کیا ہے، یہ اس لائق ہے، کہ آج ہر مسلمان اس کو اپنے پیش نظر رکھے، اور صحابہؓ کے اسوہ پر عمل کرنے کی کوشش کرے،

سیرۃ النبیؐ کے مقدس سلسلہ کے بعد دار المصنفین کا یہ دوسرا مقدس سلسلہ ہے، جو دس بارہ جلدوں پر مشتمل ہوگا، اسوۂ صحابہؓ جلد اول اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے،

(معارف ماہ فروری سنہ ۱۹۲۲ء)

## (۳)

پروفیسر ایڈورڈ براؤن سے زیادہ بڑا اور نامور مستشرق اس وقت انگلستان میں کوئی نہیں، پروفیسر موصوف عام مستشرقین یورپ کی طرح صرف پیشہ کے طور پر اورینٹلسٹ نہیں ہیں، بلکہ حقیقت میں ان کو مشرق، مشرقیات، مشرقی و اسلامی علوم سے عموماً اور ایرانی فارسی زبان و ادب سے خصوصاً شغف ہی نہیں ایک والہانہ عشق ہے، انھوں نے نہ صرف علمی حیثیت سے بلکہ اپنے عالمانہ و فاضلانہ رتبہ سے نیچے اتر کر سیاسی حیثیت سے بھی پورے مشرق کی عام طور سے اور ایران کی خاص طور سے گراں بہا خدمات انجام دی ہیں،

فروری سنہ ۱۹۲۲ء میں ان کی زندگی کا ساٹھواں سال بخیر و خوبی ختم ہوا، اس ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر

ان کے شاگردوں، مداحوں اور قدردانوں نے انہیں مبارکبادیں دیں، اور ان کی خدمت میں تہنیت نامے پیش کیے، کیمبرج کی اسلامی سوسائٹی نے عربی میں اور اعیان ایران نے فارسی میں مختصر ایڈریس ان کو دیئے، یہ ایڈریس مارچ کے اوائل میں لندن سے ہمارے پاس اس وقت پہنچے، جب رسالہ کے تمام مضامین مرتب ہو چکے تھے، ہم ان کے اس ربط و خلوص کی ممنونیت کے اظہار کے لیے جو ان کو شبلی اکاڈمی (دار المصنفین) کے ساتھ ہے، ان عربی اور فارسی ایڈریسوں کے بعینہٖ چربے "آثار علمیہ و ادبیہ" کے عنوان کے تحت آئندہ اوراق میں درج کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ ان کی زندگی دراز ہو، اور ان کی سالگرہیں سیکڑوں دفعہ پیش آئیں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے شاہزادہ ولی عہد بہادر کے ورود کے موقع پر آنریری ڈگریوں کی جس فیاضانہ تقسیم کا اعلان کیا تھا، اس کا ذکر معارف کے جنوری نمبر میں آچکا ہے، کس قدر حسرت و یاس کا مقام ہے، کہ دنیا کی اور تمام تمناؤں کی طرح اس کی یہ تمنا بھی پوری نہ ہو سکی، نہ شہزادہ صاحب نے مسلم یونیورسٹی میں قدم رنجہ فرمایا، نہ اکابر قوم کو حضوری کی قابل رشک سعادت حاصل ہو سکی، اور نہ آنریری ڈگریوں کی فیاضانہ تقسیم ہو سکی، جو دنیا کی علمی تاریخ میں یادگار رہ جاتی۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہم بزرگان ملت کی خدمت میں اپنی دلی ہمدردی و تعزیت کا تحفہ بصد ادب پیش کرتے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد، غالب کے فلسفہ

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

کے پورے رازشناس تھے، "راوی معتبر" کا بیان ہے کہ ٹھیک اسی تاریخ کو جبکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کی یہ دلچسپ مجلس ہونے والی تھی، ان حضرات نے علی گڑھ و لکھنؤ کے وسط میں ایک مشہور اسلامی ریاست میں ایک دوسری بزم سرور ترتیب دی، اور علی گڑھ کا غم غلط کرنے کے لیے ایک شبانہ روز مخموری و سرخوشی میں بسر فرمایا۔

پروفیسر جان اڈمس اس وقت انگلستان کے ایک ممتاز ماہر فن تعلیم ہیں، اس فن پر ان کی متعدد تصانیف

ہیں، اور ان کا ہر ارشاد تعلیمی حلقوں میں ایک خاص وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، حال میں آپ نے معلمین و اساتذہ کی ایک کانفرنس کے سامنے بیان فرمایا کہ:

> "ایک چہل سالہ بالغ مرد کی بہ نسبت ایک چہاردہ سالہ نابالغ لڑکے
> میں عقل و فہم بہت زیادہ ہوتی ہے"۔

اس پر بعض اخبارات و رسائل میں ایک غل مچ گیا ہے، کہ پروفیسر موصوف سے ہر طرف سے دلیل اور ثبوت کا مطالبہ ہو رہا ہے، بہت ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف کے پاس اس کا ثبوت صرف ان کا اپنا ذاتی تجربہ ہو، اگر ایسا ہے تو انھوں نے اپنی "آپ بیتی" کو کلیہ کی صورت قرار دینے میں عجلت فرمائی۔

لندن کا روزنامہ "ڈیلی میل" اس خبر کا ذمہ دار ہے، کہ کوین نامی ایک بز قصاب جو اکثر اپنے چہار سالہ بچہ کو سینما دکھانے اپنے ساتھ لیجایا کرتا تھا، ایک روز اپنے بچہ کے ساتھ کھیل رہا تھا، کہ دفعتہً اس بچہ نے چھرا اٹھا کر باپ کے سینے میں یہ کہہ کر بھونک دیا کہ تماشا میں ایسا ہی تھا، زخم پھیپھڑے میں لگا، اور اتنا کاری تھا کہ اسپتال پہنچتے پہنچتے روح مفارقت کر گئی۔ ہندوستان میں جو لوگ سینما دیکھنے کے دلدادہ ہوتے جاتے ہیں، ان کے لیے بہتر ہوگا کہ کبھی کبھی اس قسم کی خبریں بھی سن لیا کریں، سینما کے برکات کی یہ کوئی اتفاقی مثال نہیں، اس کے اثر سے اس طرح کے اور اس سے ہلکے جرائم بارہا رونما ہو چکے ہیں، ہولناک مناظر، اور دہشت انگیز نظاروں کو دیکھ کر لوگوں اور خصوصاً کم عمر لڑکوں کی قوت متخیلہ کا متاثر ہونا لازمی ہے۔

مسز ہنڈری نے جنوری کے رسالہ نائنٹینتھ سنچری میں ایک مضمون "مے نوشی و مرض آتشک کی لعنت" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، جو اس حقیقت کی ایک تازہ شہادت ہے کہ اہل مغرب کو اپنی عیش پرستیوں کا اپنے حق میں وبال جان ہونا اب خود محسوس ہونے لگا ہے، مرض آتشک کے حدود اس قدر وسیع ہو گیے ہیں، کہ بقول خاتون موصوفہ بریڈ فرڈ (ضلع یارک شائر) کے شفاخانۂ اطفال میں اس سال جتنے بچے داخل ہوئے ہیں، ان میں ہر تین میں ایک بچہ موروثی مرض آتشک کا شکار پایا گیا، اور جو دارکی

نابینا بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کیے گیے ہیں، ان کی ۵۵ فیصدی آبادی کے عدم بصارت ہونے کا باعث ان کے والدین کا مریض آتشک ہونا پایا گیا، اسی طرح کی خانہ بربادی اور اخلاقی تباہی شراب کے ہاتھوں بھی ہو رہی ہے، ہزارہا خاندانوں کو شراب نے ہمیشہ کے لیے مفلس و فاقہ مست بنا دیا ہے، اور ہزارہا گھرانوں میں جنون، دیوانگی اور امراض عصبی و دماغی نے اپنا گھر بنا لیا ہے،

خاتون موصوفہ بعض دردناک تفصیلات و اعداد درج کرنے کے بعد ان کا علاج یہ تجویز فرماتی ہیں، کہ شراب کی فروخت کو قانوناً بہت محدود کر دیا جائے، اور شادی سے قبل زوجین سے اس کا حلف لے لیا جائے، کہ وہ مرض آتشک سے پاک ہیں، اور اگر کوئی جھوٹا حلف اٹھا لے تو اسے سخت سزا دی جائے، ملک سویڈن میں اس قسم کا قانون عرصہ سے جاری ہے، اور بہ اثبات جرم، مجرم کو چند ماہ قید سخت کی سزا ملتی ہے، ڈنمارک اور جدید سلطنت زیکوسلوویکیا میں بھی غالباً اس قسم کے قوانین زیر غور ہیں، لیکن یورپ کی بڑی سلطنتیں ابھی اس باب میں خاموش ہیں، خاتون موصوفہ چاہتی ہیں، کہ دول عظمیٰ جلد اس خطرہ کی جانب توجہ کریں، اور کم از کم برطانیہ تو فوراً امتناعی و تعزیری قوانین نافذ کر دے،

یورپ کا دماغ اپنی فطری سطح بینی کے لحاظ سے مجبور ہے، کہ امراض کے دفعیہ کے لیے محض سلب علامات کو کافی سمجھ لے، لیکن ظاہر ہے کہ کسی مرض کا استیصال ممکن ہی نہیں، تاوقتیکہ اس کے ......، اصلی علل و اسباب کو نہ دور کیا جائے، اسلام نے حکیمانہ دور اندیشی اور انسان کی صحیح فطرت شناسی کے ساتھ زہریلے امراض کو کوئی اہمیت نہیں دی، بلکہ سرے سے اس شئ کی بیخ کنی کر دی، جو امراض خبیثہ کا باعث اور سبب بن سکتی ہے، یعنی ناجائز تعلق زن و مرد، فطرت بشری کی کمزوریوں پر نظر کر کے مرد و زن دونوں کے لیے متعدد سہولتیں بہم پہنچا دیں، مثلاً تعدد ازدواج کو جائز کر دیا، طلاق کی اجازت دیدی، شرائط نکاح کو نہایت آسان کر دیا، وقس علی ھذا، دوسری طرف زنا کو معصیت کبیرہ قرار دے کر اس کی سزا اتنی سخت رکھی کہ قانون اسلامی کے نفاذ کی صورت میں مشکل ہی سے کسی کو ارتکاب جرم کی ہمت پڑ سکتی ہے، ارشاد ربانی ہے:

| | |
|---|---|
| اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا | زناکار عورت و مرد دونوں میں سے ہر |
| کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ | ایک کو سو سو درے مارو، اور اگر اللہ اور |

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ
فِي دِينِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (نو ۷-۱)

روز آخرت کا یقین رکھتے ہو، تو خدا کے
حکم کی تعمیل میں ان پر کسی طرح کا ترس نہ کھانا
اور ان پر اس تعزیر کے وقت چاہیے کہ
مسلمانوں کا ایک گروہ ان کی رسوائی و
فضیحت کے لیے بھی موجود رہے۔

آپ آگ کے دھوئیں سے پریشان ہو رہے ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ گیلی لکڑیاں تو خود آپ ہی نے سلگا رکھی ہیں، اگر بغیر اس آگ کو بجھائے آپ دھوئیں کو بند کر دینا چاہتے ہیں، تو آپ کا دماغ اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔

انگلستان میں ازدواجی زندگی کی مسرتیں اس قدر عنقا ہو گئی ہیں، کہ اگر اتفاق سے کسی کو یہ نعمت میسر ہو جاتی ہے، تو ہزارہا قلوب جذبۂ رشک سے معمور ہو جاتے ہیں، چند روز ہوئے لندن میں ایک صاحب مسٹر گلیزبرڈ نے وفات پائی اور مرتے وقت اپنے وصیت نامہ میں اپنی رفیقۂ زندگی کے متعلق لکھا، کہ "وہ بہترین رفیقۂ حیات ثابت ہوئیں، ان کے کسی قول یا فعل سے مجھے تمام عمر تکلیف نہیں پہنچی" اس وصیت نامہ کا شائع ہونا تھا کہ مسز گلیزبرڈ کے نام بے شمار خطوط تہنیت آنے شروع ہو گئے، چنانچہ صرف ایک ہفتہ میں ۲۷۳۳۴ خطوط آئے، ان میں سے صدہا خطوط خواستگاران ازدواج کے تھے جنھوں نے اپنے فوٹو بھیج کر اس بیوہ خاتون کو پیام نکاح دیا۔

یہ ہے، اس نظام تمدن کی برکت، جس کے پرستاروں کے نزدیک طلاق، نکاح، مشرقی عفت اور شوہر پرستی، تاریکی اور جہالت کے دور کی یادگاریں ہیں۔

صوبۂ متحدہ کی قانونی کونسل کے پہلے اجلاس میں ایک ہندو ممبر صاحب کی جانب سے یہ تجویز پیش ہوئی، کہ صوبہ میں ایک ایسا کالج قائم کیا جائے، جس میں علوم و فنون کی تعلیم انٹرمیڈیٹ تک اور اعلیٰ نصاب صوبہ کی زبان میں پڑھایا جائے، اور رفتہ رفتہ اس کالج کو الحاقی یونیورسٹی کے رتبہ تک پہنچایا جائے، گورنمنٹ کی جانب سے اس تجویز کی بڑی سرگرم مخالفت ہوئی، شعبۂ تعلیمات کے وزیر، سکریٹری، ڈائرکٹر سب نے مخالفانہ تقریریں کیں،

جن میں دلائل کی قوت کے مقابلہ میں الفاظ کا جوش بہت تھا، دوران بحث میں ایک اور ہندو ممبر نے یہ ترمیم پیش کی، کہ تحریک میں بجائے کالج کے ہائی اسکول کا لفظ رکھدیا جائے، اور سردست اس کوشش کو اسکولی تعلیم تک محدود رکھا جائے، گورنمنٹ نے اس کی بھی مخالفت کی، لیکن کثرت رائے سے بالآخر یہ ترمیم شدہ تحریک منظور ہو گئی، سرکاری نظام تعلیم میں اس بدعت کے داخل ہو جانے سے وفا کیشان قدیم کو جو صدمہ اور ملال ہوا ہوگا اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں۔

لیکن سچ یہ ہے، کہ جس پارٹی کو اس معرکہ میں فتح ہوئی ہے، اسے بھی اپنی کامیابی پر زیادہ نازاں ہونا نہیں چاہیے، اس لیے کہ اول تو تحریک کالج سے متعلق تھی، اور منظوری صرف ہائی اسکول کی مل سکی، دوسرے یہ کہ دلائل کی قوت خیر سے کچھ ادھر بھی بہت زائد نہ تھی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن، اور سررشتہ تعلیم و تجربہ” یہ الفاظ ہر مقرر کی زبان پر تھے، بار بار انہی کا حوالہ دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی ان سے مرعوب ہو گئی، جیسا کہ وزیر تعلیمات کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے، پس اگر صوبہ متحدہ میں آج سرکاری مدارس کی زبان تعلیم ملکی زبان ہو رہی ہے، اور اس کے اثرات کالج اور یونیورسٹی تک پھیلا چاہتے ہیں، تو اس کی داد کی مستحق دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی ہی ہے، جس کی شعاع فیض نے سرکار انگریزی کے علاقوں کو بھی منور کرنا شروع کر دیا ہے، دنیا کے ہر نیک و بد فعل کا یہی حال ہے کہ اس کا اثر قیامت تک پھیلا رہتا ہے، اور اس کے فاعل اول کے نامۂ اعمال کو سیاہ و سفید کرتا رہتا ہے، انہی مواقع کے لیے کہا گیا ہے:

نیکواں رفتند و سنتہا بماند — وز لئیماں ظلم و لعنتہا بماند
رگ رگ است ایں آب شیریں و آب شور — در خلائق می رود تا نفخ صور
نیکواں را ہست میراث از خوش آب — آنچہ میراث است اورثنا الکتاب

اب تک حکمراں طبقہ کا یہ خیال تھا، کہ ملکی زبانوں میں اس کی صلاحیت ہی نہیں، کہ وہ علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کا آلہ یا ذریعہ بن سکیں، اگر آج سے کچھ پیشتر کونسل میں یہ مسئلہ چھڑا ہوتا تو یقیناً یہی جواب ملا ہوتا، لیکن الحمد للہ کہ اس موقع پر گورنمنٹ کی جانب سے یہ کہنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی، گورنمنٹ کی جانب سے تجویز کی مخالفت میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں تشفی بخش

تو ان میں سے کوئی بھی دلیل نہیں تھی، تاہم بعض ایسے دلائل تھے جو اصل موضوع سے بالکل غیر متعلق تھے، مثلاً صیغۂ تعلیمات کے سکریٹری صاحب کا یہ فرمانا کہ ہندوستان بھر کے تعلیم یافتہ طبقوں میں رشتۂ اتحاد پیدا کرنے والی صرف انگریزی زبان ہے، یا یہ کہ سلطنت برطانیہ کے دوسرے حصوں کی بھی جن سے ہندوستان کو ہر وقت سابقہ رہتا ہے، زبان انگریزی ہے، یہ دلائل اس وقت البتہ کچھ قوت رکھ سکتے تھے، جب انگریزی زبان کو مٹا کر ملکی زبان میں بھی تعلیم دینے کا مطالبہ ہوتا، حالانکہ اس وقت خواہش صرف اتنی ہے کہ انگریزی کے پہلو بہ پہلو ملکی زبانوں میں بھی تعلیم ہوتی رہے، اس میں بعض دلائل ایسے تھے جو سرتاسر ناواقفیت یا غلط فہمی پر مبنی تھے، مثلاً یہ کہنا کہ" اردو اور ہندی دونوں میں سے کس کو ملکی زبان قرار دیا جائے، ان دونوں میں سے کوئی ایک جو بھی رکھی جائے گی، دوسرا فریق اس کی سخت مخالفت کرے گا، اور ہنگامۂ فساد گرم ہو جائے گا۔

---

گورنمنٹ اور بعض برادران وطن کی یہ اصولی غلطی مدت سے چلی آ رہی ہے، کہ وہ صوبہ کی ان دو زبانوں کو ایک دوسرے سے مختلف قرار دیتے ہیں، مشترک زبان تو صرف ایک ہے، جسے ہندوستانی سے ہم موسوم یا اس سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس کی بیسیوں شاخیں اور صورتیں اور شکلیں ہیں، ہر ضلع کی بولی دوسرے ضلع سے مختلف ہے، ہر طبقہ کی زبان دوسرے طبقہ کی زبان سے الگ ہے، دہقانیوں کی زبان شہریوں سے، شہریوں کی زبان عوام سے، پڑھے لکھوں کی زبان ان پڑھوں سے، عالموں کی زبان غیر عالموں سے، دوکانداروں اور مہاجنوں کی زبان شاعروں اور ادیبوں سے یقیناً جدا ہے، لیکن کیا کوئی منصف مزاج شخص ان فروق کو مستقل مختلف زبانیں قرار دے سکتا ہے، چاسر کی انگریزی شکسپیر کی انگریزی سے، اور شکسپیر کی زبان سے موجودہ عہد کی انگریزی کو کیا مناسبت ہے، با ایں ہمہ ان اختلافات کے باوجود ان سب پر انگریزی زبان کا اطلاق ہوتا ہے، قرآن پاک کی مقدس زبان اور موجودہ عربی زبان میں آسمان و زمین کا فرق ہو گیا ہے، تاہم دونوں ہی پر عربی زبان کا اطلاق ہوتا ہے، وہ بھی عربی ہے اور یہ بھی عربی ہی ہے، سعدی و حافظ کی جو پاکیزہ فارسی زبان تھی، اس سے ایران کی موجودہ فارسی زبان سے کیا نسبت ہے، پھر بھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ فارسی تھی، اور یہ کوئی جدید زبان ہے، دونوں ہی کو فارسی کہا جاتا ہے۔

انگلستان میں بھی تحریر کی زبان اور ہے، اور روزمرہ اور بول چال کی اور، پھر انگلستان کے مختلف حصوں کی بولیاں الگ الگ ہیں، اور بسا اوقات ایک ضلع کی بولی دوسرے ضلع کی بولی سے اتنی مختلف ہے، کہ اس ضلع کے باہر کے لوگوں کے لیے اس کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، تاہم ان سب بولیوں کو انگریزی ہی سمجھا جاتا ہے، سر والٹر ہیرن اپنی لیڈی کے ساتھ تیس سال انگلستان کے باہر مختلف ملکوں کے قونصل خانوں میں تھے، ابھی حال میں جب انہوں نے لندن مراجعت کی، تو انہوں نے اور ان کی لیڈی صاحبہ دونوں نے ایک اسکول کے تقسیم انعامات کے ایک بھرے جلسہ میں بیان کیا کہ اتنے عرصہ میں یہاں کی زبان اتنی بدل گئی ہے، کہ ہم لوگوں کو بازار میں بات چیت کرنے اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے میں سخت دقت ہوتی ہے، تو کیا اس بنا پر یہ کہنا درست ہوگا کہ اب انگلستان میں انگریزی کے بجائے کوئی جدید زبان رائج ہو گئی ہے، مشہور فارسی رسالہ "کاوہ" لکھتا ہے، کہ جس مفہوم کو صحیح و سلیس فارسی میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے:

"ایں عبارت برائے بیان اوضاع عالیہ و اتفاقاتے کہ رخ دادہ و می دہد وافی نیست۔"

اس کو آج کل کے ایرانی اخبارات میں یوں لکھتے ہیں:

"ایں فراز برائے افادۂ وضعیات کوران سیاست روزمرہ کہ عرض اندام کردہ مبہمیت نامحدودے را در بر دارد۔"

تو کیا اس نامفہوم عبارت کو فارسی زبان کے قلمرو سے خارج کر دینا صحیح ہوگا۔

غرض اصلاً و مستقلاً تو صوبہ کی زبان صرف ایک ہے، البتہ امتداد زمانہ نے اس کی دو خاص شکلیں پیدا کر دی ہیں، ایک تو وہ ہے، جو خارجی اثرات سے تقریباً غیر متاثر رہی، اور اب تک ایک بڑی حد تک اپنی قدیم خالص و بے آمیز حالت میں ہے، اس نے اگر کچھ خارجی اثر قبول کیا ہے تو سنسکرت کا، اس شاخ یا شکل کو عرف عام میں ہندی سے موسوم کرتے ہیں، دوسری وہ ہے جو سنسکرت، عربی، فارسی، یونانی، ترکی، پرتگالی، اور انگریزی سے دل کھول کر شیر و شکر ہوئی، اور ان تمام زبانوں کے اثرات کو پوری آزادی و بے تکلفی سے قبول کیا، اس کا نام اردو پڑ گیا، اردو کی موجودہ ترکیب میں چونکہ متعدد زبانوں کے عناصر شامل ہیں، اس

لیے وہ بمقابلہ اپنی حریف زبان ہندی کے زیادہ متمدن ارفع اور ادائے خیالات و مطالب کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے، تاہم اگر کسی شخص کو یا جماعت کو ہندی ہی کے ذریعہ تحصیل علم میں زیادہ سہولت نظر آتی ہے، تو وہ بلا تکلف ہندی اختیار کر سکتا ہے، کسی صوبہ میں دو زبانوں کا جاری ہونا متحدہ قومیت کے بالکل منافی نہیں ہے، ابھی معارف کے کسی پچھلے پرچہ میں دکھایا جا چکا ہے، کہ یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ میں تمام ملکی کارروائیاں ایک ہی وقت میں دو دو بلکہ تین تین زبانوں میں ہوتی ہیں۔

ناظرین معارف اس خبر کو دلچسپی کے ساتھ سنیں گے، کہ ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے خطوط جو ان کے مختلف احباب کے نام ہیں یکجا کر کے شایع کیے جا رہے ہیں، مرحوم ایک خاص رنگ انشا کے مالک تھے، ان کے مکاتیب بیحد دلچسپ ہوتے تھے، ان کا مجموعہ اردو کے ذخیرہ میں اپنی نوعیت کی ایک نئی چیز ہوگا، جن اصحاب کے پاس ان کے کچھ خطوط ہوں، وہ ان کی نقل یا اصل براہ کرم اس پتہ پر ارسال فرمائیں، سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی، افسر محکمۂ آڈٹ، بازار ملا ظریف، رام پور اسٹیٹ۔

دار المصنفین کی مجلس کارکن نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ ماہ فروری میں مہدی مرحوم کی تعزیت کی تجویز منظور کی، ان کے لیے دعائے مغفرت کی، اور ان کی جگہ پر مجلس انتظامیہ کی رکنیت کے لیے ڈاکٹر سید محمود پی، ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا (بانکی پور) کو منتخب کیا،

ہم نے گذشتہ نمبر میں معارف کے کچھ حقوق کا مطالبہ کیا تھا، ہم مشکور ہیں، کہ ہمارے دوستوں نے ادھر توجہ کی، اور قدردانوں کی ایک معقول تعداد کا اضافہ کیا، لیکن ہم کو ابھی اپنے سیکڑوں دوسرے احباب کو ان کا فرض یاد دلانا ہے، ہندوستان کے علمی رسائل کی بلند پایگی کے آپ متمنی ہیں، اگر آپ اپنا فرض اس قدر انجام نہیں دے سکتے، جس قدر یورپ کے قدردان اپنے بلند رسالوں کی قدردانی کے لیے انجام دیتے ہیں، تو کم سے کم آپ کو مصر کے قدردانان علم و ادب سے تو کم نہیں ہونا چاہیے، مصر میں شاید ہی کسی رسالہ کی قیمت ایک پونڈ سے کم ہو، تاہم وہاں کے ہر ایک رسالہ کی خریداری کا نمبر ہزاروں سے زیادہ ہے اور تو اور خود ہندوستان کے انگریزی، گجراتی، بنگالی، اور ہندی رسائل و اخبارات کی قدردانی و خریداری کا بھی یہی حال ہے مگر اردو رسائل ناقدری کے باعث سسک سسک کر جی رہے ہیں، کس قدر عبرت انگیز واقعہ ہے! (معارف ماہ مارچ ۱۹۲۲ء)

(۴)

حکومت فلسطین کے لیے جو جدید آئین و قانون منظور ہوا ہے، اس کی ایک دفعہ یہ بھی ہے، کہ وہاں کی سرکاری زبان بجائے ایک کے تین زبانیں تسلیم کی گئی ہیں، یعنی عربی، عبرانی، انگریزی، مجالس قانونی کی کارروائیاں نیز سرکاری کاغذات کی اشاعت ان تینوں زبانوں میں ہوگی، سوئٹزرلینڈ کی مثال کسی پچھلے نمبر میں دی جاچکی ہے، فلسطین کی یہ تازہ نظیر بھی ان حضرات کے لیے قابل غور ہے، جو اردو اور ہندی کو دو مختلف زبانیں قرار دے کر ہندوستان کے اتحاد اور شیرازۂ قومیت کے عدم امکان پر استدلال کرتے رہتے ہیں۔

---

گذشتہ نمبر میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی کی جگہ پر دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت کے لیے ڈاکٹر سید محمود پی، ایچ، ڈی لندن کا انتخاب ہوا تھا، وہ مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کے سکریٹری منتخب ہوئے تھے، ابھی ہم یہ لکھ ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر موصوف کی گرفتاری کی خبر موصول ہوئی، ہماری مختصر جماعت انتظامیہ میں ڈاکٹر موصوف صاحب وہ پہلے بزرگ ہیں، جنہیں اسوۂ یوسفی کا یہ شرف و امتیاز حاصل ہوا ہے، وہ ہم سب کی جانب سے تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں، آج سے کچھ پیشتر تک ان کی زندگی بڑی ناز و نعم کی رہی ہے، تاہم ان کی سنجیدگی و متانت، استقلال و استقامت خلوص و دیانت، خاکساری و بے نفسی وغیرہ اوصاف ایسے ہیں، جو اس آتش نمرود کو ان پر یقیناً گلزار خلیل بنا کر رہیں گے۔

---

دنیا کی تاریخ میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے انوکھا نہیں، ہزارہا برس ہوئے کہ ایک بہت بڑے برگزیدہ و مقدس بندہ کے متعلق، اس کی بے لوثی، بے قصوری اور پاکدامنی کے متعدد تجربات کے باوجود بھی اس وقت کے خدایان حکومت کو مصلحت کار اسی میں نظر آئی تھی، کہ اسے ایک عرصہ کے لیے محبوس کردیا جائے، ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ،،،، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ چند روز بعد وہی ہاتھ جو ملزم کو زنجیروں میں جکڑ رہے تھے، اس کی تعظیم و استقبال کیلئے آگے بڑھنے پر مجبور ہوئے، اور وہی زبانیں جو کل تک اس کے مجرم اور سزا یافتہ ہونے پر طنز کررہی تھیں، یہ عرض کرنے پر مجبور ہوگئیں، کہ آج سے آپ ہماری سرکار میں بڑے ہی باوقار اور صاحب ر

اعتبار ہیں۔ انک الیوم لدینا مکین امین

یہاں تک کہ یہی بے یار و مددگار محبوس و زندانی ساری مملکت مصر پر متصرف و مختار و حاکم علی الاطلاق ہو جاتا ہے، اور یہ واقعہ سنت الٰہی بن کر قیامت تک کے لئے کلیہ بن جاتا ہے

وکذالک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منها حیث یشاء نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین (یوسف) گو شام کی تاریکی پھیل چکی ہے، لیکن ہر شام کی اداسی پیش خیمہ ہوتی ہے صبح کی مسرت و فرحت کا، یہ صبح مسرت و شادمانی ہمارے ان محبوس و زندانی کے لیے بھی آنے والی ہے، اور وہ شاداں و فرحاں ہوکر، اس زندان خانہ سے برآمد ہوں گے، اور کیا عجب ہے کہ ان کی یہ قید و اسارت پورے ملک پہ قوم کی حکمرانی کا پیش خیمہ ہو۔

مسلمانوں کو اپنی مذہبی زبان سے جو شغف و محبت ہے، اس کا ایک تازہ ثبوت اس واقعہ سے بہم پہنچتا ہے، کہ ۲۲؁ کے میٹریکولیشن امتحان میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں ۲۵۱۰ طلبہ نے شرکت کی، ان میں سائنس کا مضمون لینے والوں کی تعداد ۱۴۹۱ تھی، ڈرائنگ لینے والوں کی ۲۸۷، سنسکرت لینے والوں کی ۱۱۷۰، فارسی لینے والوں کی ۳۹۸ اور عربی لینے والوں کی تعداد کل ایک درجن یعنی ۱۲ تھی، یہ کس قدر عبرت انگیز ہے، جس قوم کے احساس حمیت و غیرت کو دوسرے مضامین کے مقابلہ میں عربی لینے والوں کے یہ اعداد پیدا نہیں کر سکتے، اس کیلئے الفاظ کا تازیانہ قطعاً لاحاصل ہے۔

کچھ روز ہوئے لندن کے ایک ہوٹل میں، ایک دلچسپ موضوع پر علمی مذاکرہ رہا، اس کا عنوان یہ تھا کہ ایک صدی کے بعد برطانوی شاہنشاہی کس حالت میں ہوگی، جلسہ میں پہلے انگلستان کے مشہور صاحب فکر و قلم ایچ، جی، ویلز کی تحریر پڑھی گئی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ ایک صدی کے اندر برٹش امپائر کا وجود باقی نہ رہے گا، اس وقت تک یا تو یہ سلطنت ارتقائے تہذیب و تمدن میں اپنے فرائض پوری طرح انجام دے کر آزاد ریاست ہائے متحدہ کی طرح کسی جمہوری قالب میں تبدیل ہو چکی ہوگی، اور یا جرمن اور رومی شہنشاہیوں کی طرح انسانی ترقی کے حق میں سد راہ ہو کر فنا و مردہ ہو چکی ہوگی، جلسہ میں ایک اور نامور مصنف

سر رائڈر ہیگرڈ بھی موجود تھے۔ انھوں نے اس خیال کی کلیۃً تردید کی، اور ارشاد فرمایا کہ روئے ارض پر اب تک جو بہترین نظام حکومت قائم ہو سکا ہے، وہ یہی برٹش امپائر ہے، اس کی بربادی دنیا کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، ایک صدی میں یہ بے شبہہ ممکن ہے کہ مشرق میں برطانوی اقتدار نہ باقی رہ جائے، لیکن اس کا علاج یہ ہے کہ خالص برطانوی نسل کی قوت کو ترقی دی جاتی رہے، ہمارے بقائے وجود کے لیے اس کو قوت دیتے رہنا کافی ہوگا۔

مستقبل کی بابت یقین وقطعیت کے ساتھ حکم لگانا تو دانایان فرنگ و عقلائے مغرب" ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ پست حوصلہ، کم ہمت و تاریک خیال مشرق، لے دے کر صرف ماضی ہی کے مطالعہ میں مصروف رہ سکتا ہے، اور یہ مطالعہ بھی عقل کی برقی روشنی میں نہ ہوگا، بلکہ نقل کے فطری مصباح ہدایت کی شعاعوں میں اس کے محدود کتب خانہ کی الماری کے سب سے اونچے خانہ میں ایک" کتاب مبین" رکھی رہتی ہے، اس میں قانون کی ایک دفعہ اس کو ان الفاظ میں ملتی ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ
وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ
فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ. فَلَمَّا
جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ
فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ
وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا
قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا
بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ،

کیا یہ لوگ روئے زمین پر نہیں چلے پھرے
اور اس امر پر نظر نہیں کی، کہ جو لوگ
ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کا کیا انجام
ہوا، وہ ان سے تعداد میں کہیں زیادہ
تھے، نیز قوت اور اپنے آثار باقیہ کے اعتبار
سے ان لوگوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے،
مگر ان کی یہ ساری دنیوی کمائی ان کے
کچھ کام نہ آئی، جب ان کے رسول
ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لیکر
آئے تو یہ لوگ اپنی لیاقت علمی پر نازاں
رہے، اور بالآخر جس عذاب کی ہنسی اڑایا

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ
لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ
الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ
وَخَسِرَ هُنَالِكَ
الْكَافِرُونَ ۝

(مومن - ۹)

کرتے تھے، وہی ان پر الٹ پڑا، پس جب
انہوں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو کہنے
لگے کہ اب ہم خدائے واحد پر ایمان لائے
اور جن چیزوں کو شریک خدائی ٹھہراتے
تھے، انہیں اب ہم نہیں مانتے، مگر اس
وقت جبکہ ہمارے عذاب کو انہوں نے دیکھ لیا
تو ان کا ایمان لانا کچھ بھی سود مند نہ ہوا،
یہ قانون الٰہی ہے، جو سدا سے اس کے
بندوں میں جاری ہے مگر جو لوگ منکر تھے
وہی نزول عذاب کے وقت گھاٹے میں رہے"

ممکن ہے یورپ کو اپنے غیر محدود ذرائع علم و معلومات سے اس قدیم قانون کی تنسیخ کی اطلاع مل گئی ہو۔

---

ڈیلی میل انگلستان کا نہایت کثیر الاشاعت اخبار ہے، اس کے ایک تازہ نمبر میں ایک "ماہر نفسیات" کا مضمون "زندگی سے خائف" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس میں اس مسئلہ پر توجہ کی گئی ہے، کہ متمدن ممالک میں زندگی کی جانب سے بے لطفی و انقباض بلکہ خوف روز بروز کیوں بڑھتا جاتا ہے، فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں، کہ

"حال میں میں نے بہ کثرت اشخاص (ذکور و اناث) سے سوال کیا، کہ اگر ممکن ہو، تو آپ دوبارہ دنیا میں آنا چاہتے ہیں، مگر کسی نے اس کا جواب قطعاً اثبات میں نہیں دیا...... اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی جانب سے بے لطفی و بے انبساطی کی لہر عام طور پر دوڑی ہوئی ہے، اور اس کے علامات و شواہد ہر طرف نظر آرہے ہیں، جنون

> و دیوانگی کا مرض بڑھتا جاتا ہے، خودکشی کرنے والوں کی تعداد ترقی پر ہے، امراض دماغی چیچک سے کم کثیر الوقوع نہیں ہو رہے ہیں، وقتی مسرت و بے فکری اور بے اطمینانی کی ہر طرف گرم بازاری ہے، اور افکار و ترددات ہنگامی فرحت حاصل کرنے کے لیے، جنسی و جوش آفریں دواؤں کا استعمال روز افزوں ہے۔"

سب سے بڑھ کر یہ کہ سکون و راحت جس شے کا نام ہے، وہ موجودہ متمدن دنیا سے بالکل عنقا ہو گئی ہے، ہر شخص افتاں و خیزاں حوادث عالم کے تیز دھارے کے ساتھ بہا چلا جا رہا ہے، اور نشہ یا تماشہ کی مدد سے مکروہات دنیوی سے جو عارضی نجات مل جاتی ہے، اس کو بہت غنیمت سمجھتا ہے، ان حالات میں فاضل موصوف خاتمہ پر دردناک لہجہ میں سوال کرتے ہیں، کہ کوئی ہے جو اس بے انبساطی کی وبا کی اصل علت کا پتہ چلا سکے؟

---

اللہ اکبر! یہ صدائے کرب و فریاد یاس کہاں سے اٹھ رہی ہے، اس مقدس سرزمین سے جس کا چپہ چپہ ہماری نظروں میں کامرانیوں اور خوش بختیوں کا گنجینہ تھا، جس کا ایک ایک ہوٹل اور چائے خانہ، ایک ایک قصر و ایوان ہمارے نزدیک جنت نگاہ تھا، جس کی سرسری سیاحت بھی ہمارے قلوب کو مسرت و شادمانی اور سرور و نشاط سے معمور کر دینے کے لیے کافی تھی، کیا خدانخواستہ حزن و الم، انقباض و ملال کا گذر اس شبستان عشرت کے حدود میں بھی ہے، جس سراپا ناز محبوب کو ہم اب تک خورد سال اور حسن و شباب، دلربائی و نزاکت کی تصویر سمجھتے رہے، وہ در اصل ایک عجوزۂ ہشتاد سالہ ثابت ہو رہی ہے، کیا ہمارا مفروضہ ایوان عیش درحقیقت ماتم سرا تھا؟ کیا اب تک ہم زہر پر قند کا، نالہ و شیون پر رقص و سرور کا، اور عفریت گاہ پر پرستان کا دھوکہ کھاتے رہے، بس ماتم کرنا چاہیے ہمیں اپنی محرومیوں پر، اپنی شور بختیوں پر، اور اپنی حسرت نصیبوں پر، کہ سراب پر پانی کا گمان کرتے رہے۔

---

یورپ کا ماہر نفسیات فرط یاس و حسرت میں پکار اٹھتا ہے، کہ کوئی ہے جو دل کی بے قراری، بے اطمینانی و بے انبساطی کا علاج بتا سکے، صحرائے عرب کا ایک امیؐ جواب دیتا ہے کہ میں طبیب مطلق کے حکم سے ایک قطعی اور مجرب نسخہ بتاتا ہوں، "اگر تمہاری قسمت تمہاری بداعمالیوں کے باعث بالکل ہی سیاہ نہیں ہو چکی ہے، تو تمہیں بھی اس کے استعمال کی توفیق ہو گی۔" اس نسخہ کا صرف ایک ہی جزء ہے، اور وہ ایک چھوٹا سا پنج حرفی

لفظ ہے، ایمان، دلوں میں اطمینان و بے خوفی پیدا کرنے والی، اور قلوب کو اضطراب و تردد سے نجات دلانے والی صرف یہی ایک شے ہے۔ شافیِ مطلق کے صحیفۂ شفا کے تقریباً ہر صفحہ میں اس کا ذکر آتا ہے۔ کسی مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے، کہ

| | |
|---|---|
| مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ، | ہر مصیبت خدا ہی کی طرف سے آتی ہے، اور جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ان کے دلوں کو ایسے مواقع پر ٹھکانے پر رکھتا ہے۔ |

کہیں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں، کہ

| | |
|---|---|
| فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا، <br> (جن ـ ۱) | جو لوگ اپنے پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں نہ کسی نقصان کا خوف رہ جاتا ہے، نہ کسی کے ظلم کا۔ |

ایک مقام پر یہ فرمان صادر ہوا ہے:

| | |
|---|---|
| اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، | تسکین قلوب تو ذکر الٰہی سے ہوتی ہے۔ |

ایک مقام پر تو گویا اسی ماہر نفسیات ہی کے سوال کو ٹھیک سامنے رکھکر جواب ارشاد ہوتا ہے کہ

| | |
|---|---|
| فَأَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ <br> (انعام ـ ۹) | یہ تو بتاؤ کہ دونوں فریقوں میں امن و اطمینان سے رہنے کا زیادہ حقدار کون ہے، اگر عقل رکھتے ہو تو خود ہی سمجھ لوگے کہ جو لوگ خدا پر ایمان لائے، اور اپنے ایمان میں انہوں نے کسی ظلم کی آمیزش نہیں کی، وہی لوگ امن و اطمینان خاطر کے مستحق ہیں، اور وہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔ |

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ
لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ
لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِکَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ، (یونس - ۷)

جو لوگ صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ ہوتے ہیں، ان کی عاقبت تو بخیر ہوتی ہے، سنت الٰہی یہ رکھی گئی ہے کہ ان کی زندگی بھی بڑی راحت سے گذرتی ہے، اور خیال کیا جائے تو یہ کتنی بڑی کامیابی ہے،

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ
فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّ
نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی،
(طٰہٰ - ۷)

البتہ جن بدبختوں کے قلوب ایمان و ذکر الٰہی سے خالی ہیں، تو قطع نظر اس کے کہ آخرت میں وہ نابینا اٹھیں گے، دنیا میں بھی ان کی زندگی ضیق ہی میں گذرے گی،

اس طرح کے ایک دو نہیں بکثرت ارشادات موجود ہیں، جن میں ایمان کی دنیوی برکات بیان کی گئی ہیں، اور ایمان و ذکر الٰہی کو دنیوی فلاح و بہبود، امن و اطمینان کا بہترین نسخہ بتایا گیا ہے،

چھ سو برس ہوئے اسی نکتہ کی تفسیر قونیہ روم کے زندہ جاوید عارف نے اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں یوں کی تھی، کہ امن و آسائش صرف خلوت گاہ حق میں میسر آسکتی ہے، باقی جس طرف دوڑو گے، افکار و ترددات ہی کا سامنا رہے گا، گوشۂ باغ کی تلاش کروگے تو وہاں بھی حشرات الارض ساتھ نہ چھوڑیں گے، صبر اور شانتی پیدا کرنے والی شے صرف ایمان ہے، جس کے ایمان میں جس قدر ضعف ہے، اسی قدر وہ پریشان خیالیوں میں مبتلا رہے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

ہر کہ دور از رحمت رحمٰن بود
او گدا چشم است گر سلطان بود
گر گریزی بر امید راحتے
زاں طرف ہم پیشت آید راحتے
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست
واللہ ار سوراخ موشے در روی
مبتلائے گربہ چنگالے شوی
آدمی را فربہی ہست از خیال
گر خیالاتش بود صاحب جمال

در خیالاتش نساید ناخوشے — می گدازد ہم چو موم از آتشے
صبر شیریں از خیال خوش شد است — کاں خیالاتِ فرج پیش آمد است
یاں فرج آید ز ایماں در ضمیر — ضعف ایماں ناامیدی و زحیر
صبر از ایماں بیابد سر کلہ — حیث لا صبر فلا ایمان لہٗ

تیمارداروں اور غم خواروں کا کام یہ ہے، کہ طبیب کے بلانے اور دوا کے تیار کرنے میں مدد دیں، اور طبیب کا کام یہ ہے، کہ نسخہ تجویز کر دے، باقی اس کا استعمال کرنا یہ صرف مریض ہی کے ہاتھ میں ہے، اس وقت ہم سب مریض ہیں، دعا ہے کہ ہم سب کو اس کے استعمال کی توفیق نصیب ہو،

---

روس کا ہولناک قحط بدستور جاری ہے، انگریزی اخبارات و جرائد میں ہر مہینہ اس کے متعلق ہولناک اور درد انگیز حالات اس کثرت سے آتے رہتے ہیں، کہ اگر قلب عبرت پذیر ہو، تو اس کے لیے زندگی بھر کو کافی ہو سکتے ہیں، ایک موضع کے متعلق اطلاع آئی ہے کہ وہاں کے باشندوں نے کتے، بلی اور چوہوں کو مار کر کھانا شروع کیا، اور جب ان کا بھی ذخیرہ ختم ہو گیا، تو دوزخ شکم کو درختوں کی پتیوں اور چھالوں سے پُر کرنے لگے، یہاں تک کہ جب ان کا بھی نام و نشان نہ باقی رہ گیا، تو خود طعمۂ اجل بننے لگے، ایک گاؤں میں پچاس گھرانوں کی آبادی تھی، اس میں یومیہ دس نفوس کی اموات ہونے لگی، اب تک ۲۲-۲۳ لاکھ کے قریب روس کی آبادی ترک وطن کرنے اور خانماں برباد ہونے پر مجبور ہو گئی ہے، ایک شہر سے دو ہزار آدمی تلاش رزق میں باہر نکلے، مسلسل فاقہ کشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے صرف سات سو زندہ بچے، تیرہ سو نفوس راستہ ہی میں لقمۂ اجل ہو گیے، متعدد مواضع ایسے ہیں جن کے آمد و رفت کے راستے مسلسل برفباری نے مسدود کر دیئے ہیں، وہاں کے باشندوں کے لیے بجز اس کے چارہ نہیں کہ گھٹ گھٹ کر جان دیدیں، دیوانگی کا مرض عام ہو گیا ہے، شدت گرسنگی میں بے شمار مرد و زن دیوانوں کی طرح ادھر ادھر اپنا سر ٹکراتے پھرتے ہیں، غرض سارا ملک اس وقت درد و عبرت کا مجسمہ بنا ہوا ہے، اور اس کیفیت کو قائم ہوئے ایک مدت ہو چکی ہے، امریکہ اور انگلستان وغیرہ کی امدادی جماعتیں کام کر رہی ہیں، اور ہر طرح کی امداد پہنچا رہی ہیں، لیکن اس مہیب و ہلاکت خیز درد کا درماں اب کسی کے بس میں نہیں ہے، یہ وہی سلطنت روس ہے، جس کی عظمت و جبروت

کا سکہ کل تک تمام دنیا میں بیٹھا ہوا تھا، جس کے نام سے سارا مشرق تو مشرق شیر انگلستان تک لرز اٹھتا تھا، اور جس نے ترکوں اور دوسری کمزور قوموں کی پامالی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا،

| | |
|---|---|
| وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ | ان سے قبل ہم نے کتنی قومیں ہلاک |
| مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ | کر ڈالیں، اور جو زور و قوت میں ان سے |
| بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ هَلْ | بھی کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں، اور نزول |
| مِنْ مَّحِيْصٍ، اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ | عذاب کے وقت انھوں نے تمام شہروں |
| لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ | کو چھان مارا تھا، کہ کہیں بھی بھاگنے کا |
| لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ | ٹھکانا ہے، اور جو لوگ صاحب دل |
| وَهُوَ شَهِيْدٌ، | ہیں، یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو |
| | سنتے ہیں، ان کے لیے ان واقعات میں |
| (سورۂ ق — ۳) | کافی نصیحت ہے۔ |

(معارف ماہ اپریل ۱۹۲۲ء)

## (۵)

دار المصنفین کو جہاں بہت سی خوش قسمتیاں اور سعادتیں نصیب ہیں، جن پر اس کو فخر ہے، ایک سعادت یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود کی ضرورت اور اس کے کاموں کی اہمیت اس ملک کی سب سے بڑی ریاست حیدر آباد دکن کے فرماں روا کے ذہن نشین کر دی ہے، ہز اگزالٹیڈ ہائنس حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کو دار المصنفین کی طرف ایک خاص توجہ ہے، وہ دار المصنفین کی تصنیفات بنفس نفیس خود ملاحظہ فرماتے ہیں، اور اسی کے نتیجہ میں ان کو احساس ہو گیا ہے، کہ ملک و ملت کی زندگی کے لیے اس قسم کے اداروں اور انسٹی ٹیوشنوں کی کتنی ضرورت ہے، دار المصنفین کے آغاز وجود سے اس کو تین سو ماہوار وظیفہ سرکار نظام سے ملتا ہے، درمیان میں اپنی مزید قدر دانی سے یہ وظیفہ دو برس کے لیے پانچ سو ماہوار کر دیا تھا، انقضائے مدت کے بعد یہ مزید دو سو رقم بند ہو گئی تھی، اب حضور نظام نے ہماری تحریک اور درخواست کے بغیر از خود دو سو کی یہ مزید رقم دو برس کے لیے

پیر منظور فرمائی ہے، جس کے لیے ہم خدام علم ان کے بہت شکر گذار ہیں۔

ہماری بزم دوشیں کی آخری شمع، حیدرآباد دکن میں نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کی صورت میں روشن ہے، نواب صاحب ممدوح کو باین کبر سنی، ضعف بصارت اور امراض پیری علم و فن کی خدمت کا جو ذوق و شوق ہے، وہ ظاہر ہے، آپ نے دار المصنفین کی ضرورت کو اس ملک کے لیے اس وقت محسوس کیا، جبکہ دار المصنفین کی بنیاد کی ایک اینٹ بھی نصب نہیں ہوئی تھی، اس وقت سے ابتک برابر اپنی مالی اور علمی اعانت سے ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہے ہیں، اپنے ایک آخری والا نامہ مورخہ ۳، رمضان المبارک سنہ ۴۳ھ میں ارقام فرماتے ہیں:

> "آپ کے دار المصنفین کو کسی سند کی ضرورت نہیں...... دار المصنفین ایسا کام انجام دے رہا ہے، جو آج تک ہندوستان میں کبھی شروع تک نہیں ہوا، خود معارف اس کا بین ثبوت ہے۔"

لیکن

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

اس سلسلہ میں ہم کو ایک بات اور یاد آگئی، نومبر سنہ ۲۱ء کے معارف میں رسائل عماد الملک پر تبصرہ شائع ہوا تھا، اس کے ضمن میں نواب صاحب کے متعلق تمہیداً چند واقعات بھی لکھے گیے تھے، موصوف نے اپنے شرف نامہ مورخہ ۵؍ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں ان کی تصحیح فرمائی تھی، جو افسوس کہ بر وقت شائع نہ ہوسکی، ایک یہ تھا کہ ان کا ایک مضمون "وضع مصطلحات اردو" سنہ ۱۸۷۰ء کے لکھنؤ ٹائمس میں بدفعات شائع ہوا تھا، اور مکمل ہونے کے بعد اس کو علیحدہ رسالہ کی صورت میں چھپوایا گیا تھا۔ لیکن معارف میں یہ لکھا گیا تھا، کہ یہ مضمون آج سے ۱۶-۱۷ برس پہلے لکھا گیا تھا، حالانکہ یہ آج سے پچاس برس پہلے لکھا گیا تھا۔ اسی طرح اسی مضمون کی تمہید میں یہ لکھا تھا کہ انھوں نے اٹھارہ بیس سال میں انٹرنس سے لے کر بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی، نواب صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں، کہ "عربی کے بعد میں نے انگریزی تعلیم چودھویں برس میں شروع کرکے کل آٹھ سال میں بی۔ اے تک تعلیم ختم کردی تھی، اور اس طرح ۲۲ سال کی عمر میں اپنی تعلیم سے فراغت

حاصل کر چکا تھا، اب ممدوح کی عمر ۸۰ برس ہے، تاہم ذوقِ علم اور شغفِ علم کا وہی حال ہے،

۳۰ رمضان سنہ ۴۲ھ کے والا نامہ میں کتاب العمدہ فی الجراحات کی فرمایش کرتے ہوئے بحسرت تمام ارقام فرماتے ہیں:

> "میری حالت بہت زار ہے، آنکھوں میں بصارت ضعیف ہے، اور پانوں کے درد کے مارے چل پھر نہیں سکتا، کتاب بینی برائے نام رہ گئی ہے، اس کا مقتضا بھی یہی ہے، میرا سن اب ۸۰ برس کا ہے"۔

دانم کہ چند رفت و ندانم کہ چند ماند

وہ لوگ جو اب تک ہر چیز کے جواب میں "آیاتِ محکمات" کی طرح "سرسید کی پالیسی، سرسید کی پالیسی" چلاتے رہتے ہیں، وہ یا تو سرسید کو غلط سمجھتے ہیں، یا خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ یا قوم و ملک کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن ہماری جماعت میں بفضلِ خدا اب بھی ایک بزرگ ایسے موجود ہیں جو سرسید کی تمام جد و جہد اور تحریکات میں ان کے دست و بازو تھے، اور جن سے سرسید کے آرا و افکار پوشیدہ نہ تھے، یعنی ہمارے مخدوم و مطاع نواب عماد الملک دام ظلہٗ، معارف نے اپنے تبصرہ میں نواب صاحب کے اس طویل خط کا ذکر کیا تھا، جو ممدوح نے سرسید کے نام ان کی سیاسی روش کی تائید میں لکھا تھا، اس تبصرہ میں اسی کے ساتھ موجودہ حیرت انگیز انقلاب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا۔ نواب صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں؛

> "خط موسومہ سرسید مرحوم کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے متعلق میں صرف یہ کہوں گا، کہ اگر آج سرسید مرحوم زندہ ہوتے، تو آپ خود بھی ان کے خیالات میں بھی عبرت انگیز انقلاب پاتے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ،

دار المصنفین نے امام ابو مسلم اصفہانی کی گم شدہ تفسیر کے جو اقتباسات امام رازی کی تفسیر سے یکجا کرائے تھے، وہ ایک مدت سے ٹائپ میں زیر طبع تھے، وہ اب چھپ کر بحمد اللہ شائع ہو گئے، ۱۸۰ صفحات میں یہ اقتباسات آئے ہیں، سورتوں کی ترتیب پر ان کی ترتیب ہے، اہلِ علم حضرات، عربی داں اصحاب اور علمائے

دین سے امید ہے کہ اس کی قدر فرمائیں گے، اگر یہی کام یورپ میں کسی مستشرق سے ہوا ہوتا، تو اس کی قدرشناسی کا کیا عالم ہوتا۔ اس تفسیر کی کل قیمت عہ ہے۔

افسوس ہے کہ قوم کے کارکن گروہ نے موالات کی پاداش میں مسلم یونیورسٹی کی طرف سے قطع نظر کر لیا ہے، اور اس کو کالعدم سمجھ لیا ہے، لیکن ہمارے تصور سے وہ کالعدم تو نہیں ہو سکتی، ہاں البتہ یہ ہوا ہے، کہ مسلمانوں کی چہل سالہ جد و جہد کا حاصل قوم و مذہب سے بے نیاز لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، وہ اس سرمایہ کو جس طرح چاہتے ہیں، بے محابا تلف کر رہے ہیں، ہم کو تو یہ نظر آتا ہے، کہ وہ اعلیٰ مسلمان سرکاری عہدہ داروں کے لڑکوں کی ایک تعلیمی تفریح گاہ اور چند مستند ہستیوں کی ذاتی جائداد اور ملک بن جائیگی، اس نظارہ پر تارکین موالات کے ساتھ موالاتیوں کو بھی اشک حسرت بہانا چاہیے، علی گڑھ کی اس جماعت میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں سے ہم بجا توقع رکھتے ہیں، کہ وہ سرسید محسن الملک اور وقار الملک کی متروکہ جائداد سمجھ کر نہیں، تو کم سے کم اپنی زندگی کے اس عظیم کارنامہ کی بقا و حفاظت کا فرض انجام دیں، ہماری مخلصانہ صلاح ہے، کہ صاحب زادہ صاحب قوم سے بہت روٹھ چکے، دیس چھوڑ کر سالہا سال کے لیے بدیس نکل گیے، اور بن باس رہے، اب ان کو واپس آنا چاہیے، اور علی گڑھ کی اس گدی کو سنبھالنا چاہیے، آخر یہ راون شاہی کب تک قائم رہے گی۔

ایک صاحب نے شکایت کی ہے، کہ تارکین موالات کا یہ گناہ کبھی نہیں بخشا جا سکتا، کہ انھوں نے مسلم یونیورسٹی کو توڑ ڈالا، میں نے عرض کیا، کہ میں آپ کو وہ جواب دینا چاہتا ہوں، جو کسی اور نے نہیں دیا ہوگا، انھوں نے مسلم یونیورسٹی کو توڑنا چاہا، مگر وہ ٹوٹ کیوں گئی؟ انھوں نے تو ہندو یونیورسٹی بنارس کو بھی توڑنا چاہا تھا، مگر وہ ٹوٹ نہ سکی، کیوں وہاں ایک مالوی موجود تھا، اگر کوئی مالوی آپ کے یہاں بھی ہوتا، تو وہ نہ ٹوٹتی۔ افسوس ہے کہ جہاں ہم سچے "مومن" نہیں، وہاں سچے مشرک بھی نہیں ہیں۔

یک کمر شایستۂ زنار نیست

کیا اس وقت ایک بھی ایسا اعلیٰ عہدہ دار یونیورسٹی میں موجود ہے، جس نے اپنی گراں بہا خدمات سے قوم کو زیر بار کیا ہو، اور قوم کے اعتبار و اعتماد کو حاصل کیا ہو، طلبہ کے اندر اس نے علمی یا اخلاقی یا کسی اور حیثیت

سے اپنا اعتماد اور اثر پیدا کیا ہو، اور جب یہ حال نہیں ہے، تو موالات ہو یا ترک موالات قوم اور طلبہ کو ان کی کسی رائے اور تجویز پر اعتبار و اعتماد کیونکر آسکتا ہے،

گر گلہ ہے ایک کا تو نوحہ ساری قوم کا،

امریکہ سے چند دلچسپ خبریں موصول ہوئی ہیں، مثلاً یہ کہ سنہ ۱۹۳۱ء میں وہاں چھ ناول نویس ایسے موجود تھے، جن کے ہر ناول کی اشاعت ایک ایک لاکھ سے زائد ہوئی، مس ڈل کا ایک ناول اس سے بھی زائد تعداد میں شائع ہوا، مس ہال کا ایک ناول "دی شیخ" اس قدر مقبول ہوا کہ ایک سال کے اندر ستر بار طبع ہوا، اور ہر مرتبہ ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، مسٹر ہچنسن کا ایک ناول تین لاکھ سے زائد تعداد میں فروخت ہوا۔

ہندوستان کے ہندوستانی زبان (اردو) کے مصنفین اور صاحبان مطابع امریکہ کے ناولوں کی حیرت انگیز مقبولیت اور اشاعت کی یہ ہوش ربا داستان سن رہے ہیں؟

ماہ گذشتہ کے سنجیدہ ولایتی اخبارات ایک سبق آموز مقدمہ کی روداد سے لبریز ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے "مسٹر جونس ایک صاحب لندن یونیورسٹی کالج میں کیمسٹری کے لکچرر تھے، مارچ سنہ ۱۹۲۰ء میں جلسۂ رقص ہوا، (اور یہ معلوم ہے، کہ انگریز مرد و عورت ایک ساتھ نیم برہنگی کی حالت میں ناچتے ہیں) پروفیسر موصوف ایک نوجوان طالبۂ علم مس براؤن کو جن کا سن اٹھارہ سال کا تھا، لیکر ایک تاریک کمرہ میں گئے، اور وہاں ان صاحبزادی صاحبہ کا بوسہ لے لیا، یونیورسٹی کے حکام کو اس کی اطلاع ہوئی، انھوں نے اس جرم میں پروفیسر صاحب کو ملازمت سے برطرف کر دیا، اس قدر خفیف جرم پر اتنی سنگین سزا کا خیال بھی اس ماہر کیمیات پروفیسر کو نہ تھا، انھوں نے عدالت میں لندن یونیورسٹی پر ہرجانہ کا دعوئ دائر کر دیا، کہ انہیں بلا وجہ ملازمت سے ہٹا دیا گیا، دو برس کے بعد عدالت نے فیصلہ صادر کیا، اور مدعی کا دعوئ خارج کر دیا، تاہم مقدمہ کی تجویز میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں، کہ:

> "یہ امر بہت ہی افسوسناک ہوگا، اگر آئندہ اتنی سی بات پر یونیورسٹی کے نوجوان اساتذہ کو برطرف کیا جانے لگے گا، کہ انہوں نے اوقات تعلیم سے خارج کسی نوجوان لڑکی کا

جو ان کے مدرسہ کی طالب علم یا خود ان ہی کی شاگرد ہو بوسے لیا ہے)

---

گویا عدالت کے نزدیک اصلاً یہ فعل مطلق قابل اعتراض نہیں، جونس صاحب کی برطرفی جو جائز قرار پائی وہ یونیورسٹی کے مصالح انتظامی کی بنا پر، نہ کہ نفس واقعہ کے مذموم ہونے کی بنا پر، ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ نے اس مقدمہ پر ایک مقالہ افتتاحیہ تحریر کیا ہے، اس نے بھی بعینہٖ یہی پہلو اختیار کیا ہے، لکھتا ہے، کہ نفس جرم تو کچھ بھی نہ تھا، مدعی کی نیت بُری نہ تھی، البتہ اس نے اپنی افسرانہ حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا، جس سے عوام میں یونیورسٹی کی جانب سے بدگمانی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لیے اس کی برطرفی بالکل بجا ہوئی، مغرب کی ترقی یافتہ رائے عامہ کا صحیح عکس دیکھنے کے لیے جج صاحب کے فیصلہ اور ٹائمز کے آرٹکل سے بہتر آئینہ اور کیا ہو سکتا ہے،

---

جس تمدن کا رئیس الاعضا، لندن ہے، جس کے حسن اخلاق کا نظارہ ابھی ناظرین نے اوپر دیکھا، اسی جسم کا ایک دوسرا عضو رئیس واشنگٹن (دار السلطنت امریکہ) ہے، بہتر ہوگا اس سلسلہ میں اس کی نبض پر بھی ہاتھ رکھتے چلیں، جسم کی صحت کا اندازہ کرنے کے لیے عموماً اطبا، قلب و جگر دونوں کا امتحان کرتے ہیں، گھر کا معتبر نائی واشنگٹن کا اخبار سنٹرل نیوز خبر دیتا ہے، کہ کچھ روز ہوئے کہ مسز اسمایتھ نامی ایک معزز خاتون نے ایک رکن حکومت مسٹر پن روز سے ملنے کے لیے فنانس کمیٹی کے ایوان میں قدم رکھا، پہلے ان کے سکریٹری مسٹر ٹیلر کے یہاں طلبی ہوئی، یہاں داخل ہوتے ہی جو کچھ گذری وہ خود مسز اسمایتھ کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

> ”مسٹر ٹیلر نے زبردستی اور بہت قوت کے ساتھ مجھے لپٹا لیا، گستاخانہ میرے جسم کو بھینچ بھینچ کر دبایا، اور میری مرضی کے خلاف اور میری مزاحمت کے باوجود میرے بوسے لیے۔“

خاتون موصوفہ کی عزت نفس ان گستاخیوں کی تاب نہ لا سکی، انہوں نے عدالت سے چارہ جوئی کی ہے، اور ٹیلر صاحب پر بیس ہزار پونڈ (۳۰ لاکھ روپیہ) کے ہرجانہ کا دعویٰ دائر کر دیا ہے، اور بڑے بڑے معززین و ارکان حکومت شہادت میں طلب ہوئے ہیں۔

---

یہاں یہ سوال کرنا کہ بے حیائی کے ان واقعات کو اخبارات اور عدالتی کارروائیوں کے ذریعہ منظر عام پر

لانا کس حد تک تحفظ اخلاق کے حق میں ہے، یا یہ کہ رقوم کثیر غارت شدہ عزت کا بدل کس طریق پر ہو سکتی ہیں، اس قسم کے سوالات پیش کرنا مشرقی تنگ خیالی، کوتہ نظری، وہم پرستی کا ایک ناقابل التفات نمونہ ہوگا، البتہ یاد کچھ ایسا پڑتا ہے، کہ ایک ایسی کتاب میں جس کے ساتھ خود اہل مغرب مقدس صفت کا اضافہ کرتے ہیں، الفاظ ذیل درج فرمائے گئے ہیں:

> ”تم سن چکے ہو، کہ کہا گیا تھا، کہ زنا نہ کرو، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے کسی بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی، تو وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا، پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے، کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے، کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے، اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔“ (متی باب ۵)

خدا معلوم اس صحیفۂ مقدس کے جو نسخے لندن یونیورسٹی اور واشنگٹن کے سینٹ ہاؤس کے کتب خانوں کو زینت دے رہے ہیں، ان میں بھی خط کشیدہ عبارت موجود ہے یا نہیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۲۱ء میں موٹروں کے حوادث سے مرنے والوں کا تخمینہ بارہ ہزار اور پندرہ ہزار کے درمیان کیا گیا ہے، خیال رہے کہ زخمیوں کی تعداد اس میں شامل نہیں، جو یقیناً مقتولین سے بدرجہا زائد ہوگی۔ یہ صرف مرنے والوں کی تعداد ہے، وہ بھی صرف ایک موٹر کے حادثات سے، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ریل، جہاز، معدنیات، تار برقی، دخان کارخانوں، گیس اور مٹی کے تیل کے تالابوں، اور اسی قبیل کے بیسیوں دیگر اسباب سے کشتوں اور مجروحین کی تعداد کس قدر ہوگی، اور پھر ان حادثات سے مالی نقصان جو ملک کو ہوا ہوگا، اس کی میزان کہاں تک پہنچی ہوگی، تمدن جدید کی سب سے بڑی برکت یہی بیان کی جاتی ہے، کہ وہ موت و ہلاکت کے مقابلہ میں ایک بڑی حد تک سپر کا کام دیتا ہے، اور حیات مادی کے طول و تحفظ و ترقی کا ضامن ہے، لیکن اس دعویٰ کی حقیقت بھی جیسا کہ ان صفحات پر بار بار ظاہر کیا جا چکا ہے، اس سے زائد کچھ نہیں، کہ شمشیر بے پناہ کا نام سپر، زہر قاتل کا نام آب حیات اور افعی کا نام تریاق پڑ گیا ہے، ہندوستان کے دل میں اگر اس کا ارمان ہے، کہ اپنا اخلاق، اپنا مذہب، اپنی معاشرت، اپنا تقویٰ، اپنی روحانیت، اپنی تعلیم

یہ سب کچھ قیمت میں دے کر نشاط حیات، درازیٔ عمر اور حوادث دہر سے تحفظ خرید کرے تو بہتر ہے، اس کا بھی تجربہ کر دیکھیے، نتیجہ وہی نکلے گا، جو اب تک ہر ملک، ہر زمانہ میں، ہر حالت میں نکلتا رہتا ہے،

غلط سہی اثر آہ و نالہ پر ناظم
رہے نہ دل میں ہوس آؤ یہ بھی کر دیکھیں

معارف ماہ مئی سنہ ۱۹۲۲ء

(۶)

جرمنی میں ابھی ایک عجیب قاتل گرفتار ہوا ہے، اس پر الزام یہ ہے کہ اس نے یکے بعد دیگرے تیس لڑکیوں سے شادی کی، اور ہر ایک کو قتل کر ڈالا، گرفتاری کے بعد حوالات میں اس نے اپنا بیان ایک تصنیف کی صورت میں قلم بند کیا ہے، جس میں اس نے اپنے جرم کی نفسیات پر بحث کی ہے، لکھا ہے کہ میرا یہ فعل درحقیقت سوسائٹی اور ہیئت اجتماعی پر ایک عظیم الشان احسان ہے، عورتوں کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے، کہ وہ مردوں کی ضرورتوں سے بدرجہا زیادہ ہو گئی ہیں، ایسی حالت میں ان کا وجود سوسائٹی کے لیے ایک مہلک اخلاقی وبا ہے، جس سے اس کو محفوظ رکھنا ہر صاحب احساس کا فرض ہے، دانایان فرنگ کی برابری کا کون دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن کیا اس بیماری کا علاج تعدد ازدواج سے نہیں ہو سکتا، اور کیا یہ جرم معصوم روحوں کے قتل سے زیادہ سنگین ہے؟

اسی کے ساتھ یہ سنسنی خیز خبر سنی جائے گی، کہ بالشویک روس نے اپنے موجودہ قحط کے عذاب الیم کا علاج یہ تجویز کیا ہے، کہ اس نے ایک ۱۲۰ سو بیس قحط زدہ لڑکوں کو گولی سے اڑا دیا، اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے بھوک کے مارے گھوڑے کا گوشت کھایا تھا، جس سے گھوڑوں کی بیماری ان میں پیدا ہو گئی تھی، آہ انسان کس درجہ خدا کو بھولا ہوا ہے، وہ اس کی قدرتوں سے جنگ کرتا ہے، اس کے نظام فطرت سے لڑنا چاہتا ہے، اور اس اعلان جنگ میں خود بخود وہ اپنے اسباب ہلاکت و بربادی کو ترقی کی دعوت دیتا ہے، اور اس طرح گویا اپنے ہاتھ سے اپنا گلا آپ کاٹتا ہے، مجرم قوموں کی تباہی اور پاداش جرم کی یہ بھی ایک صورت ہے، کیا اس روشن زمانہ میں ان معصوموں کا قتل تاریک عہد کے قتل بنات کے جرم سے مختلف ہے،

ایک دن آئے گا، جب یہ معصوم زبانیں گویا ہوں گی، اور ان کا مالک ان سے پوچھے گا بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ تم کو کس جرم میں قتل کیا گیا۔

---

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی تباہی پر ہم نے افسوس و حسرت کے ساتھ جو چند قطرے بہائے تھے، وہ بے اثر نہ رہے، لوگ بیمار کے مزید احوال دریافت کرتے ہیں، لیکن اس کے جواب میں ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ بیماری جب مہلک حد تک پہنچ جائے تو مزاج پرسی کی ساعتیں ختم ہو جاتی ہیں، اور ہر دردمند کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے علاج و معالجہ کے لیے دوڑ دھوپ کرے، ایک طرف تو طلبہ کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے، دوسری طرف اخراجات کی فراوانی اور کثرت کا یہ عالم ہے کہ ہمیں روایت پہنچی ہے، کہ اصل سرمایہ تک میں اب ہاتھ لگ گیا ہے، اور اگر کوئی فکر نہ کی گئی، تو آئندہ سال شاید یونیورسٹی دیوالیہ ہو جائے، پروفیسروں اور معلموں کی تنخواہوں پر تنخواہیں بڑھائی جا رہی ہیں، بعض حکام کالج کی صرف سال میں دو تین بار آمد کیلئے کئی ہزار سالانہ کا سفر خرچ منظور ہوا ہے، بعضوں کے لیے دو دو سو ماہوار کرایہ کی کوٹھیاں اور عملہ اس لیے مقرر کیا گیا ہے، کہ شاید وہ سال میں ایک دفعہ اس سرزمین پر نزول اجلال فرمائیں، تو انہیں تکلیف نہ اٹھانا پڑے، حاشا کہ ان حالات کے اعلان و اظہار سے اصلاح کے سوا کچھ اور مقصود نہیں، کیا ہمارے قومی و ملی اخبارات حاضر الوقت ضروری مسائل سے کچھ سطریں بچا کر اس بے ہمیت اور معمولی مسئلہ کے نذر کر سکیں گے۔

---

یاد ہوگا، دو ڈھائی سال ہوئے آکسفورڈ و کیمبرج یونیورسٹیوں کے معاملات سے متعلق ایک شاہی کمیشن مسٹر ایسکویتھ سابق وزیر اعظم کے زیر صدارت مقرر ہوا تھا، اس کی رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے، منجملہ اور تجاویز کے ایک تجویز یہ بھی ہے، کہ دونوں یونیورسٹیوں میں سے ہر ایک کو خزانۂ سرکاری سے رقوم ذیل کی سالانہ امداد دی جایا کرے۔

| | |
|---|---|
| بہ مد اعانت عام | ۱۰۰۰۰ پونڈ (۱۵۰۰۰۰ روپیہ) |
| بہ مد اعانت کتب خانہ | ۹۰۰۰ پونڈ (۱۳۵۰۰۰ روپیہ) |

گویا کل ۲۲۰۰۰ پونڈ (۳۳۰۰۰۰ روپیہ) کی سالانہ سرکاری اعانت کی تجویز ہوئی ہے، جو غالباً منظور ہو جائے، اس وقت تک دونوں یونیورسٹیوں کو ۳۰ ہزار پونڈ (۴½ لاکھ روپیہ) سالانہ کی امداد ملتی رہی ہے،

سنہ ۱۹۲۳ء کی بابت انگلستان کے محکمۂ تعلیم کا جو تخمینہ بنا ہے، اس کے لحاظ سے امسال مصارف کی تعداد ۴۳۸۶۱،۹۲ پونڈ (کچھ کم ستر کروڑ روپیہ) ہوگی، یہ بجٹ غیر معمولی کوشش کفایت کا نتیجہ ہے، ورنہ سال گذشتہ کی میزان اس سے بقدر ۵۰ لاکھ پونڈ کے زیادہ تھی، چند برطانوی یونیورسٹیوں کی سالانہ آمدنی کے اعداد حسب ذیل ہیں، (بابت سنہ ۲۱-۲۲ء)

| | |
|---|---|
| برمنگہم یونیورسٹی | ۱۱۹۲۶۴ پونڈ |
| مانچسٹر یونیورسٹی | ″ ۱۴۷۶۸۷ |
| لیورپول یونیورسٹی | ″ ۱۶۱۷۷۶ |
| شفیلڈ یونیورسٹی | ″ ۱۰۱۳۰۱ |
| اڈنبرا یونیورسٹی | ″ ۲۰۴۳۴۶ |
| گلاسگو یونیورسٹی | ″ ۱۷۳۰۰۰ |

یہ چند برطانوی یونیورسٹیوں کے نام بطور نمونہ کے لکھ دیئے گئے ہیں، ورنہ یورپ وامریکہ کی تقریباً تمام یونیورسٹیاں کم وبیش ایسی ہی شاہانہ آمدنیوں کی مالک ہیں۔ لیکن یہ وسیع مداخل بھی روزافزوں مصارف کے لیے کافی نہیں ہوتے، ہر چہار طرف سے ایک عام پرزور مطالبہ ہو رہا ہے کہ طلبہ کی فیس یا سرکاری اعانت کی رقم میں اضافہ کرکے بہرحال جس طریق پر بھی ممکن ہو، ضروریات تعلیم کے متناسب آمدنی حاصل کرنا چاہیے، اور ضروریات تعلیم ہیں، کہ غیر محدود اور لاانتہا ہوتی جاتی ہیں، علم ریاضی ان کے شمار واستقصا سے قاصر ہے، ایک ضرورت ابھی تکمیل کو پہنچنے نہیں پاتی ہے کہ دوسری ضرورت اس سے اہم تر رونما ہو جاتی ہے، اساتذہ کے بیش قرار مشاہرے، درسگاہوں کی سربفلک عمارتیں، قیمتی سامان نشست وآرائش وزیبائش، نازک وبیش بہا سائنٹفک آلات غرض روز مصارف کی ایک نئی مد نکلتی آتی ہے، تاآنکہ خدایان تعلیم گھبرا اٹھے ہیں، اور غریب ومفلس ہندوستان کی کلکتہ یونیورسٹی سے لیکر شاہ خرچ امریکہ وزرافشاں انگلستان تک کی یونیورسٹیاں تشویش واضطراب میں مبتلا رہنے لگی ہیں، جولائی سنہ ۱۹۲۱ء میں جو کانگریس آف یونیورسٹیز لندن میں منعقد ہوئی تھی، اس کے ایک صدر سر آرتھر بالفر نے صاف صاف فرما دیا تھا، کہ:

> ”یونیورسٹی تعلیم کی ضروریات روز افزوں ہیں، اور آمدنی میں ان کے متناسب اضافہ کی کوئی توقع نہیں، ہندوستان اور نوآبادیوں کا حال معلوم نہیں، لیکن کم از کم برطانیہ عظمیٰ میں تو روپیہ سے زیادہ تعلیمی مقاصد کے لیے کوئی شے اس وقت اہم تر اور کوئی شے زیادہ عیر الحصول نہیں۔“

---

یہ تصویر کا ایک رُخ تھا، اب دوسرا رُخ بھی ملاحظہ ہو، تعلیم کا ایک مفہوم یہ ہے، کہ شاندار کمرے ہال ہوں، جن پر قصر و ایوان شاہی کا دھوکا ہوتا ہو، سر بفلک سلسلۂ عمارات ہو، ذخیرۂ کتب کی فراہمی میں دولت نادر دکار ہو، اساتذہ کے مشاہروں پر بے دریغ زرپاشی ہوتی ہو، لاکھوں روپیہ سالانہ فرنیچر اور ظاہری ساز و سامان کی مد میں صرف ہوتا ہو، تجربہ گاہوں اور آلات کے لیے بے شمار دولت وقف ہو، غرض تعلیم اس مفہوم کے لحاظ سے تمام تر ایک کرشمۂ زر ہے، جس کا مبدا و منتہا مرکز و محیط جو کچھ ہے، سب ظاہریت و مادیت ہے، لیکن اس دنیا میں تعلیم کا ایک دوسرا مفہوم بھی موجود رہا ہے، اور اب بھی ہے، جس کے لحاظ سے یہ ظاہری شان و شوکت، جاہ و امارت، زرپاشی و دولت ریزی، زیبائش و آرائش سب بے معنی ہے، اس نظام تعلیم میں زر و دولت اور سامان دنیوی ہی کو سرے سے بے حقیقت تسلیم کیا گیا ہے، اور اگر حقیقت مانی بھی گئی ہے، تو ایسی جیسے کوئی دھوکے کی ٹٹی یا کھیل کود کی چیز ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا | جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی صرف بازیچہ اور |
| لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ | ظاہری آرائش اور مال و دولت اور آل |
| بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ... | و اولاد کی مفاخرت اور مسابقت ہے... |
| ... وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ | یہ دنیا کی زندگی صرف دھوکے کا |
| (حدید - ۳) | سامان ہے۔ |

---

اس علم کے لیے یونیورسٹی کی شاندار عمارتوں، بے اندازہ دولت، اور سامان آسائش و آرائش میں سے کسی شے کی ضرورت نہیں، اس کے لیے صرف صدق و صفا، قلب و ضمیر، تزکیہ و تقویٰ کی ضرورت ہے، ادھر تقویٰ حاصل ہوا ادھر عالم الغیب والشہادۃ کی ازلی یونیورسٹی سے براہ راست استفادہ ہونے لگا، وعدہ صریح ہے،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ-۳۹)

یہ علم کتابی معلومات سے حاصل نہیں ہوتا، بڑے بڑے مہذب و آراستہ کتب خانے اس علم کی تحصیل کے لیے قطعاً لاحاصل ہیں، کتابوں کا انبار انسانی دماغ کی طرح بعض چوپایوں کی پشتوں پر بھی بار کیا جا سکتا ہے، لیکن نتیجہ

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (جمعہ-۱)

اس علم لدنی کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا فاضل، سب سے بڑا محقق امی محض تھا، اور اس کی یہ امیت، اس کی یہ حرف ناشناسی اس کے لیے باعث فخر تھی، بار بار تصریح کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ (اعراف-۲۰)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ( ” - ۱۹)

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ-۱)

اس تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بڑے بڑے عہدے اور مناصب حاصل ہوں، یا صنعت و حرفت تجارت و سیاست کے ہفت خواں سر کیے جائیں، یا پھر حب وطن کی آڑ پکڑ کر ہمسایہ اقوام کے گلے پر چھری چلائی جائے، یہ تعلیم دنیا پرستی و نفس پرستی کے ان تمام شعبوں کی قاطع ہے، اس علم کا مقصد معرفت نفس ہوتا ہے نہ کہ گرد و پیش کے نقوش فانی میں غلو و انہماک

علم آں باشد کہ بستاند ترا    بے نیاز از نقش گرداند ترا
علم آں نبود کہ کور و کر کند    مر ترا ہر نقش عاشق تر کند

(مولانائے روم)

زر و مال کا معاوضہ طلب کرنا ان علماء و معلمین کے لیے حرام ہوتا ہے، ان کی تعلیم ہے؛

چوں دگراں را شوی آموزگار    کم طلب آں را عوض از روزگار
علم بود جوہر و باقی سفال    آں چو حقیقت دگراں چوں خیال
بیع جواہر بہ سفالے کہ چہ    بذل حقائق بہ خیالے کہ چہ (جامی)

اس علم کی منزل مقصود کیا ہوتی ہے، اور اس کی تحصیل کے لیے کیا شرائط ہیں، ان کا جواب اس درسگاہ میں آکر یہ ملتا ہے:

علم سوے در اللہ برد    نہ سوئے نفس و مال و جاہ برد
علم باید نخست پس علمت    برقور از علم خواندہ با علمت
علم بے حلم خاک کوئے بود    علم با حلم آبروئے بود
جاہل از علم جاہ جوید سود    مرد آجل بہ عاجل آرد زود
علم از حلم نیک پے گردد    سنگ بے سنگ لعل کے گردد (سنائی)

کاش مدعیان علم و دانش کو عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ کی درسگاہ حقیقت سے علم و جہل کے امتیاز صحیح کی توفیق عطا ہو،

(معارف ماہ جون ۱۹۳۲ء)

(۷)

اسوۂ صحابہؓ کی دوسری جلد جس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے سیاسی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہیں، عنقریب چھپ کر شائع ہو جائے گی، رقعات عالمگیر کی تدوین و ترتیب کا کام جاری ہے، تمام مواد جمع ہو گیا ہے، صرف شاہ جہاں کے نام کے خطوط تقریباً دو سو صفحوں میں ہوں گے، سیرۃ نبویؐ جلد سوم کی کتابت شروع ہو گئی ہے، یہ جلد تمامتر معجزات اور کیفیات نبویؐ پر ہے۔

**پنڈت مالویہ دار المصنفین میں**

گذشتہ ماہ جون میں ہندو یونیورسٹی بنارس کے مشہور بانی اور ہندی زبان کو ہندوستان کی عام زبان بنانے کے پرزور محرک جناب پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب نے دار المصنفین کو اپنے قدوم سے مشرف فرمایا، وہ دیر تک دار المصنفین کے کتب خانہ کو، دفتر کو، پریس کو، رفقاء کے کمروں کو دیکھتے رہے، اور زبان کے مسئلہ پر بعض ارکان دار المصنفین سے گفتگو فرماتے رہے، ہم کو اس سے خوشی ہوئی کہ موصوف نے اس ادارہ کو رشک کی نظروں سے دیکھا اور پھر بھی پسند کیا۔

غازی پور شہر کے ایک ممتاز خاندان کے ایک نمایاں فرد جناب شاہ منیر عالم صاحب منصف اور رئیس

ہیں، وہ ایک خط میں لکھتے ہیں، کہ ان کے پاس دیوان **حافظ** کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہے، یہ نسخہ دربار اکبری کے شاعر فیضی کے دست خاص کا لکھا ہوا بیان کیا جاتا ہے، اس کے دیباچہ میں مذکور ہے کہ ملا آقا ایک بزرگ بادشاہ کی طرف سے متعین کیے گیے تھے کہ وہ دیوان حافظ کا ایک صحیح نسخہ مرتب کریں، ملا صاحب نے خود حافظ کے وطن شیراز جا کر دس برس قیام کیا، اور وہاں سے ایک صحیح نسخہ مرتب کر کے بادشاہ کے لیے ہندوستان لائے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "جن جن اصحاب نے اس نسخہ کو دیکھا ہے، ان سب کی یہی رائے ہے، کہ اس سے زیادہ صحیح نسخہ دوسرا نہ ہوگا" اگر یہ سچ ہے، تو حافظ کے اشعار کے ملحقات اور بعض اشعار کے مختلف نسخوں کے انتخاب میں اس سے بہترین مدد مل سکتی ہے۔

اس لٹنے پر بھی ہندوستان میں ابھی کیا کیا انمول جواہر مدفون ہیں، بدایوں میں مولوی علی بخش خاں صاحب مرحوم کا خاندان مشہور ہے، اس خاندان کی علمی یادگار ہمارے دوست مولوی یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی ہیں، اس خاندان کا کتب خانہ ہندوستان کے نوادر میں تھا، وہاں کی بہت سی چیزیں ضائع ہوگئیں، کچھ دوسرے کتب خانوں میں منتقل ہوگئیں، اب بھی جو قلمی کتابیں موجود ہیں، ان میں سے حسب ذیل کتابیں کسی نہ کسی حیثیت سے قابل ذکر ہیں۔

لباب التاویل خازن کا ایک عتیق نسخہ، لباب التفاسیر مکتوبہ تمیمی صوفی شہر کرمان ۸۹۸ھ، المتفق والمفترق (اسماء الرجال) موضوعات ابن طاہر صاحب مجمع البحار، مصنف کے زمانہ کی (تاریخ کتابت ۹۵۹ھ۔ تاریخ وفات ۹۸۶ھ) موضوعات ابن جوزی غایۃ الوصول شرح مختصر ابن حاجب از قطب الدین شیرازی، شمائل ترمذی، از کتب خانہ شاہ قلی خاں محرم (یکے از امرائے اکبری) سیرۃ نبوی میں ایک نہایت نادر کتاب سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد للحافظ یوسف الشامی،

دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ جس طرح ایک دوسرے سے مل رہا ہے، اس کی ایک تازہ نظیر یہ ہے کہ مصر کی ظاہری آزادی کی خوشی میں تونس کے سب سے قدیم جامعہ زیتون کے طلبہ نے مصر کے قدیم ترین جامعہ ازہر کے طلبہ کو اور تونس کے شاہی کالج مدرسہ صادقیہ کے طلبہ نے مصر کے جامعہ مصریہ کے طلبہ کو مبارکباد کے تار بھیجے ہیں، اور تمنا ظاہر کی ہے، کہ اس کی یہ آزادی عربی علوم و فنون کی حیات تازہ کے لیے

بھی خدا کرے آب رحمت ثابت ہو۔

---

ماہ گذشتہ میں برطانیہ کی ممتاز یونیورسٹی سینٹ انڈریوز نے ڈاکٹر آف لاز (ال ال ڈی) کی اعزازی ڈگریاں جن مشاہیر فن کو تقسیم فرمائیں، ان میں ایک ذات مس ایلن ٹیری کی بھی تھی، جن کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اس وقت ہندوستان کی سب سے نامور ایکٹرس ہیں،

بے شبہ ہندوستان میں بھی محمد شاہ رنگیلے (دہلی) اور واجد علی شاہ جان عالم (لکھنؤ) نے اپنے اپنے زمانہ میں ارباب نشاط کی دل کھول کر سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرمائی تھی، لیکن جوہر شناسی کا یہ شرف بیسویں صدی کے ایک برطانوی دار العلم کے لیے محفوظ رہا تھا، کہ ایک ایکٹرس (رقاصہ) کو ایک اہم علمی خطاب سے سرفراز کرے، پچھلی ششماہی میں ہماری علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نے ملک کے بعض رنگین طبع امراء کو علمی خطابات سے مفتخر کرنے کی جو تجویز فرمائی تھی، اس کے لیے سینٹ انڈریوز یونیورسٹی کے اس طرز عمل سے زیادہ واضح و مستند سند جواز اور کہاں سے ہاتھ آسکتی ہے۔

---

برطانیہ کی علمی تاریخ میں گوہر شناسی کا یہی ایک درخشاں واقعہ نہیں، موجودہ صدی کے آغاز میں جب یورپ کے نامور فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی وفات ہوئی، اور اس کے احباب و تلامذہ نے اسے ویسٹ منسٹر ایبے میں دفن کرانا چاہا، جو برطانیہ کے مشاہیر فن کے لیے مخصوص و محفوظ گورستان ہے، تو متعدد رو ذی علم متولیان گورستان کی پیشگاہ سے کسی طرح اس کی تدفین کی اجازت نہیں ملی، لیکن اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد جب ایک مشہور ایکٹر ہنری ارونگ کی وفات ہوئی، تو انہی حکام گورستان نے گورستان کے حدود کے اندر اس کی نعش کو بکمال تزک و احتشام دفن ہونے کی اجازت عطا فرمائی،

---

ہندوستان کے ارباب نشاط کو مژدہ ہو، کہ بعض نکتہ سنجان یورپ کی نظر دقیقہ رس میں ایکٹر اور ایکٹرسوں کی قدر و قیمت خادمان علم و فلسفہ سے کہیں زائد ہے، اور اگر یہ ملک ابھی ان کی کافی قدر نہیں کرتا تو ذرا اور صبر و انتظار سے کام لیں، تا آنکہ ہندوستان تمدن و تہذیب، تعلیم و شائستگی میں یورپ کے ہم سطح ہولے۔

۵ مئی کو لندن میں بمقام سیلیس تھیٹر ایک جلسہ قوانین امتناع مے نوشی و مے فروشی کی مخالفت میں منعقد ہوا

دلدادگان دخت رز کا مجمع عظیم تھا، صدر جلسہ مسٹر ہنری آرتھر جونس نے اپنے طویل و عریض خطبۂ صدارت میں بیان فرمایا کہ:

> ”میں چالیس سال سے ہر روز بلاناغہ شراب پیتا رہا ہوں، اور آج تک کبھی بدمست نہیں ہوا ...... میرا عقیدہ ہے کہ بقول ہٹلر کے انسان کو حیوانات پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے، وہ الکحل ہی کے باعث ہے، ہمارے مشاہیر فن شکسپیر، ڈکنس، رابیلا، فلڈنگ وغیرہ کے دماغ میں روشنی اور قلم میں روانی اسی آتش سیال کے طفیل پیدا ہوئی ہے“

اسی طرح دوسرے مقرروں نے بھی شراب کے مناقب و فضائل بیان کیے، مے خواری کی خوبیوں پر دلائل قائم کیے، اور اس کے طبی و اخلاقی و ذہنی فوائد کو ایک ایک کر کے شمار کیا، ایک راوی معتبر کا بیان ہے، کہ جس وقت وہ اخبار میں اس مے پرست جلسہ کی کارروائی پڑھ رہے تھے، پڑوس کی مسجد سے ایک خوش آواز حافظ کی یہ صدا ان کے کانوں میں آنے لگی،

| | |
|---|---|
| إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ | جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے |
| زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ | ان کی نظروں میں ہم انہی کے اعمال و |
| فَهُمْ يَعْمَهُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ | اشغال کو اچھا کر دکھاتے ہیں، اور وہ |
| لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَ | انہی میں لگے لپٹے رہتے ہیں، یہی لوگ |
| هُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ | ہیں جنھیں عذاب شدید پیش آتا ہے، |
| الْأَخْسَرُونَ (نمل ـ ۱) | اور جنھیں آخرت میں زیاں کا رہنا ہے، |

اردو زبان کے تمام ہمدرد و ہواخواہ اس خبر کو دلی مسرت کے ساتھ سنیں گے کہ چند ماہ سے آکسفورڈ میں ہندوستان کی مشترک زبان اردو کی خدمت کے لیے ایک انجمن بزم اردو کے نام سے قائم ہوئی ہے، جس کے صدر ایک ہندو نوجوان ہیں، جو بنارس ہندو یونیورسٹی کی جانب سے وظیفہ حاصل کر کے وہاں تحقیقات علمی میں مصروف ہیں، کیمبرج میں ایک انجمن انہی مقاصد کے ساتھ اس سے پیشتر قائم

ہو چکی ہے، بلکہ اس کا الحاق بھی غالباً ہماری انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد) سے ہو چکا ہے، اس کے صدر، فرنگی محل لکھنؤ کے ایک ہونہار فرزند ہیں۔ دعا ہے کہ دونوں مجلسوں کو خلوص و صداقت کے ساتھ زبان و قوم کی خدمت کی توفیق عطا ہوتی رہے۔

تازہ ولایتی ڈاک سے خبر آئی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے دار الحکومت شہر لندن میں ایک حیرت انگیز عظیم الشان ناچ گھر تعمیر ہو رہا ہے، جو اپنے حسن و زیبائش اور سامان تنعم و آرائش کے لحاظ سے چشم فلک کو بھی خیرہ کر دے گا۔ درمیانی ہال ۱۶۰ فٹ طویل، ۱۰۰ فٹ عریض اور ۳۸ فٹ بلند ہوگا، کل وسعت اتنی ہوگی، کہ ۸۰۰ جوڑے بہ یک وقت سرگرم رقص ہو سکیں گے، اور تماشائیوں کی تعداد ۳۶۰۰ تک پہنچ سکے گی، ستون سنگ مرمر کے ہوں گے، رنگ و روغن، نقش و نگار میں صناعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے گا، برقی لیمپوں کی تیز جگمگاہٹ سے رات پر دن کا دھوکا ہوگا، ایک چھت شیشہ کی ہوگی، اس پر سرخ، سبز اور نیلگوں روشنیوں کا عکس پڑتا رہے گا، چالیس ماہرین فن اور آٹھ ماہرات فن کی جماعت تعلیم دینے کے لیے ہر وقت حاضر رہے گی، نازنین اور نوعمر ناچنے والیاں حسن و جمال، رعنائی نزاکت، دلبری، دلربائی میں مرتبۂ کمال رکھتی ہوں گی، مصارف تعمیر کا اندازہ ۱۰۵۰۰۰ پونڈ (۱۵ لاکھ ۷۵ ہزار روپیہ کا ہے) ۱۹ ستمبر کو یہ عمارت مکمل ہو جائے گی۔

راویانِ صداقت شعار و ناقلانِ حقیقت آثار (انگریزی اخبارات کے نامہ نگاران) کا بیان ہے کہ تیار ہو جانے پر لندن کا یہ ایوانِ رقص اپنی وسعت اور زیبائش کے لحاظ سے روئے زمین پر یکتا و بے نظیر ہوگا، بیشک ہوگا، سنتے ہیں کہ عصر قدیم میں بھی ایک متمدن سلطنت کے فرماں روا نے ایک جنتِ ارضی تیار کرائی تھی، اور جس کے تذکرے باغ ارم اور بہشت شداد کے ناموں سے آج تک ادبیات مشرقی کے دفاترِ پارینہ میں محفوظ چلے آتے ہیں، کاش اگلوں کے انجام سے پچھلوں کو عبرت حاصل ہوتی رہتی، یہ داستان غیر تاریخی سہی لیکن ایسی قوموں کے وجود سے تو بہرحال انکار نہیں ہو سکتا، جو زمین کے چپہ چپہ پر اپنی یادگاریں بناتی تھیں،

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً
تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ

کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار
بناتے ہو، جس کو فضول بناتے ہو، اور

مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ
(الشعراء — ۷)

بڑے بڑے محل بناتے ہو، جیسے دنیا
میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔

یہ قومیں اپنی کثرت تعداد پر، اپنے مویشیوں پر، اپنی تفریح گاہوں اور پارکوں، اپنے جاری کیے ہوئے فواروں، چشموں اور نہروں پر فخر و ناز کرتی تھیں،

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ
بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ
وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ
(الشعراء — ۷)

اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں
سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو، مویشی
اور بیٹوں اور باغوں اور چشموں سے
تمہاری امداد کی،

لیکن نتیجہ جو کچھ ہوا، وہ اوراق لیل و نہار پر درج ہے، جسے چشم بصیرت ہر وقت پڑھ سکتی ہے،

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا،

سال میں دو مرتبہ انگریزی حکومت کی جانب سے ہندوستان میں خطابات کی تقسیم ہوتی ہے، سالہا سال سے ہم پر جو غیرت شکن و غلامی آفریں نظام تعلیم و تربیت مسلط ہے، اس نے قدرتی طور پر انگریز ہماری ایک کثیر جماعت کی نگاہوں میں محبوب اور تمغائے افتخار بنا دیا ہے۔ مدتوں پیشتر سے حصول خطابات کیلئے قلوب مضطر رہتے ہیں، سینکڑوں راتیں اضطراب اور بے چینی کی کروٹوں کے ساتھ گزرتی ہیں، صدہا بار آستان حکومت پر ناصیہ فرسائی کی جاتی ہے، ضیافتوں، رشوتوں، غمازیوں، وطن فروشیوں اور خدا معلوم کن کن ناقابل ذکر شکلوں میں نیاز مندیاں جلوہ گر ہوتی ہیں، معابد میں دعائیں مانگی جاتی ہیں، مزارات پر جاکر منتیں مانی جاتی ہیں، ذی اثر احباب سے جلسوں اور ضیافتوں کے وعدے کیے جاتے ہیں، اور ایک والہانہ ذوق و شوق اور عاشقانہ اشتیاق و انتظار کے ساتھ سرکاری گزٹ کے افق پر اپنے نام کے طلوع ہونے کی توقع کی جاتی ہے، اور خیر ہندوستان تو ہندوستان آجکل دنیا کی سب سے بڑی مہذب پارلیمنٹ میں اس کے لیے سردست ڈگریاں ہیں اور وزرا رجیس ہیں۔

لیکن اسلام میں عزت و تکریم، سروری و سرداری، تعظیم و احترام کی اصلی مستحق صرف ایک ذات ہے

وہ ذات یکتا و بے ہمتا وہ ہے، جس کی عظمت و اجلال، بزرگی و کبریائی پر زمین و آسمان سب شہادت دے رہے ہیں، وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (جاثیہ-۴) حقیقی عزت ساری کی ساری صرف اسی کی ہے إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا (یونس-۷) اس آفتاب کبریائی کا پرتو جب ذرات بشری پر پڑتا ہے تو انہیں بھی منور کر دیتا ہے، یہ ذرات نورانی سب سے پہلے انبیائے کرام اور انکے بعد صالحین امت ہیں، جن کے قلوب نور ایمان سے لبریز ہوتے ہیں، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (منافقون - ۱)

---

اسلام سے قبل تمام دنیا اسی گمراہی میں مبتلا تھی، کہ عزت کا معیار خوش نسبی و بلند نسلی ہے، اسلام نے آتے ہی اس بت کو توڑا اور اعلان عام کر دیا، کہ بندوں کی عزت و مرتبت کا اصلی معیار صرف تقرب الی اللہ یعنی تقویٰ و حسن عمل ہے۔

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ | اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک |
| مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ | عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف |
| شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا | قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک |
| إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ | دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک |
| أَتْقَاكُمْ | تم سب میں بڑا شریف وہی ہے، جو سب |
| (حجرات - ۲) | سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ |

باقی نسل و قوم، حسب و نسب، رنگ و جنس وغیرہ کے امتیازات تو محض مصالح معاشری کی غرض سے ہیں، اصل سب کی واحد ہے، اسی منشور ازل میں اس کی منادی کر دی گئی، کہ اگر حصول عزت کی خواہش ہے، تو یاد رہے، عزت تو صرف کبریائے مطلق کی ہے، اس تک بندوں کی اچھی باتیں ہی پہنچتی ہیں، اور وہ عمل صالح ہی کو بلند کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مَن كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ | جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے، تو تمام تر |
| الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ | عزت خدا ہی کے لیے ہے، اچھا کلام اسی |

| | |
|---|---|
| اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ | تک پہنچتا ہے، اور اچھا کام اس کو |
| يَرْفَعُهٗ ، (فاطر - ۲) | بلند کرتا ہے، |

جس خاک کے پتلے کو اس آستانہ سے عزت نصیب نہیں ہوئی، اسے دنیا کا کوئی اعزاز، کوئی خطاب، قیامت تک سربلند نہیں کر سکتا،

| | |
|---|---|
| وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ | اور جس کو خدا ذلیل کرے، اس کو کوئی |
| مُّكْرِمٍ (حج - ۲) | عزت دینے والا نہیں، |

جو حرماں نصیب بندہ اس سرچشمۂ عظمت و کبریائی کو چھوڑ کر اغیار کے آستانوں پر ناصیہ فرسائی کرتے اور ان سے طالب عزت رہتے ہیں، انہیں منافقین قرار دیا گیا ہے، اور ان کے حق میں شدید عذاب الٰہی کی وعید وارد ہوئی ہے

| | |
|---|---|
| بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ | منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی |
| عَذَابًا اَلِيْمَا ۨالَّذِيْنَ | کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا |
| يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ | ہے، جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو |
| مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ | دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر |
| عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ | انکے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں، سو |
| لِلّٰهِ جَمِيْعًا ، | اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے |

(نساء - ۲۰)

خدا ہر کلمہ گو کو عذاب منافقت سے محفوظ رکھے، اور عزت کا مفہوم صحیح سمجھنے کی توفیق نصیب کرے،

---

ہندوستان میں بیکاری کا مرض جس کثرت کے ساتھ پھیلا ہوا ہے، اور ملازمت کی حرص جس شدت سے پائی جاتی ہے، اس کا تجربہ ہر شخص کو اپنی جگہ پر ہے، مولانا حالی نے بہت مدت ہوئی اسی واقعہ کو ایک شعر میں نظم کیا تھا:

ہوتی مشرق میں ہے گر ایک اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اسی دم راہی

فاقہ کش اور نیم جاہل ہندوستان کا یہ "نودیدہ پن" ہمیشہ قابل مضحکہ خیال کیا گیا، لیکن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ وبا بھی تمدن جدید ہی کے طفیل ہندوستان میں پھیلی ہے، اور اس کا مولد بھی وہی سرزمین ہے، جو تہذیب و شائستگی مولد ہے، ابھی چند روز کا ذکر ہے، کہ مرکز تمدن و تعلیم شہر لندن میں ایک "دھوبی خانہ" کے مالک نے ٹائمس میں اپنے کارخانہ کے لیے ایک ٹیلیفون ماسٹر (ہندوستان کی اصطلاح میں تار بابو) کی بابت ڈھائی سو پونڈ سالانہ کے مشاہرہ کے ساتھ اشتہار دیا، جو انگلستان کے معیار آمدنی کے لحاظ سے بہت ہی معمولی رقم ہے، اشتہار دیتے ہی درخواستوں کا انبار لگنا شروع ہو گیا جن کی تعداد بالآخر آٹھ سو تک پہنچ گئی، جگہ صرف ایک تھی، اور اس کے خواستگاروں کی تعداد آٹھ سو تھی، اور ان میں ہر قسم کی قابلیتوں کے ذکور و اناث افراد شامل تھے، مالک کارخانہ نے اس انبوہ عظیم سے آٹھ امیدواروں کا انتخاب کیا جو گریجویٹ تھے، امتحان مقابلہ کے بعد دو گریجویٹ خاتون کا دو عہدوں پر تقرر کر لیا، ان دو میں سے ایک لیورپول یونیورسٹی کی گریجویٹ ہیں، اور دوسری مانچسٹر یونیورسٹی کی گریجویٹ، ہندوستان کے گریجویٹ فضل خدا سے ابھی تک گھر اور گھاٹ، دونوں سے آشنا نہیں ہوتے ہیں،

سنتے ہیں، مسلمانوں کو بھی اپنے اسراف کا احساس ہو چلا ہے، اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مصارف کی تنقید کرنے اور ان میں کفایت پیدا کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے، خدا معلوم اس روایت کی کہاں تک اصلیت ہے، کہ کمیٹی کے اکثر ارکان از راہ انکسار یہ شعر ورد زبان رکھتے ہیں۔

ہے آرزو کہ ابروئے پرخم کو دیکھیے
اس حوصلہ کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

(معارف ماہ جولائی ۱۹۲۲ء)

(۸)

ورم اور تازگی و فربہی میں کیا فرق ہے، یہ ہے کہ ورم جسم کے کسی ایک عضو میں مادی اضافہ کا نام ہے،

اور تازگی و فربہی جسم کے تمام اعضا میں ایک تناسب کے ساتھ ترقی کو کہتے ہیں، پہلی شے مرض اور بیماری ہے، تو دوسری سرتاپا صحت اور کمال جسمانی ۔ اسی طرح اگر کسی قوم کے جسم کے تمام اعضا یعنی اس کے تمام ضروری شعبے ایک تناسب خاص کے ساتھ باہم ترقی کر رہے ہیں، تو وہ قوم صحیح اور تندرست ہے، لیکن اگر اس کا یہ حال ہے، کہ ایک عضو تو بڑھ اور پھول رہا ہے، مگر دوسرے اعضا ضعیف اور کمزور ہو رہے ہیں، تو اسی کو صحیح اور تندرست کون کہے گا ۔

---

صحت کے اس معیار پہ اگر مسلمانوں کے قومی جسم کا امتحان کیا جائے تو وہ پھولن اور ورم ثابت ہوگا یا تازگی و فربہی، ہمارا یہ حال ہے، کہ اگر ہم ایک عضو کے غور و پرداخت پر توجہ کرتے ہیں، تو دوسرے اعضا کی پرورش سے کامل بے توجہی برتتے ہیں، جب ہماری ایجوکیشنل کانفرنس کی بہار تھی تو ہمارے سیاسی خیالات پر خزاں چھائی تھی، اور اب جب ہماری سیاسی مجلسیں ہمارے قہقہوں اور چہچہوں سے پرشور ہیں، تو ہماری علمی اور تعلیمی محفلیں سونی ہیں، گزشتہ سالوں کے عین سیاسی بحران کے دنوں میں ہندی پرچارنی سبھا کے جلسے بھی ہوتے رہے، بھنڈارکر کی مشرقی بزم بھی نور افروز رہی، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس بھی منعقد ہوئی، مگر ہماری کانفرنسوں اور انجمنوں نے کیا کیا، یا ہم نے انہیں کیا کرنے دیا ۔

---

ذرا ٹھہر جائیے، اور ایک لمحہ غور کیجئے، یہ غلط روی سر منزل نہیں بلکہ سر راہ واقع ہوئی، فتنۂ غدر کے بعد جب ہم نے آنکھیں کھولیں، تو ایک ایسے رہنما کو اپنے قافلہ کا رہبر پایا، جو مذہب، تعلیم، اور سیاست تینوں راستوں کی قافلہ سالاری کے فرائض خود تنہا انجام دے رہا تھا، منزل ترقی کے یہ تینوں راستے مختلف الجہات تھے، اس لیے ایسے قافلہ سالار کے لیے تصادم مصالح ناگزیر تھا، چنانچہ اسی کی وجہ سے گزشتہ چالیس برس میں جو کچھ پیش آیا، اور آج بھی پیش آرہا ہے، وہ سب کے سامنے ہے، جب قوم نے سیاسی قدم بڑھایا، تو تعلیمی مصالح کے نگراں کاروں نے ان کو پیچھے گھسیٹا، اس تصادم سے دوسری قوموں کی تعلیم گاہیں پاک ہیں، ان کو نفیاً یا اثباتاً سیاسی انجمنوں سے کوئی تعلق نہیں، مگر ہماری تعلیم گاہ کو اگر اثباتاً نہیں تو نفیاً ان انجمنوں سے فطری لگاؤ ہے، بلکہ انہی پر اس کی بنیاد ہے، ایسی حالت میں قوم درحقیقت تنہا گنہگار نہیں ہے، وہ مجبور ہے کہ یا تعلیمی رہبروں کی پیروی میں پیچھے رہے، اور یا ترقی طلب

مقتضیات زمانہ کا ساتھ دے، کیا اب بھی ہمارے رہنما اپنے الگ الگ راستے بنا کر قوم کو تصادم اور تزاحم سے بچائیں گے۔

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی زمانہ کا نام "قرونِ اولیٰ" تھا، اور وہ اُن کی تاریخ کا عہدِ زریں ہے، صحابہؓ کا عہد تھا، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، انس بن مالکؓ، یہ اس عہد کے ائمۂ درس تھے، مگر صفوفِ جنگ اور ایوانہائے مشورتِ ملکی میں ان کو تلاش نہ کرو، خالدؓ ابن ولید، ابو عبیدہ بن جراحؓ، زبیر بن عوامؓ، عمرو بن العاصؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، فوجوں کے جنرل اور ملکوں کے فاتح تھے، لیکن مسجدوں میں ان کا حلقۂ درس نہ تھا، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشیرانِ باتدبیر اور جماعتِ مسلمین کے شیرازہ بند تھے، مگر وہ فوجوں کے سر عسکر اور دائرۂ تدریس کے محور نہ تھے، کیا ہم اس سے تقسیمِ کار کا اصول سیکھ سکتے ہیں، یقیناً بعض ایسی مقدس ہستیاں بھی تھیں، جو جامع اوصاف تھیں، مگر سننِ فطرت میں انکا درجہ خوارقِ عادت کا ہے،

یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح جرمنی میں بھی ایک مشرقی انجمن قائم ہے، جس کا مقصد ایشیا اور مشرق کے علوم و فنون، تمدن و معاشرت، اور اجتماعیات و اقتصادیات کا مطالعہ ہے، امسال یہ کانفرنس ۴-۵-۶ر اکتوبر کو خاص برلن میں منعقد ہوگی، آیندہ جلسوں کے انعقاد کیلئے بڑے اہتمام سے تیاریاں ہو رہی ہیں، گذشتہ سال یہ انجمن لپزگ میں منعقد ہوئی تھی، یہ شہر نادر عربی مطبوعات کی اشاعت کا مرکز ہے، اب تک اس انجمن کے قیام پر ۷۵ سال گذر چکے ہیں، جرمنی کے مشہور علمائے مشرقیات اس کے نگران کار اور مہتمم ہیں، مثلاً مشہور عربی داں پروفیسر سخاؤ، ایشیائے وسطیٰ کے محقق دان نے کاک، سنسکرت کے عالم لوڈرس، یونانی کے ماہر میئر، عالم انسانیات داں لوشان برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈکٹر زنسٹ وغیرہ اس کے موجودہ صدر ڈاکٹر بیکر ہیں، جو اس وقت جرمنی کے معتمد تعلیمات ہیں،

گذشتہ چار سالہ ہولناک جنگ میں، مرکزِ جنگ سے ہزاروں میل دور جو ممالک تھے، وہ بھی مالی صدموں سے محفوظ نہیں رہے، اور جرمنی کا اقتصادی حیثیت سے جو حال ہوا ہے، وہ تو سب کے سامنے ہے،

جرمن سکہ (مارک) کی قیمت بازار میں کوڑیوں کے مول ہوگئی، تاہم آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جرمن مشرقی کانفرنس کی دولت اور تمول کا یہ حال ہے، کہ اگر اب سے اس کو کوئی نیا چندہ نہ بھی ملے، تو وہ کئی نسلوں تک فراغ خاطر کے ساتھ اپنے فرائض علمی انجام دے سکتی ہے، کیا ہماری قوم کے علمی و تعلیمی قدردان اصحاب اس خبر کو سن رہے ہیں؟

تاہم کارکنان انجمن نے یہ مناسب سمجھا ہے، کہ وہ نہ صرف جرمنی بلکہ دنیا کے تمام علمی قدردانوں کے سامنے اپنی مالی اعانت کی عرضداشت پیش کریں، اور طے کیا ہے، کہ جو شخص ایک مشت چار سو مارک یعنی تین انگریزی پونڈ چندہ دے گا، وہ انجمن کا دائمی رکن قرار دیا جائے گا، اس سلسلہ میں ہمارے ایک ہم وطن بینی کمار سرکار مقیم جرمنی نے ہندوستان کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے، لیکن سوچ لینا چاہیے کہ علم پرستی کی یہ نمائش، ادائے فرض کیلئے زرکشی کا کوئی علمی جال تو نہیں ہے،

مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ حیدر آباد دکن کے کتب خانہ میں سودا کے دیوان کا ایک نادر نسخہ بہم پہنچا ہے، علاوہ خوش خطی اور دیگر اوصاف ندرت کے ایک خاص بات اس میں یہ ہے، کہ یہ نسخہ عین اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا تھا، جب نادر شاہ اپنی قہار فوجیں لیے ہوئے دلی کے دروازہ پر کھڑا تھا، کاتب نے کتاب کے آخر میں لکھا ہے، کہ یہ سطریں جس وقت لکھی جا رہی ہیں، نادر شاہ کی فوجیں شہر میں داخل ہو رہی ہیں، کیا یہ علمی یکسوئی کی عجیب و غریب مثال نہیں ہے، کہ جب شہر اضطراب اور بے چینی کی کروٹیں لے رہا تھا، ایک سودا زدۂ علم دیوان سودا کی کتابت میں مصروف تھا، یہ ذوق فن ہر بوالہوس کو کہاں نصیب،

افسردہ را نصیب نباشد دل کباب
آں یابد ایں نوالہ کہ مہمان آتش است

ریاست حیدر آباد کے تمام علمی کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یقیناً اردو جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ علوم و فنون کی اردو میں تعلیم کی تجویز خاطر خواہ بار آور ہو رہی ہے، اور مادری زبان میں تعلیم کے طریقہ کی کامیابی کا بالعیان مشاہدہ ہو رہا ہے، اس وقت جامعہ کے صرف ایف، اے کلاس

میں ڈیڑھ سو طالب علم ہیں، جامعہ کے ایک کامیاب طالب العلم کا امتحان لینے کے بعد انگلستان کی شیفیلڈ یونیورسٹی نے جامعہ عثمانیہ کو مبارکباد دی ہے، اور اس کی سندوں کو اپنے ہاں کے لیے باقاعدہ تسلیم کر لیا ہے۔ اس کامیابی پر ارکان جامعہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں، اگر آج سے چالیس سال قبل اس تجویز پر عمل ہوا ہوتا، تو آج ہندوستان کی تعلیمی سطح کتنی بلند ہوتی، افسوس کہ آج سرسید ہیں نہ حالی، کہ وہ دیکھتے کہ شبلی کے خیال کی صداقت، رد و قدح اور اعتراض و جواب سے بری ہو کر روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔ (مولانا شبلی مرحوم نے اپنے مضمون "گذشتہ تعلیم" میں مادری زبان کی تعلیم پر زور دیا تھا، اس پر سرسید بہت چراغ پا ہوئے تھے، اور مولانا حالی نے "حیات جاوید" میں مولانا کی تردید لکھی)

---

ابو تمام عرب کا وہ شاعر ہے، جس کی سخن سنجی سے زیادہ اس کی سخن فہمی ایک ہزار برس گذرنے کے بعد بھی دنیا سے اپنے حسن انتخاب کی داد طلب ہے، آجکل جو قومیت پرستی کی نئی نئی ہوائیں ملک عرب میں چل رہی ہیں، اس سے وہاں کا علمی طبقہ بھی مستثنیٰ نہیں، چنانچہ ابھی پچھلے مہینہ شام کے ادبا، اور شعرا نے جمع ہو کر ابو تمام کی تربت پر پھول چڑھائے، شعرا نے اس کی یادگار میں قصائد پڑھے، اور اس کی لوح تربت پر چند شعر لکھ کر کندہ کیے، اے ابو تمام کے ماتم گسارو! ابو تمام کی بزرگی، اس کی عظمت کی زندگی کی یادگار تمہارے اجتماعات، تمہارے قصائد اور تمہارے نقش لوح سے نہیں ہے، اس کی زندگی کی عظمت کا راز اس کا کام ہے کہ دنیائے ادب میں جب تک حماسہ کا وجود باقی ہے، ابو تمام کی عظمت کا آفتاب غروب نہیں ہو سکتا۔

---

لوگ کہتے ہیں کہ جدید تمدن، مذہب اور ادائے ارکان مذہبی کا دشمن نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے جس طرح قومیں ہندو، مسلمان، مشرک، مومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتی ہیں، اسی طرح تمدن بھی ہندو، مسلمان، مشرک، مومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتا ہے، دنیا کا غالب تمدن وہی ہوتا ہے جو اس زمانہ کی غالب قوم کا ہوتا ہے، غالب قوم اپنے لیے تمدن کا جو قالب تیار کرتی ہے، وہ وہی ہوتا ہے، جس میں خاص اس کی زندگی کے تمام ضروری اجزا مناسب طور سے اپنی اپنی جگہ

پر لگ جاتے ہیں، جب اس کے تمدن کو دوسری قومیں اختیار کرتی ہیں، تو بلا تغیر و تبدل، زیادت و نقص، ترمیم و اصلاح وہ اس کو اوڑھ لیتی ہیں، یہ خلعت اُن کی ضروریات زندگی کے جسم پر راست نہیں آتا، مگر باایں ہمہ وہ اس میں کسی طرح تغیر نہیں کرنا چاہتیں، کہ اس سے قوم غالب کی مماثلت کی عزت باقی نہیں رہے گی، اس لیے لاچار وہ خود اپنی ضروریات و طرائق زندگی میں تغیر و تبدل کرنے پر مجبور ہوتی ہیں، اس طرح ان کو اپنے تمام مذہبی و ملکی و قومی رسوم و عادات اور طریقے بدل ڈالنا پڑتے ہیں۔

ہمہ وقت تپلون کے استعمال کے ساتھ طہارت شرعی مشکل ہے، نکٹائی، کالر، کف، پاتابے، بوٹ کے ساتھ وضو میں سستی اور کاہلی راہ پاتی ہے، تمدن جدید کے مطابق کوٹھی شہر سے اتنے فاصلہ پر ہونا چاہیے، کہ عام باشندوں کی سانس کی ہوا وہاں نہ پہنچ سکے، اس لیے مساجد میں شرکت بھی نہیں ہو سکتی، گھر کا کمرہ کمرہ، میز و کرسی و الماری وغیرہ فرنیچر سے اس طرح آراستہ ہو کہ کہیں برآمدہ کے گوشوں کے علاوہ نمازی کو کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے، مکان کی تمام دیواریں تصاویر سے اس طرح لپی ہوں، کہ قبلہ کی طرف رخ کرنا مشکل ہو، غور کرو ان حالات کے ساتھ ایک اسلامی زندگی کا قائم رکھنا کس قدر مشکل اور عملاً محال ہے۔

ہم جہاں ترکوں کی اور بہت سی عمدہ خوبیوں کے معترف ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ انہوں نے یورپ کے عیسائی تمدن کو مسلمان بنا لیا ہے، (اس سے وہ چند نوجوان "یورپ نائزڈ ترک" مستثنیٰ ہیں جو یورپین ہونا ہی اپنا سب سے بڑا شرف جانتے ہیں) عام ترکوں نے یورپ کے تمدن، معاشرت، لباس سب کو اختیار کر لیا ہے، مگر پہلے اس کو اپنے قومی و ملکی و مذہبی ضروریات کے مطابق کر لیا، پارک بنائے، تو ایک گوشہ میں مسجد، وضو خانہ، طہارت خانہ بھی بنا دیا، پتلون کو کسی قدر ڈھیلا پہنا، بوٹ میں نیچے کے تلے میں کھٹکا لگا دیا، کہ بروقت ذرہ سے جھٹکے میں نکل جائے، ریلیں جاری کیں، تو ان میں نماز و وضو کا بندوبست کیا، اسٹیشنوں کا رُخ قبلہ رکھا، عورتوں کو گھر سے باہر نکالا تو برقعہ کے اندر،

ابھی ہم نے ایک عربی رسالہ میں پڑھا، کہ اناطولیہ میں امریکہ کے کارخانہ داروں نے جو ٹھیکے لیے ہیں، وہ

اپنے ترک مزدوروں اور کاریگروں کے لیے اقامت گاہیں، اور بارکیں بنوا رہے ہیں، حکومت انگورہ نے ان کے پاس مکانات اور بارکوں کا نقشہ خود بھیجا ہے، کہ اس طرح کے مکان زنانے اور مردانے یوں الگ ہوں، ہر چند مکانات کے بیچ میں ایسے طہارت خانے ہوں، ہر سو پچاس مکانوں کے بعد ایک مسجد ہو، اس میں وضو خانہ ہو، غرض ایک عیسائی یا لامذہب تمدن کو وہ اختیار کرتے ہیں تو اس کو مسلمان بنا کر، ہمارے ہندی نژاد "کوٹھی باش سوٹ پوش" مسلمان کیا اس نکتہ پر کان دھر سکتے ہیں۔

مادری زبان کی تعلیم کے مسئلہ میں ہمارے صوبہ کی کونسل تو صرف شور و شر کر کے رہ گئی، لیکن بنگال کے سپوتوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، یعنی کلکتہ یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ تعلیم کی زبان بنگالی کر دی جائے، جو صوبہ کی مادری زبان ہے، اس پر بعض بنگالی مسلمان تعلیم یافتہ چراغ پا ہیں، کہ اردو ہونی چاہیے، اگر "فضل حق" سے یہ فیصلہ ہو جائے تو کیا کہنا، ورنہ اس کوشش سے تو ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا چاہیے، کہ صوبہ کی مخصوص زبان کے ساتھ ملک کی عام زبان اردو یا ہندوستانی کی تعلیم بھی لازمی قرار دی جائے، ورنہ یاد رہے کہ اگر اسی طرح ہر صوبہ صرف اپنے صوبہ کی مخصوص زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دے لے، اور ملک کی کسی عمومی زبان کا خیال نہ رکھا جائے تو حالات آج سے بدتر ہو جائیں گے، آج ایک انگریزی زبان، تعلیم یافتہ اصحاب کی مشترک زبان کا کام دے رہی ہے، اب اگر یہ "بدیسی زبان" چھین لی جائے، اور صرف صوبہ وار زبانیں رہ جائیں، تو مشترک اور باہمی افہام و تفہیم، بول چال، جلسے، مجالس، اخبارات اور تصنیفات کے لیے کوئی مشترک سطح باقی نہیں رہے گی۔ اور اس طرح ہندوستان کی قومیت متحدہ کا خواب پریشان تر ہو جائیگا۔

بورڈ آف ایجوکیشن لندن کے ایک جلسہ میں ایک ممبر کی درخواست پر یہ ظاہر کیا گیا ہے، کہ لندن یونیورسٹی کے یونیورسٹی کالج میں برٹش امپائر کے تمام مشرقی ممالک کی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے، ان میں سے ہندوستان کی سیکڑوں زبانوں میں سے صرف دو زبانوں کو یہ شرف حاصل ہوا ہے، کہ وہ اس درسگاہ کے نصاب السنہ میں داخل ہوں، ایک اردو، اور دوسری بنگالی، اس واقعہ سے جہاں ہم اور نتائج نکال سکتے ہیں، ایک نتیجہ یہ بھی نکال سکتے ہیں، کہ

بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں، انگریزوں کو اردو جان لینے کے بعد زبان کی مشکلات پیش نہیں آتے ہیں، اور دوسرے صوبوں میں کام چلانے کے لیے محض اردو کافی ہے، ہماری بعض ہندوستانی یونیورسٹیوں کے لیے ایک تاسف انگیز نتیجہ اس خبر سے یہ نکلتا ہے، کہ لندن یونیورسٹی میں تو اردو کو یہ اہمیت حاصل ہو، مگر اس یوسف کو خود اپنے وطن کنعان میں کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

---

آجکل کلکتہ یونیورسٹی کی کثرت مصارف اور قلت آمدنی کے ضمن میں بنگال کے فضلا، اور ارباب کمال کے درمیان ایک گرما گرم مناظرہ برپا ہے، جدوناتھ سرکار مشہور مورخ اور اساتذۂ یونیورسٹی میں قلمی معرکہ آرائی ہو رہی ہے، کلکتہ ریویو، اساتذۂ یونیورسٹی کا مظہر خیال ہے، اور ماڈرن ریویو میں سرکار کے مضامین نکلتے ہیں، اسی سلسلہ میں معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا ہے کہ رسائل میں ایک دوسرے کے علمی خدمات کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں، اور چن چن کر غلطیاں منظر عام پہ لائی جا رہی ہیں، کیا ہماری قدیم درسگاہوں کا طرز مناظرہ بڑے بڑے دعوؤں کے جدید کالجوں میں داخل ہو گیا، فضلائے بنگال ذرا کان لگا کر سننا، کوئی یہ شعر تو نہیں پڑھ رہا ہے۔

بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن
مرو "بمدرسہ" کانجا گناہ گارانند

---

ابھی لندن میں وہاں کے صنعتی مدارس کے استادوں کی ایک کانفرنس تھی، مسٹر جے پائے یورک اس کے صدر تھے، مسٹر موصوف نے اپنی صدارتی تقریر کے ضمن میں "عمدہ تعلیم" کے اثرات پر بھی گوہر افشانی فرمائی ہے، انھوں نے کہا:

"اب زمانہ آگیا ہے، کہ اس سوال کا کہ عمدہ تعلیم کے اثرات کیا ہیں، نہایت احتیاط سے جواب دیا جائے، عمدہ تعلیم سے میرا مقصود یہ ہے کہ ایسی تعلیم اور ایسی لیاقت ہو، جو لڑکے کے دماغ کو ترقی دے، اور اس میں مطالعہ کا ذوق اور استدلال تجسس اور اس شے کے فہم کی قابلیت پیدا کرے، جس کا فہم میں آنا ممکن ہو، اور

تربیت ایسی ہو، جو اس کی جسمانی قوت کو ترقی دے، اور جسمانی و دماغی دونوں قوتوں کو باہم ایک ساتھ زیادہ مضبوطی کے ساتھ متحد کر سکے، اور جو اس کے تخیل، ہمت اور اس نادر عطیۂ الٰہی کو ترقی دے سکے، جو فطرت کے عجائبات سے دلچسپی اور زندگی کے محاسن سے لطف اندوزی کے قابل بناتا ہے۔"

یہ تعلیم کا کامل مغربی نقطۂ نگاہ ہے، مشرق کے نزدیک علم یہ ہے کہ ہم ممکن سے واجب کو سمجھیں، اپنی قوت کا حقیقی اندازہ کریں، استدلال و تجسس کی راہ چھوڑ کر کشف و ذوق کی صراط مستقیم پر چلیں، فطرت کے عجائبات سے عبرت پذیری اور زندگی کے اصلی محاسن کی حقیقت شناسی حاصل کریں۔

(معارف ماہ اگست سنہ ۱۹۲۳ء)

(۹)

موسیو لوی مسینا فرانس کے ایک نامور مستشرق ہیں، ان کو علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ تصوف سے دلچسپی ہے، اور صوفیہ میں سب سے زیادہ حسین بن منصور حلاج سے، انھوں نے حلاج کی ایک تصنیف کتاب الطواسین شائع کی ہے، اور عربی و فارسی میں حلاج کے جس قدر حالات ل سکے ہیں، ان کو یکجا کر کے چھپوایا ہے، فرانس کے زمانۂ قیام میں موصوف سے کئی دفعہ ملاقاتیں ہوئیں، اب انہوں نے فرانسیسی زبان میں حلاج پر دو ضخیم جلدیں لکھی ہیں، جن میں حلاج کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے، ان سب کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے، اور وحدۃ الوجود وغیرہ تمام مسائل کی اور حلاج کے اقوال کی ایک ایک بات میں تشریح کی ہے، موصوف نے یہ دونوں جلدیں ہدیۃً بھیجی ہیں، لیکن افسوس کہ ان اسرار کو "فرانسیسی صوفی" کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا، تاہم جہاں تک عنوانات پڑھ سکا، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مولف نے بحث کا استقصا آخر حد تک کیا ہے، علمائے یورپ جو شغف و ذوق ہمارے علوم و فنون کے ساتھ رکھتے ہیں، کاش کہ ہم خود ان کے ساتھ رکھ سکتے۔

اس مہینہ کی ڈاک سے برلن سے ایک نیا فارسی رسالہ **ایران شہر** ہمارے پاس پہنچا ہے،

اس کے ایڈیٹر آقا حسین کاظم زادہ مقیم برلن ہیں، سمارہ کے بعد یہ دوسرا رسالہ برلن سے شائع ہوا ہے، بالفعل یہ چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحوں پر نکلا ہے، مضامین تمامتر ادبی ہیں، رسالہ نے اپنا مقصد مشرق و مغرب کو باہم شناسا کرنا ظاہر کیا ہے، ٹائپ کی خوبصورتی اور طبع کی صفائی اس قدر دیدہ زیب ہے کہ رشک ہوتا ہے، کہ ہندوستان کیوں اس جنس سے محروم ہے، ہندوستان میں اس کی قیمت ایک پونڈ سالانہ ہے، اور پتہ یہ ہے:

ایران شہر، برلن ڈبلو ۳۰ مارٹن لیوتھر اسٹریٹ،
(BERLIN,W30,MARTEN,LUTHER,STREET )

بالفعل ماہوار ہے، آئندہ مہینہ میں دوبار ہو جائیگا، آقا کاظم زادہ نے ایک خط بھی بھیجا ہے، جس میں لکھا ہے کہ قدر شناسان ہند اس کی حوصلہ افزائی کریں، فارسی اب تک ہمارے مدارس اور کالجوں میں زندہ ہے، اکثر طلبہ اور بعض اساتذہ فارسی رسائل کا پتہ پوچھا کرتے ہیں، ایران سے ڈاک کا سلسلہ منتظم نہیں، اس لیے بہتر ہے کہ وہ اس راستہ سے اس کی خریداری کریں۔

---

جدید فارسی و عربی رسائل سے جہاں اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ جدید اصطلاحات اور یورپین محاورات کے لیے بہت سے نئے الفاظ ہاتھ آتے ہیں، “ماسٹرپیس” کے لیے اردو میں کسی نے “ادب عالیہ” کا لفظ استعمال کیا، مہدی مرحوم اس کا ترجمہ ہمیشہ “اختراع فائقہ” کیا کرتے تھے، اور ان کی پیروی میں اور لوگ بھی یہ لفظ بولنے لگے ہیں، ایران شہر نے اس کے لیے شاہکار کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ہمارے خیال میں مذکورۂ بالا دونوں لفظوں سے زیادہ لطیف، نازک اور اردو کے مزاج کے مناسب ہے۔

---

دولت آصفیہ دکن نادر عربی تصنیفات کے نشر و اشاعت کی جو خدمت دائرۃ المعارف کے ذریعہ سے انجام دے رہی ہے، اس کا اعتراف نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام بلاد اسلامیہ میں

کیا جا رہا ہے، علوم حدیث اور خصوصاً اسماء الرجال کی جس قدر کتابیں اس صیغہ سے شائع ہوتی ہیں، وہ کہیں دوسری جگہ سے نہیں ہوئی ہیں، اس وقت تک دائرہ نے مختلف علوم وفنون پر ۴۵ ضخیم کتابیں شائع کی ہیں، جن میں علم کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، ادب، لغت، صرف ونحو، تاریخ، اسماء الرجال کی کتابیں داخل ہیں، ابھی حال میں وہاں سے امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین جو علم حدیث کی ایک نادر الوجود تصنیف ہے، چھپ کر شائع ہوئی ہے، ابھی بالفعل پہلی جلد چھپ کر تمام ہوئی ہے، اور دوسری جلد زیر طبع ہے، امام یافعی کی مرآۃ الجنان، تاریخ وفیات میں بہترین تصنیف ہے، اسی سال وہ دائرہ سے چار جلدوں میں چھپ کر شائع ہوئی ہے، اس سے پہلے سال علامہ ذہبی کی مختصر تاریخ دول اسلام چھپ کر نکلی تھی،

---

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی (حیدرآباد دکن) اپنے ایک نوازش نامہ میں مطلع فرماتے ہیں، کہ ان کے ذاتی کتب خانہ میں کچھ قلمی نوادر موجود ہیں، منجملہ ان کے ایک مصباح المتہجد فقہ شیعہ میں ایک کتاب ہے، اس کے مصنف علامہ شیخ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسی ہیں، یہ مشہور قدیم مصنف ہیں، اور ان کی بہت سی تصنیفات یادگار ہیں، مثلاً تفسیر طوسی، مجمع البیان، معلوم القرآن، تہذیب الاحکام، استبصار، مبسوط، نہایہ وغیرہ، ان کی سب سے مشہور تصنیف فہرست کتب الشیعہ ہے، جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے چھپکر شائع ہوئی ہے،

---

مصباح المتہجد کا قلمی نسخہ، درحقیقت متعدد حیثیات سے نادرۂ روزگار ہے، یہ نسخہ صفر سنہ ۵۷۸ھ کا لکھا ہوا ہے، اور بجائے سیاہی کے شیرۂ خرما سے اس کی کتابت ہوئی ہے، خط خالص عرب ہے، آخری خلیفۂ بغداد المستعصم باللہ کے مشہور وزیر محمد بن علقمی کی فرمائش سے یہ نسخہ تیار ہوا تھا، اور خود ابن علقمی کے ہاتھ کے دستخط اس پر ہیں، علاوہ بریں متعدد اکابر علمائے شیعہ کی نظروں سے یہ نسخہ گذر چکا ہے، چنانچہ شہید اول محمد بن مکی، شہید ثانی زین الدین اور ملا محمد باقر مجلسی کے حواشی اس پر ثبت ہیں،

اس نسخہ میں خط کی بھی بعض خصوصیات ہیں، مثلاً اضافت کے لیے یہ ( ۲دو ) علامت اور علامات جو اس طرح ( بائیس ۲۲ ) استعمال کیے گئے ہیں، بعض مقامات پر لفظ الف فیما اس طرح لکھا ہوا ہے، جس میں کوفی خط کی شان ہے، کاف پر مرکز نہیں بنایا گیا ہے، مثلاً ارکان، کل، برکات کو اس طرح لکھا گیا ہے، ارکان، کل برکات،

جنگ عظیم سے قبل یورپ کی آبادی میں مرد و عورت کے درمیان ۱۰۰۰ اور ۱۰۳۸ کا تناسب تھا، اب یہ تناسب آبادی ۱۰۰۰ اور ۱۱۱۱ کا ہو گیا ہے، آخری اعداد کے بموجب یورپ میں مردوں کی کل آبادی ۲۲۵،۰۰۰،۰۰۰ ہے، اور عورتوں کا مجموعی شمار ۲۵۰،۰۰۰،۰۰۰ ہے، گویا اناث کی تعداد بہ مقابلہ ذکور کے بقدر ۲½ کروڑ کے زائد ہے، جو عقلائے وقت و حکمائے عصر، اسلام کے تعدد ازدواج کو خلاف عقل و خلاف فطرت ارشاد فرماتے رہتے ہیں، وہ براہ کرم ان ڈھائی کروڑ فاضل عورتوں کے لیے موافق عقل و مطابق فطرت پارسایانہ زندگی گذارنے کا کوئی طریقہ ایجاد فرمائیں گے۔

اسی "موافق عقل" و "مطابق فطرت" طرز معاشرت کے نتائج کے سلسلہ میں یہ خبر بھی دلچسپی سے سنی جائے گی، الینوئیس ( امریکہ ) کی عدالت عالیہ صیغۂ طلاق کے جج مسٹر سیبتو کے سامنے دو سال کے عرصہ میں ازدواجی زندگی سے متعلق ۶۵۰۰ مقدمات پیش ہوئے، اور ان مقدمات کی نوعیت نیز ان کی کثرت کا بار ان کے دماغ پر اس قدر پڑا کہ بالآخر انہیں ستانے کے لیے ایک طویل رخصت لینی پڑی ہے،

غفلت و بے حسی کی انتہا یہ ہے کہ ہمارے ہم وطن و ہم قوم اس قسم کے واقعات ہر روز سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں، پھر بھی حیرت نہیں، اور جس لیلائے تہذیب کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں بدستور اسی کے مجنون و مفتون بنے ہوئے ہیں، لڑکوں کے اخلاق اگر غارت ہوتے ہوں، لیکن انگریزی کالج کی سند ضرور ہاتھ آجائے، لڑکیوں کی عصمت و شرافت اگر خطرہ میں پڑتی ہو تو پڑے، لیکن ان کا انگریزی تلفظ بہرحال "میم صاحباؤں" کا سا ہونا چاہیئے، دولت، صحت و سکون قلب اگر گھروں سے رخصت

ہو رہا ہو، تو ہو، مگر اس ننگ کو کیونکر گوارا کیا جا سکتا ہے، کہ خاندان کا کوئی رکن حکومت وقت کے کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز نہیں، جب ان دانشمندوں سے سوال کیا جاتا ہے، کہ مغربی ڈگریوں اور امتحانات، مغربی تعلیم و تربیت، مغربی تہذیب و شائستگی کے ساتھ یہ شیفتگی کس بنا پر اور کن اغراض کے حصول کیلئے ہے، تو ان کے دلائل کا ترکش تیروں سے خالی نکلتا ہے، اور ان کے اس طرز عمل کی کوئی توجیہ بجز اس کے سمجھ میں نہیں آتی، کہ موجودہ نسل سے قبل والی نسل کی آنکھیں سحر سامری کی جگمگاہٹ سے جو خیرہ ہو گئی تھیں، وہی مرعوبیت آج تک مسلط ہے، سانپ اگرچہ جا چکا ہے، لیکن دلوں پر دہشت اس قدر غالب ہے، کہ اس کی کینچلی کو بھی ہاتھ لگاتے ہوئے دل لرزتا ہے۔

(معارف ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء)

(۱۰)

ماہ گذشتہ کا سب سے بڑا علمی حادثہ جناب مولانا رشید احمد صاحب سالم انصاری کی وفات ہے، مرحوم نے تقریباً بیس پچیس برس مسلسل ہماری زبان کی خدمت کی، عربی و فارسی کے وہ لائق ادیب تھے، ان کا علمی ذوق و شوق فطری تھا، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مطالعہ اور کتب بینی میں صرف ہوتا تھا، قلمی کتابوں کی تلاش اور جستجو میں انھوں نے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا تھا، آخر ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ میں جب علی گڑھ میں خاکسار ان سے ملنے گیا، تو ان کو بستر مرض پر پایا، اور یہی ان کا مرض الموت تھا، اس عالم میں بھی جتنی دیر ان کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا، وہ علمی تذکرے کرتے رہے، اور جہانگیر نامہ کے ایک نایاب قلمی نسخہ کو بڑی محنت سے ترتیب دیا تھا، اس کی اشاعت کا تذکرہ کرتے رہے، اردو مترجمات میں المدنیۃ والاسلام، النصرانیۃ والاسلام، کتاب التوحید وغیرہ مفید تالیفات یادگار چھوڑی ہیں، ترک موالات کے سلسلہ میں مرحوم علی گڑھ کالج چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں چلے آئے تھے، اور یہیں سے رخصت ہوئے، خدا مغفرت ارزانی فرمائے۔

ادبیات مشرقی خصوصاً فن تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں یہ خبر یقیناً نہایت مسرت سے

سنی جائے گی، کہ پروفیسر نکلسن عنقریب مولانا رومیؒ کی مثنوی کا غایت اہتمام کے ساتھ ایک اعلیٰ اڈیشن شائع کرنے والے ہیں، کام حسب وسیع پیمانہ پر انجام پا رہا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ تینؔ جلدوں میں متن مثنوی ہوگا، اور تینؔ جلدوں میں اس کا انگریزی ترجمہ، دوؔ جلدیں شرح مثنوی کے لیے وقف ہوں گی، ایک جلد فرہنگ الفاظ، فہرست مطالب، ضمیمہ جات وغیرہ کیلئے مخصوص ہوگی، اور ایک جلد میں مولانا کے ذاتی حالات، ان کی تعلیمات کا تذکرہ، اور ان کے کلام پر تبصرہ ہوگا، ہر جلد کم از کم پانچ سو صفحوں کی ہوگی، اس حساب سے پورے سلسلہ کی ضخامت پانچ ہزار صفحوں سے کسی حالت میں کم نہ ہوگی،

---

جن اصحاب کو خود کبھی کسی معمولی اور چھوٹی کتاب کی تہذیب (اڈیٹ کرنے) کا اتفاق ہوا ہے، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مثنوی معنوی جیسی اہم و ضخیم کتاب کا اڈیٹ کرنا کس قدر دیدہ ریزی اور کتنی بڑی ہمت کا کام ہے، باقی سبک سارانِ ساحل” تو

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل

کا مفہوم سمجھنے سے بھی اگر قاصر رہیں، تو انہیں معذور رکھنا چاہیئے، پروفیسر نکلسن دوؔ برس سے مسلسل اسی کام میں منہمک ہیں، اور ابھی کئی سال تکمیل کار میں لگیں گے، تاہم جلد اول کا مسودہ توقع ہے کہ سال آیندہ مطبع میں پہنچ جائے،

---

نکلسن کا شمار اس وقت یورپ کے مشاہیر مستشرقین میں ہے، زبانوں میں عربی و فارسی، اور فنون میں تصوف کے ساتھ انہیں خاص لگاؤ ہے، اس سے پیشتر کتاب اللمع (ابونصر سراجؒ) اور تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) کو جملہ لوازم تہذیب کے ساتھ شائع کر چکے ہیں، کشف المحجوب (شیخ علی ہجویریؒ) کے مترجم ہیں، مشاہیر صوفیہ اسلام و تصوف اسلامی کے زیر عنوان انگریزی تصنیفات کے مصنف ہیں، مولانا رومیؒ کے دیوان غزلیات کا (جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے) انتخاب مع ترجمہ و تبصرہ کے شائع کر چکے ہیں، مولانا کے کلام سے انہیں خاص شغف ہے، ان کے قلم کے سایہ میں جو کتاب نکلے گی، اس کی ایک ایک سطر تشنہ کام ارباب ذوق کیلئے آب حیات کا جام ہوگی،

ڈیلی میل کا نامہ نگار برلن سے اطلاع دیتا ہے، کہ جرمنی میں ایک جدید ٹیکس پُرخوری پر قائم ہوا ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ جو لوگ ایک مقدار معین سے زائد ماکولات و مشروبات کا مطالبہ کریں گے، ان سے دکانوں، ہوٹلوں، بازاروں، چائے خانوں، شراب خانوں میں غرض ہر مقام پر بحکم سرکار عام شرح سے ڈیوڑھی، بلکہ دوگنی قیمت لیجایا کرے گی، تاکہ یہ اپنا کھانا پینا کم کریں، اور نادار رعایا تک ذخیرۂ غذا کے پہنچنے میں حائل نہ ہوں،

ٹیکس کی معقولیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، لیکن بہتر ہوتا کہ جوع البقر کے بجائے جوع الارض کو قابل مواخذہ و موجب تعزیر قرار دیا جاتا، جرمنی کو تو اس مرض کا شاید ایک ہی مرتبہ شدید دورہ پڑا تھا، لیکن بعض معاصر اقوام کا یہ مرض، سنا ہے کہ مزمن ہو چکا ہے۔

پُرخوری و خوش خوری یورپ کو ہمیشہ عزیز رہی ہے، نماز پنجگانہ کی طرح طعام پنج وقتہ اس کی شریعت تمدن میں مخصوص ہو چکا ہے، ڈاکٹروں نے بھوکے رہنے کے نقصانات اور پوری غذا کھانے کے فوائد پر اپنی تحقیقات عالیہ کا ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا ہے، اس کے ایک نامور فلسفی (ہربرٹ اسپنسر) نے صاف کہہ دیا ہے، کہ بچوں کے حق میں اگر کم خوری و پُرخوری کے درمیان حق انتخاب دیا جائے، تو آخر الذکر یقیناً قابل ترجیح ہے، ایسی فضا میں تقلیل غذا کی آواز جس قدر بھی نامانوس سمجھی جائے بجا ہے، لیکن اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم بھی ہے، جہاں دن بھر بھوکا پیاسا رہنا، سال میں ایک مہینہ کیلئے فرض رکھا گیا ہے، اور جہاں روزہ کو گناہوں سے بچنے اور دل میں ایمان و تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، (لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ) اس مملکت خیر و برکت کے سب سے بڑے سریر آرا کا معمول تھا کہ رمضان کے علاوہ بھی بکثرت روزہ رکھتے، بلکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ متصل کئی کئی دن تک افطار نہ فرماتے، اور اس کے بعض رفقاء و خدام ایسے ہوئے ہیں، جنہوں نے ساری عمر روزہ رکھکر کاٹ دی،

سچ کہا ہے اسی نامور آقا کے ایک نامور خادم نے فضائل گرسنگی میں:

رنج جوع از رنجہا پاکیزہ تر　　خاصہ در جوع ست صد نفع و ہنر
جوع خود سلطان داروہا ست ہیں　　جوع در جان نہ چنیں خوارش مبیں

جوع مر خاصان حق را دادہ اند          تا شوند از جوع شیر زورمند
جوع بر جلف گدا را کے دہند          چوں علف کم نیست پیش او نہند

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، انگریز مسیحیوں کی ایک مشہور تبلیغی انجمن ہے، جس کے کارکن پرجوش مبلغین مسیحیت ہیں، اس کی آخری سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوا، کہ سوسائٹی کی شاخیں بیت المقدس اور قسطنطنیہ میں، دوران جنگ میں بھی کھلی رہیں، یہ طرزِ عمل اس حکومت ترکی کا تھا، جس کے ظلم، تعصب، ناروا داری و تنگ خیالی کی حکایات یورپ میں گھر گھر پھیلی ہوئی ہیں، اور مورخین انگلستان کے طفیل میں ہندوستان میں بھی ایک بڑی حد تک پھیل چکی ہیں، اس کے مقابلہ میں متمدن مسیحی اقوام باہم دگر جس فیاضی و رواداری و کشادہ دلی کا برتاؤ کرتی ہیں، اس کا کچھ چشم دید تجربہ تو ہندوستان کو بھی ہو چکا ہے، یاد ہوگا، کہ آج سے چند سال قبل ہندوستان میں جرمنوں کی متعدد مشنری سوسائٹیاں قائم تھیں، آغاز جنگ ہوتے ہی انہی کی ہم مذہب و ہم تمدن، حریت دوست و جمہوریت نواز حکومت برطانیہ نے پہلا کام یہ کیا، کہ ان تبلیغی انجمنوں کو منزل فنا تک پہنچا دیا، اور ان کے کارکنوں میں سے ایک ایک کو اسیر کر کے کسی کو خارج البلد کیا، اور کسی کو قید فرنگ میں ڈال دیا، جس قوم کا اپنوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہو، بیگانوں کو اس سے جس قسم کی توقعات رکھنی چاہیئے اس کا اظہار لاحاصل ہے۔

جس کی بہار یہ ہے پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

کہا جاتا ہے کہ دنیا کشت و خون کے مناظر سے تنگ آگئی ہے، اور عقلائے فرنگ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں، کہ ہمیشہ کے لیے جنگ کا سد باب کر دیں، چنانچہ مجلس اقوام کا زبردست نظام مع اپنے غیر محدود مصارف اور لاتعداد عملہ کے اسی غرض سے قائم ہے، بے شمار مضامین و رسائل ضرورت صلح و فوائد آشتی پر شائع ہو چکے ہیں، اور بے حساب تقریریں تدابیر امن عالم پر ارشاد ہو چکی ہیں، یہ سب کچھ "قال" تھا، "حال" جو کچھ ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ دنیا کی تمام دول عظمیٰ غایت عجلت و بے صبری کے ساتھ اپنی بحری طاقتوں کی ترقی و اضافہ کی فکر میں منہمک ہیں، چنانچہ موجودہ جہازوں کے وزن کی استعداد بہ مقابلہ قبل جنگ کے بقدر ۱۴۳۶۸۷۰۰

ٹن کے زائد ہے، سب سے بڑی بحری طاقت ابتک برطانیہ ہی کے پاس چلی آتی ہے، جو ۱۹۰۵۳۰۰۰ ٹن وزن کے جہازات کی مالک ہے، اس کے بعد امریکہ ہے، جس کے جہازات کا مجموعی وزن ۱۲،۵۰۰،۷۰۰ ٹن ہے، اس سے اتر کر جاپان ہے۔

صرف ایک سال کے اندر ہر حکومت نے اپنی بحری طاقت میں جس قدر اضافہ کیا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| جرمنی | ۱۱۳۱۰۰ ٹن | فرانس | ۲۳۹۰۰۰ ٹن |
| ہالینڈ | ۴۰۹۰۰۰ ؍؍ | جاپان | ۲۳۲۰۰۰ ؍؍ |
| برطانیہ | ۲۵۸۰۰۰ ؍؍ | اٹلی | ۲۳۱۰۰۰ ؍؍ |

تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس ادھر بھی ایک جماعت تھی، جس کی زبان پر صلح و سازگاری، صدق خلوص، سکون و امن کے دعوے رہتے تھے، مگر قلب نفاق و شقاق، کذب و ریا، فتنہ و فساد کے جذبات سے پیچ و تاب کھاتا رہتا تھا،

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ
اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ، (البقرہ-۲)

اس جماعت کا جو انجام ہوا، دیدۂ بصیرت کو عبرت کے لیے کافی ہے،

مرکز علوم و فنون و مرجع تہذیب و اخلاق انگلستان میں ناجائز ولادتوں کی کثرت تعداد اس حد تک پہنچ گئی ہے، کہ پارلیمنٹ کے سامنے مسٹر شارٹ (ہوم سکریٹری) کو ایک مسودۂ قانون اس مضمون کا پیش کرنا پڑا ہے، کہ

”ناجائز اولاد کے والدین اگر بعد ولادت آپس میں شادی کریں تو وہ اولاد قانوناً جائز اولاد کے حکم میں رکھ دی جائے گی۔“

تاکہ ترکہ، وراثت وغیرہ کے مخمصوں سے کسی طرح امن حاصل ہو، نیز یہ کہ:

”اس قانون کے نفاذ سے قبل جو ناجائز اولادیں ہو چکی ہیں، ان کے والدین بھی اگر

چاہیں، تو اس قانون سے اب نکاح کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

یہ وہی انگلستان ہے جس کے مشاہیر ارباب قلم نے سلاطین اسلام، اکابرین اسلام بلکہ خود شارعِ سلام (علیہ السلام) کی ذات مبارک تک کو (نعوذ باللہ) شہوت پرستی کے الزام سے بری نہیں رکھا تھا، کیا اس کی برقی روشنی کی جگمگاہٹ محض اس غرض سے تھی، کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی رہیں، اور اس کی سیہ کاریوں پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے، کل تک "مشرقی حرم" سے متعلق افسانہ نگاری وداستان طرازی کا حق حریفوں نے ادا کیا، آج "مغربی حرم" کی رسوائیوں کا پردہ دا قعیت کا زبردست ہاتھ خود گھر والوں کے ہاتھ سے چاک کر رہا ہے،

تری رسوائی کے خونِ شہدا در پے ہے
دامنِ یار خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا

یہ دین کا نمونہ تھا، اب دنیا کا رنگ ملاحظہ ہو، مرض سرطان جیسا موذی و مہلک ہے سب کو روشن ہے، انگلستان میں ہر سال چالیس ۴۰ ہزار نفوس سے زائد اس کے شکار ہوتے ہیں، اور امریکہ میں اسی ہزار سے کچھ اوپر، ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک پانچ برس کی مدت میں دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے کشتوں کا بہ لحاظ آبادی جو اوسط پڑا، اس کے اعداد حسب ذیل ہیں؛

| برِ اعظم | تعداد اموات | اوسط فی لاکھ آبادی |
|---|---|---|
| ۱۔ افریقہ | ۳۰۱۸ | ۳۳٫۴ |
| ۲۔ ایشیا | ۱۴۸۴۷۷ | ۵۴٫۴ |
| ۳۔ امریکہ | ۲۵۱۴۲۸ | ۶۵٫۷ |
| ۴۔ آسٹریلیا (مع جزائر ملحقہ) | ۲۰۳۴۵ | ۷۳٫۰ |
| ۵۔ یورپ | ۱۰۹۶۷۱۶ | ۷۶٫۶ |

یہ اعداد کسی مخالف کے جمع کیے ہوئے نہیں، بلکہ سر ولیم ویو نے جو انگلستان میں اس مرض کے مشہور ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں، انھوں نے پوری تحقیق کے بعد انہیں ٹائمس میں شائع کرایا ہے، اس لیے

ان میں شک و اشتباہ کی گنجائش نہیں۔

اعداد بالا میں آپ نے دیکھا ہوگا، کہ جو براعظم تمدن میں سب سے پست ہے، اس میں تعداد اموات بھی سب سے قلیل ہے، اور جس براعظم کی سطح تمدن جتنی زیادہ بلند ہے، اسی تناسب سے اس میں تعداد اموات بھی زائد ہے، یہاں تک کہ فلک تمدن یورپ میں یہ تعداد سائنس اور ڈاکٹری کی انتہائی ترقیوں کے باوجود سب سے بڑھی ہوئی ہے، ایسی حالت میں اگر سرولیم کا ذہن اس مہلک مرض اور تمدن کا علاقۂ تلازم کی جانب منتقل ہو تو بالکل بجا ہوگا، لیکن تنہا یہی ایک دلیل نہیں، بلکہ اعداد کی زبان اس کی بھی شہادت بہم پہنچاتی ہے، کہ امریکہ کے جو مقامات نفاست و تہذیب میں سب سے ممتاز ہیں، وہاں تعداد اموات کا اوسط ۸۳٫۶ فی لاکھ تک ہے، اور جو شہر ابھی تمدن کے ابتدائی منازل میں ہیں، وہاں یہ اوسط گھٹ کر ۴۸٫۳ فی لاکھ تک رہ جاتا ہے، اس سے بھی واضح تر مثال جاپان کی ہے، چند سال ادھر جاپان میں اس مرض کا نام و نشان تک نہ تھا، لیکن جس تیزی کے ساتھ جاپان نے تہذیب و تمدن کے اختیار کرنے میں اپنی مستعدی کا ثبوت دیا ہے، اسی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یہ مرض بھی ترقی کرتا رہا ہے، تاآنکہ اب یہاں بھی انگلستان کی طرح شرح اموات ۹۳ بلکہ ۹۴ فی لاکھ تک پہنچ گئی ہے، ان حالات و اعداد کی بنا پر اگر ذہن، تمدن و ہلاکت کے درمیان علت و معلول کا علاقہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے، تو اس کی ذمہ داری خود منطقین یورپ ہی کے مرتب کردہ قوانین استقرا پر آتی ہے۔

مشرق کو مشغول رکھنے کے لیے تو حسن عاقبت کی فکر کافی ہے، البتہ جو لوگ حسن عافیت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، کاش انہیں ان حقایق پر غور کرنے کی توفیق نصیب ہو۔

(معارف ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء)

(۱۱)

الہ آباد یونیورسٹی کے مسلم ہوسٹل کے طلبہ نے ایک انجمن اردو کی بنیاد ڈالی ہے جس کا مقصد اردو زبان کے علوم و ادبیات کی ترقی ہے، اس تحریک کا جس قدر جوش سے خیر مقدم کیا جائے، وہ کم ہے۔

کہ اس صوبہ کی یونیورسٹی میں جہاں کی اردو زبان صحت کا معیار ہے، اور جہاں وہ بلا استثناء ہر فرقہ کی مادری زبان ہے، اس کا اعتبار اور احترام سب سے زیادہ کم ہے، گو کہ طلبہ اور چند پروفیسر کی یہ توجہ محض ان کی ذاتی حیثیت اور ذاتی شوق کی بنا پر ہے، تاہم توقع بندھ سکتی ہے، کہ شاید وہ زمانہ بھی آئے، جب خود یونیورسٹی سرکاری حیثیت سے بھی اس زبان کی دستگیری کی طرف التفات کرے،

واقعاً یہ کس قدر حیرت اور حیرت سے زیادہ حسرت کا مقام ہے، کہ اردو زبان کی قدر اور اس کی ترقی کی کوشش ہندوستان کے ان صوبوں نے کی، جہاں وہ نسبتاً کم رواج پذیر تھی، اردو کی طرف سب سے پہلے توجہ کلکتہ نے کی، اس کے بعد پنجاب نے کی، اور اس قدر اس کی خدمت کی کہ اسی کے ذریعہ سے اردو پنجاب کی مادری زبان بن گئی، پنجاب یونیورسٹی نے اردو مصنفین کی ہمت افزائی کی، جدید علوم و فنون پر اردو میں کتابیں تصنیف کرائیں۔ اردو کے ارکان خمسہ میں سے حالی اور آزاد کو اسی نے چمکایا، عمدہ تصنیفات پر انعامات دیئے، حتیٰ کہ مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیوں نے اس کی طرف توجہ کی، لیکن توجہ نہ ہوئی تو اس صوبہ کے تعلیمی ایوان میں جہاں کی یہ اصلی زبان ہے، ایک لے دے کر سر ولیم میور کا عہد ہے، اس کو چھوڑ دیجئے تو سرکار الہ آباد کی ادبی تاریخ کا ہر صفحہ آپ کو سادہ نظر آئے گا، شکر ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی نے ایک حد تک اس کی تلافی کی، اب مجوزہ آگرہ یونیورسٹی پر نظر ہے، جہاں کی سرزمین کو میر اور غالب کے پیدا کرنے پر ناز ہے۔

مشہور محدث امام **خطابی** جن کی تصنیفات روایت اور درایت، لغت و ادب، فقہ و تاریخ کا بہترین سرمایہ ہیں، حدیث میں ان کی دو مشہور تصنیفیں ہیں، ایک[1] اعلام السنن، اور دوسری[2] معالم السنن، ان دونوں کتابوں کی ہم کو سخت تلاش ہے، مگر اب تک ان کا کوئی نسخہ ہم نہیں پہنچا، مصر کے سید رشید رضا (المنار کے ایڈیٹر) مصر کے مشہور محدث اور عامل بالحدیث ہیں، انھوں نے ہمارے ذریعہ سے یہ کتاب ہندوستان میں تلاش کرائی ہے، معالم السنن جو سنن ابوداؤد پر تعلیق ہے، اس کی پہلی جلد جونپور کے مشہور عالم خاندان علم و کمال کے چشم و چراغ مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب کے کتبخانہ

میں دستیاب ہوئی ہے، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ہے، اور یمن سے یہاں آیا ہے، اس جلد کو دیکھ کر امام خطابی کی تصنیفات کی حرص اور زیادہ بڑھ گئی ہے، اگر ہمارے ناظرین میں سے کوئی صاحب علم اس گوہر شب چراغ کا پتہ لگا سکیں تو غایت عنایت ہوگی۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے چند مہینوں سے اپنی زندگی کا پھر ثبوت دینا شروع کیا ہے، اس کا قابل تعریف ماہوار تعلیمی رسالہ کانفرنس گزٹ پھر شائع ہونے لگا ہے، اسی کے ساتھ اصلاح تمدن کا صیغہ جو مرحوم خواجہ غلام الثقلین کی وفات کے ساتھ مر گیا تھا، اب پھر اس کو "نشأۃ ثانیہ" دیے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے دفتر کی طرف سے ایک فارم مع ایک معاہدہ نامہ کے اس غرض سے شائع ہوا ہے، کہ مسلمان اس معاہدہ نامہ پر دستخط کر کے یہ عہد کریں، کہ وہ آیندہ سے سادہ زندگی بسر کریں گے، اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ پس انداز کریں گے، اور دیگر اقتصادیات کو مد نظر رکھیں گے، لیکن اگر کہیں ان اشتہارات سے قوم کی عملی زندگی اور اخلاق راسخہ میں فرق پیدا ہو سکتا تو آج ہماری قوم کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہوتی، ہم تربیت کا کام ایک عارضی اشتہار و اعلان سے لینا چاہتے ہیں، خوش قسمتی سے ہماری کانفرنس کے ہاتھ میں سالہا سال سے ایک بہترین تربیت گاہ ہے، قوم کے لیے کس قدر مفید ہوتا اگر اسکی عملی دعوت پہلے وہاں سے شروع کیجاتی۔

معارف کے پچھلے نمبروں میں "شانتی نکیتن" پر ایک مسلسل مضمون شائع ہوا ہے، اس میں جہاں کتب خانہ کا ذکر ہے، یہ شکایت کی گئی ہے، کہ اس میں عربی و فارسی کی کتابیں نہیں، مدرسہ مذکور کی طرف سے ایم. ضیاء الدین صاحب اس شکایت کی تردید کرتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ یہاں کے کتب خانہ میں عربی و فارسی زبانوں کی کتابوں کے جمع کرنے کی طرف بھی توجہ کیجاتی ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں ان چالیس پچاس عربی و فارسی کی کتابوں کے نام لکھ کر بھیجے ہیں، جو کتب خانۂ مذکور میں موجود ہیں، یہ کتابیں زیادہ تر بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات ہیں، بہرحال اگر یہ چالیس پچاس نسخے وہاں موجود نہ بھی ہوتے، تو یہ قصور شانتی نکیتن کے ارباب حل و عقد کا نہیں بلکہ ہمارا ہے، اگر اس درسگاہ میں مسلمانوں کی عملی یا علمی حیثیت سے شرکت معتد بہ ہوتی، اور پھر بھی عربی و فارسی کتابوں کی طرف توجہ مبذول نہ ہوتی،

تو جائے شکایت تھی، اگر اب بھی بالفرض وہاں ان زبانوں کی کتابیں بڑی تعداد میں جمع بھی کر دی جائیں، لیکن وہاں ان کے پڑھنے والوں کا وجود نہ ہو، تو چند روز میں یہ بھری الماریاں پھر خالی کی خالی نظر آئیں گی، علاوہ ازیں کتب خانہ مذکور میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات کے علاوہ زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جو لوگوں نے وہاں بطور ہدیہ بھیجی ہیں، اگر ان زبانوں کے ہمدرد اپنے علمی تحفے بھیجیں تو شکریہ کے ساتھ وہ قبول بھی کیے جاتے، اور ہمارے "چشم دید شاہد" کو وہ نظر بھی آتے، اسی سلسلہ میں یہ بات سن کر ناظرین معارف خوش ہوں گے، کہ ڈاکٹر ٹیگور کو جرمنی اور فرانس سے جو کتابیں ہدیہ ملی ہیں، ان میں یورپ کی عربی و فارسی مطبوعات کا بھی خاصا ذخیرہ ہے۔

ہمارے مخدوم مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے مدت کے بعد معارف کو یاد فرمایا ہے، یہ یاد ہمارے لیے خوشی کا باعث ہے، مولانا ایک خاص طرز تحریر کے مالک ہیں، جو سوز و گداز اور تاثیر سے پُر ہوتا ہے، ان کی تحریر کی خاص خصوصیت یہ ہے، کہ باہمہ رنگینی و شوخی بزرگوں کے ساتھ ادب و وقار اور عقیدت کا ایک خاص جذبہ نمایاں ہوتا ہے، وہ قدیم زمانہ کی حسرت ناک یاد کیساتھ جدید زمانہ کے عبرت ناک منظر کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں، چنانچہ اس نمبر میں ان کا جو مضمون مقالات کے تحت شائع ہوا ہے، وہ ان کی تحریری خصوصیات کا پورا مظہر ہے، قدیم اور نادر کتابوں کے ساتھ ان کا شغف و ذوق حد عشق تک پہنچا ہوا ہے، شاید ہی وہ کسی دن کا آفتاب کسی نادر علمی تحفہ کے حصول کے بغیر دیکھتے ہوں، ہر سال ان کا اچھا خاصا سرمایہ ان کے اس شوق خریداری کتب پر صرف ہوتا ہے، ہمارے خیال میں اس وقت پانچ چھ ہزار نادر اور عمدہ کتابیں ان کے "کتاب خانہ حبیب گنج" (علی گڑھ) میں فراہم ہوں گی، جن میں بہت سے علمی نوادر، قلمی تحائف اور تاریخی آثار جمع ہیں، خصوصاً فارسی ادبیات کا جتنا نادر اور عمدہ مجموعہ اس کتب خانہ میں ہے، شاید ہی اور کہیں ہوگا۔

یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ
سن رکھو تم، فسانہ ہیں یہ لوگ

مساجد اشاعت توحید و سنت اور دین حق کی نمایاں ترین، ان کی تعمیر، ان کی آبادی، اور

ان کی خدمت گذاری کے فضائل احادیث نبویؐ میں بکثرت وارد ہوئے ہیں، حقانیت اسلام کی جہانگیری کا ایک اثر یہ بھی ہے، کہ مادیت و تثلیث پرستی کے بڑے بڑے ظلمت کدہ تک شعاع انوار ہدایت سے منور ہو جاتے ہیں، یورپ کو اسلام سے جیسی کچھ محبت اور دوستی ہے، ظاہر ہے، بایں ہمہ یہ سرزمین بھی اکتساب فیض سے بالکل محروم نہیں، چنانچہ جرمنی میں ایک شاندار مسجد مضافات برلن میں بہ مقام ڈنڈرسڈورف مدت سے موجود ہے، جس کی تعمیر حکومت کی جانب سے ہوئی تھی، اور جس کے مصارف حالیہ کا بھی خزانۂ سرکاری ہی کفیل ہے، پچھلی عید الفطر کے موقع پر یہاں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نماز ادا کی گئی، اور مسلمانان ہند نے اپنے برادران ترک و ایران و مصر و افغانستان کے ساتھ اپنے خالق کے آگے سر نیاز جھکایا، حال میں فرانس سے خبر آئی ہے، کہ وہاں بھی حکومت ہی کے زیر اہتمام پیرس میں ایک عظیم الشان مسجد مع اپنے تمام متعلقات (حمام، کتب خانہ وغیرہ) کے تعمیر ہو گئی ہے،

جرمنی کے زیر حکومت ایک بھی مسلمان نہیں، فرانس کے ماتحت چار کروڑ مومن ہستیاں بستی ہیں، یہ حکومتیں اسلامی جذبات کا اس قدر پاس رکھتی ہیں، لیکن انہی کی ہمعصر یورپ میں ایک اور پُر قوت صاحب سطوت و جبروت سلطنت بھی ہے، جو اپنے تئیں سب سے بڑی اسلامی حکومت کہتی ہے، جس کے ماتحت واقعۃً دنیائے اسلام کی سب سے بڑی تعداد آباد ہے، اور جسے حجاز و عراق، مصر و ہند افغانستان و ایران سب کہیں اسلام اور پیروان اسلام سے قدم قدم پر سابقہ رہتا ہے، بایں ہمہ اسے جذبات اسلامی سے اعتنا کرنے کی اب تک اس قدر بھی توفیق نہیں ہوئی ہے،

اسلام اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر و تحفظ کے لیے بیگانوں کا محتاج نہیں، دوسری اقوام کا دست نگر ہونا اس کے لیے باعث ننگ ہے، اسکا کھلا ہوا فرمان موجود ہے کہ،

| | |
|---|---|
| مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا | مشرکوں کو اس کا حق ہی نہیں کہ خدا |
| مَسَاجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى | کی مسجدیں آباد رکھیں، درانحالیکہ اپنے |
| اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ | قول و کردار سے اپنے اوپر کفر کی گواہی |

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ
هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ
مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ
يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۔
(توبہ - ۳)

بھی دیتے ہیں، تو وہ لوگ جن کے
اعمال سب ضائع اور جن کا دائمی
ٹھکانا دوزخ ہے، خدا کی مسجدوں
کو آباد رکھنے والے تو وہ ہیں، جو
خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے
اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں
اور بجز خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے،

البتہ جو قومیں خلوص و حسن نیت سے یہ کارِ خیر انجام دینا چاہتی ہیں، وہ شکریہ سے محروم نہ رہیں گی۔

اسلام نے معابد کے باب میں وہ رواداری ملحوظ رکھی ہے، جس کی نظیر دنیا کا کوئی دوسرا مذہب نہیں پیش کر سکتا۔ انتہا یہ ہے کہ دوسری قوموں کی عبادت گاہوں کی حرمت بالکل مساجد کے مساوی مدنظر رکھی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ
وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ
فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝
(حج - ۴۰)

اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے
نہ بچاتا رہتا، تو عیسائیوں کے صومعے
اور کلیسا اور یہودیوں کے عبادت
خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن
میں بکثرت ذکر خدا ہوتا ہے، سب
ڈھائے جا چکے ہوتے۔

اور سب عبادت کے طریقوں کے یکساں احترام کی تعلیم دی ہے، کہ:

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ

ہم نے ہر قوم کے لیے ایک طریقہ عبادت
تعلیم دیا ہے، کہ اس پر چلتے رہیں، تو ان

فِی الْاَمْرِ، کو چاہیے کہ تمہارے طریقۂ عبادت
(الحج — ۹) (اسلام) میں جھگڑا نہ کریں.

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اس تعلیم پر جس پابندی کے ساتھ عمل ہوتا رہا، اس کے تذکروں سے سیر و تاریخ کے دفتر لبریز ہیں، لیکن شکر ہے کہ اس دورِ انحطاط میں بھی مسلمان اپنے مذہب کے اس حکم کی تعمیل میں بدستور ثابت قدم ہیں، ٹرکی کی رواداری اس حیثیت سے اب مخالفین تک کو تسلیم ہوتی جاتی ہے، سلطان مصر نے حال ہی میں ایک کلیسا کی تعمیر کے لیے ایک وسیع قطعۂ زمین مرحمت کیا ہے، ریاست بھوپال کے حدود میں شاید گنتی کے چند مسیحی رہتے ہیں، لیکن ان کے لیے چند روز ہوئے ریاست کے خزانہ سے ایک وسیع کلیسا تیار ہوا ہے، اور مملکت آصفیہ حیدرآباد کا خزانۂ عامرہ تو ہر سال لاکھوں کی رقم مسیحی کلیساؤں اور ہندو مندروں پر صرف کرتا رہتا ہے، ایک طرف یہ واقعات و حالات ہیں، اور دوسری طرف یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ مساوات پسند، مذہبی معاملات میں ناطرف دار، حریت دوست، جمہوریت نواز، معدلت پرور حکومت برطانیہ ہر سال تیس لاکھ کی رقم ہندوستان کی رعایا سے وصول کر کے ہندوؤں، مسلمانوں، بدھوں، پارسیوں، سکھوں کے معبدوں پر نہیں، بلکہ ہندوستان میں پچاس لاکھ بسنے والے عیسائیوں کے کلیسا پر تمام تر بے دریغ صرف کرتی رہتی ہے،

مولانا حالی مغفور کی قدردانی خود ان کی قوم میں تو یہ ہوئی تھی، کہ خالی، خیالی، دفالی جیسے سنجیدہ حریف ان کو زیر کرنے کے لیے اکھاڑے میں اتارے گئے، اور علی گڑھ، لکھنؤ اور گورکھپور سے مہینوں بلکہ برسوں ان کے نام پر آوازے کسے جاتے رہے، لیکن دوسری قومیں اس قدر تنگ نظر نہ تھیں، ان کی رباعیات کا ترجمہ مدت ہوئی انگریزی میں ہو چکا ہے، ان کی تصانیف نثر پر انگریز محققوں نے تبصرے لکھے ہیں، ان کی مناجات بیوہ کا ہند و بیرون ہند کی کل دس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، حال میں ان کی شاعری پر ایک مستقل کتاب ہندی زبان میں پنڈت جوالا دت شرما کے قلم سے انڈین پریس الہ آباد سے شائع ہوئی ہے جس میں ان کے کلام کے بکثرت اقتباسات

دیئے ہیں، عین اسی زمانہ میں گرنتھ بھنڈار لیڈی ہارڈنگ روڈ بمبئی نے ان کی مناجات بیوہ کو بھی "ودھوا پرارتھنا" کے ہندی عنوان سے شائع کیا ہے،

---

قابل ذکر امر یہ ہے کہ یہ کتاب مولانا حالی کی نظم کا ہندی ترجمہ نہیں، بلکہ بعینہٖ اسی نظم کو دیوناگری رسم الخط میں شائع کر دیا ہے، لطف یہ ہے کہ ہندو اخبارات ریویو میں زبان کی سلاست وصفائی کی داد دے رہے ہیں، گویا ہمارے ہندو احباب کے نزدیک بھی ملک کی اصل زبان وہی ہے، جو اس کتاب کی زبان ہے، جسے اردو دیوناگری دونوں طرح کے رسم الخط میں لکھا جا سکتا ہے، یہ ملکی زبان عربیت کی آمیزش سے جس قدر پاک ہے، اس کا اندازہ نظم کے پہلے شعر سے ہوگا،

اے سب سے اول اور آخر
جہاں تہاں حاضر اور ناظر

الفاظ زیر خط کھنچے ہوئے عربی زبان کے ہیں، جو احباب ملکی زبان کو عربی و فارسی اثرات سے یک لخت بے تعلق کر لینا چاہتے ہیں، کاش وہ اب بھی انصاف سے کام لیں۔

(معارف ماہ نومبر ۱۹۲۲ء)

## (۱۲)

بے مہری دہر بیں کہ در یک ہفتہ
گل سر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

نہایت رنج و افسوس اور حسرت و اندوہ کے ساتھ ہم ناظرین کو یہ خبر سناتے ہیں، کہ ملک کی بزم دانش کا ایک نوجوان ممبر اٹھ گیا، مولانا محمد یونس فرنگی محلی مرحوم نے پچھلے مہینہ لکھنؤ میں بہ مرض دق وفات پائی، مرحوم مولانا عبدالحیی مرحوم فرنگی محلی کے نواسے تھے، اور اپنے ذاتی علم و فضل میں اپنے ہم عصر نوجوانوں میں ممتاز تھے، ۲۴-۲۵ برس سے زیادہ عمر نہ تھی، معقولات اور فلسفہ سے ان کو خاص دلچسپی تھی، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ انہی کی تحقیق اور کاوش میں بسر کیا، خود اپنے ذاتی شوق سے انگریزی اور فلسفۂ جدیدہ حاصل کیا، دار المصنفین اور معارف

سے مرحوم کو خاص محبت تھی، کئی سال سے ان کی صحت مخدوش تھی، بایں ہمہ وہ اپنے علمی انہماک سے باز نہیں آتے تھے، گذشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو کر گئے تھے، وہاں مرض نے طول پکڑا، آخر وطن آکر اس شہید علم نے جان دی، مرحوم کی ایک کتاب روح الاجتماع دار المصنفین سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اور اپنی ایک دوسری تصنیف **ابن رشد** کا مسودہ دار المصنفین میں بھیج چکے تھے، جو عنقریب شائع ہوگی، مرحوم کے دوستوں کو ان کی ذات سے بڑی بڑی توقعات تھیں، اور خیال تھا، کہ ان کی کوششوں سے فرنگی محل کی عقلی اور فلسفیانہ شان پھر دوبارہ زندہ ہوگی، افسوس کہ دست اجل نے امان نہ دی، اور ہم سب کی آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ اناللہ،

---

وائنا پایہ تخت اسٹریا جنگ سے پہلے علوم و فنون کا ایک مرکز تھا، لیکن جنگ یورپ نے جس طرح اس کا شیرازہ بکھیر دیا، اس کا پُر افسوس منظر یہ ہے، کہ وائنا یونیورسٹی کا ہال جو ۱۹۱۴ء سے مرمت طلب تھا، اس درجہ تباہ اور کمزور ہو گیا ہے، کہ وہ اب مطلق کام کے لائق نہیں رہا ہے، تاہم اسٹریا کی عام مالی حالت اس کی درستی کا سامان نہیں کر سکتی، اس لیے یورپ کی اصطلاح میں وہ مردہ ہو گئی، حقیقت یہ ہے کہ اس جدید تمدن نے تصنع اور تکلف کی مسرفانہ نمائش کی جو عادت پیدا کر دی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نفس مقصد سے زیادہ حواشی اور متعلقات کی زیبائش اور دکھاوے پر صرف کرنا پڑتا ہے، ایوان تعلیم کے اندر جو کچھ ہو، مگر اس کے ظاہری در و دیوار کے نقش و نگار اور رنگ و روغن میں رعب و ہیبت کا ظہور ضروری ہے، خدا جانے یہ طلسم باطل کب ٹوٹے گا۔

---

جدید یورپین تمدن کے مداح اس کے مناقب کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور اس بات پر صرف کرتے ہیں، کہ اس تمدن نے دنیا کے بڑے بڑے عجائب زا شہروں کو پیدا کیا ہے، جن کی تنہا آبادی دوسری قوموں کے پورے ملک کی آبادی کے برابر ہے، لیکن شاید انہیں یہ نہیں معلوم کہ ان عظیم الشان شہروں کی آبادیاں اس وقت تک بے قیاس نہیں ہوئی ہیں،

جب تک ان کے پاس کے ہزاروں گاؤں برباد نہیں ہوئے ہیں، سید جمال الدین افغانی نے ایک دفعہ عروۃ الوثقیٰ میں ہندوستان کے متعلق لکھا تھا، کہ انگریز کہتے ہیں، کہ ہم نے ہندوستان آکر یہاں بمبئی، مدراس، کلکتہ جیسے شہر بنائے، لیکن یہ معلوم ہے کہ ہندوستان کو اپنی کتنی متاع گراں مایہ لٹا کر یہ چند مصنوعی شہر ہاتھ آئے ہیں، پٹنہ، ڈھاکہ، مرشدآباد مٹ کر کلکتہ بنا ہے، سورت، کھنبایت، احمدآباد، پٹن وغیرہ اجڑ کر بمبئی تعمیر ہوا ہے، ارکاٹ اور کوچی وغیرہ نے مدراس اور وابل نے کراچی کی صورت اختیار کی ہے، اس لیے صرف شہروں کی جگہیں اور تجارت کی منڈیاں بدل گئیں، اور حقیقت میں جہاں ہندوستان پہلے تھا اس حیثیت سے وہیں اب بھی ہے،

---

لیکن گذشتہ جنگ عظیم نے جہاں یورپین تمدن کی بیسیوں کمزوریوں اور عیوب کو نمایاں کردیا ہے، وہاں اس خاص وصف آبادی کی کمزوری بھی برملا ظاہر ہورہی ہے، چنانچہ لندن جو دنیا کا سب سے بڑا آباد شہر ہے، بیس سال سے اس کی مردم شماری ہر سال کم ہورہی ہے، اور یہ امر اس واقعہ کا ثبوت ہے، کہ اس شہر کا انتہائی کمال اپنے نقطۂ اوج پر پہنچکر اب گر رہا ہے،

---

احاطۂ بمبئی کے مسلمان مدت سے اس کوشش میں تھے، کہ بمبئی یونیورسٹی میں اردو کو بھی جگہ ملنی چاہیے، اس کوشش کا بڑا حصہ بمبئی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے انجام دیا، الحمدللہ کہ اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی، اب اسکولوں اور کالجوں میں اس کو جگہ مل گئی ہے، خاص اردو اسکول الگ قائم ہوئے ہیں، پونہ میں اردو ٹریننگ اسکول چند سال سے قائم ہے، کالج کے اعلیٰ امتحانات ادب میں اردو بھی داخل ہوگئی ہے، اب اردو ٹکسٹ بکس بورڈ قائم ہوگیا ہے، جس کا مرکز پونہ ہے، اور ہمارے دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر (الفنسٹن کالج) اس کے صدر ہیں، اس کے زیر اہتمام اردو نصاب کی ۳۴ کتابیں تیار ہورہی ہیں، اردو کتابوں پر انعام کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، کیا الٰہ آباد یونیورسٹی کے ارکان اور حکام اس سے سبق لے سکتے ہیں، حضر

مسیح کا قول کیسا سچا ہے، "نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں"۔

ابھی حال میں انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں کا جو انتخاب ہوا ہے، اس سے بعض عجیب انکشافات ہوئے ہیں، رائے دہندہ عورتوں کی تعداد بے انتہا بڑھ گئی ہے، بلکہ بعض حلقوں میں رائے دہندہ مردوں سے رائے دہندہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے، دوسرے عہدوں کو چھوڑ کر صرف مجسٹریٹ انگلستان میں اس وقت چھ ہزار عورتیں ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں، کہ آئندہ اگر یہی ترقی جاری رہی تو انگلستان میں مردوں کی حکومت کے بجائے عورتوں کی حکومت قائم ہو جائے گی، پھر معلوم نہیں، "ہوم گورنمنٹ" (خانہ داری) پر آئندہ کس کی حکومت ہوگی۔

چنانچہ عورتوں نے اپنی کثرت رائے سے اپنی اصلاحات اور حقوق طلبی کا خود سامان کرنا شروع کر دیا ہے، جنگ سے پہلے انگریز مرد تیس برس کی عمر میں شادی کر لیتے تھے، مگر جنگ کے بعد کچھ تو کثرت مصارف اور گرانی کے باعث اور کچھ اخلاقی انحطاط کے باعث اب اول تو ۳۵ سے پہلے شادی نہیں کرتے، اس کے ماسوا عورتوں کو اپنے منسوب شوہروں سے باقاعدہ نکاح کی امیدواری کرنی پڑتی ہے، اور اکثر یہ توقع مدت کی زحمت انتظار اور ناخوشگوار تجربوں کے بعد شکست ہو جاتی ہے، ایسی حالتوں میں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ڈیلی میل راوی ہے، کہ امسال عورتوں نے ممبروں کو رائے دیتے وقت ان ممبروں کو ترجیح دی، جنہوں نے یہ وعدہ کیا کہ انتخاب کے بعد پارلیمنٹ میں اس مدت انتظار اور زمانہ تجربہ کو کم کرنے کا قانون منظور کرائیں گے، لیکن سچ یہ ہے کہ شریعت کو چھوڑ کر کوئی قوم قانون سے نہیں بن سکتی۔

کلکتہ یونیورسٹی ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کی اصل اور بنیاد ہے، اسی کے تجربوں سے ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں اپنا اصول اور آئین بناتی ہیں، ادھر چند سال یونیورسٹی مذکور کی مالی دقتوں کا واقعہ کوچہ و بازار کا افسانہ ہے، یونیورسٹی نے مجبور ہو کر گورنمنٹ

سے امداد طلب کی، محکمۂ حسابات نے اصلاح کی یہ تجویز سوچی کہ آیندہ سے یونیورسٹی کے حساب کے کاغذات گورنمنٹ میں پیش ہوا کریں، یہ بات دریادل لیکن خوددار یونیورسٹی کو پسند نہ آئی، اور سنا ہے کہ اس نے ہمت کر کے گورنمنٹ کی امداد سے قطعاً کنارہ کشی کر لی ہے، اگر یہ خبر سچ ہے، تو دوسرے صوبوں کی یونیورسٹیوں کے لیے اور خصوصاً قومی یونیورسٹیوں کے لیے کلکتہ یونیورسٹی کی یہ نظیر شاید سبق آموز ہو، اس نے ثابت کر دیا ہے، کہ یونیورسٹی کی حقیقت سلطنت کا تعلق نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کی عمدگی ہے، حضرت درد کہتے ہیں۔

سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف
جس کے ہاتھ آئے جام وہ جم ہے

---

دیسی ریاستوں میں تعلیمی ترقی کے لحاظ سے اب تک صرف بڑودہ کا نام لیا جاتا تھا، مگر ادھر چند سال سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد نے جو تعلیمی ترقی کی رفتار ظاہر کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ بہت جلد اس حیثیت سے بھی ہندوستانی ریاستوں میں اپنی نمایاں شان جگہ حاصل کر لے گی، حیدرآباد کی سال گذشتہ (۱۳۲۹ف) کی جو تعلیمی روداد شائع ہوئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال سرکار نظام نے اس صیغہ پر ۴۳۶۰۴۱۷ روپے صرف کیے ہیں، جو برطانی ہندوستان کے موازنہ سے کہیں زیادہ ہے، اسی طرح مدارس اور طلبہ کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے، چنانچہ سال زیر روداد میں ۴۳۰ نئے مدرسوں اور تیس ہزار چھ سو چون نئے طالب علموں کا اضافہ ہوا، ایک دار المعلمین اور ایک دار المعلمات نئے کھلے، ۳۴۲۷ مواضع میں سے جن کی آبادی پانچسو اور ایکہزار کے درمیان ہے، اور وہاں مدارس قائم نہ تھے، سال زیر بیان میں ان میں سے ۸۴۲ موضعوں میں مدرسے قائم کر دیے گیے، کلیہ جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی وسطی جماعت میں پہلے سال ۱۲۹ طالب علم داخل ہوئے تھے، دوسرے سال ۱۰۲ طلبہ داخل ہوئے۔

حیدرآباد کی ان چند سالہ تعلیمی رفتار ترقی کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہوگا:

| | سنہ ۱۳۲۴ف | سنہ ۱۳۲۹ف |
|---|---|---|
| لڑکوں کے مدارس | ۱۰۵۳ | ۳۳۰۱ |
| لڑکیوں کے مدارس | ۱۱۶ | ۶۸۵ |
| زیر تعلیم لڑکے | ۷۵۰۰۰ | ۱۸۴۴۹۸ |
| زیر تعلیم لڑکیاں | ۷۵۰۰ | ۳۲۰۸۵ |
| کل مصارف تعلیم | ۲۰۲۵۰۰۰ | ۴۳۰۰۰۰۰ |

اردو زبان کے مصنفین اور مترجمین کی ہمت افزائی کے لیے افسوس ہے کہ ہم کچھ نہ کر سکے، یہاں تک کہ کوئی ایسا ہمارا دار الاشاعۃ بھی نہیں جو مستند اور سنجیدہ کتابوں کو بے معاوضہ ہی شائع کرنے کی ہمت کرے، پنجابی زبان خود پنجاب کی بھی علمی زبان نہیں، تاہم سکھ اصحاب اس کو ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجابی لٹریچر کو ترقی دینے کے لیے سال کی بہترین پنجابی تصنیفات پر انعامات تقسیم کیے جائیں۔

---

آج کل نیشنلسٹ کے لیے اکثر ہماری زبان میں "قوم پرست" اور "وطن پرست" اور نیشنلزم کے لیے "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کے الفاظ بولے جاتے ہیں، چونکہ مذہبی حیثیت سے "پرستیدن" کے معنی کو خیال کر کے اکثر یہ الفاظ محتاط اہل قلم کو کھٹکتے ہیں، جدید ایرانی محاورہ میں ان کی جگہ قوم خواہ اور وطن خواہ، قوم خواہی اور وطن خواہی، قوم خواہانہ اور وطن خواہانہ استعمال ہوتا ہے، کیا یہ محاورے اردو میں چل جائیں گے۔

---

معارف کے گذشتہ نمبر میں دنیائے اسلام کے ذہنی انقلاب پر جو مضمون ہم نے شائع کیا تھا، اسلامی ممالک کے اخبارات کی ہر تازہ آمد ان خیالات کی مزید تصدیق کے شواہد بہم پہنچا رہی ہے، ٹائمز کا ۴ر دسمبر کا تار ہے، کہ مشہور مصری عالم شیخ عبدالعزیز شادیش جو جنگ بلقان کے زمانہ سے اپنی مذہبی خدمات ٹرکی میں انجام دیتے رہے تھے، اور جو ۱۹۱۸ء کی ہنگامی صلح کے بعد جرمنی میں جاکر پناہ گزیں ہو گیے تھے، اب وہ مجلس ملیہ کی طلب پر انگورہ آگئے ہیں۔

اور وہاں حکومت کے اشارہ اور اعانت سے تبلیغ اسلام اور ضروریات زمانہ کے مطابق مذہبی احکام و مسائل کی تشریح اور احکام و فتاوی کی تدوین کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک انجمن کے قیام کا سامان کر رہے ہیں، جس کی شاخیں تمام ممالک اسلامیہ میں ہونگی، ہندوستان میں شیخ موصوف کو لوگ مدینہ یونیورسٹی کی تجویز کے واضع اول کی حیثیت سے جان لیں گے۔

( معارف ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء )

# شذرات

## جنوری سنہ ۱۹۲۳ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

امسال ہماری قومی محفلیں شہر گیا میں منعقد ہوئیں، اور کانگریس کے چبوترے پر سب سے پہلی دفعہ اتحاد ایشیا اور ہندو مسلم عہد نامہ کی تجویزیں معرض بیان میں آئیں، اگر یہ تجویزیں واقعی مرتب ہوکر عمل میں آجائیں، تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس ملک کی مذہبی حیثیت بدل جائے گی، اور دار الحرب کا لفظ ہندوستان کے اوصاف کی فہرست میں سے تا قیام معاہدہ قطعی طور سے خارج ہو جائے گا، اور دیگر احکام فقہیہ پر بھی اس کا ایک خاص اثر ہوگا۔

گیا کے مقام اجلاس سے قریب بودھ کا سب سے بڑا اور مقدس ترین معبد واقع تھا، ہندو مسلم اتحاد کے طلبگاروں میں سے سیکڑوں نے جاکر اس کی سیر کی ہوگی، مگر کسی کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس معبد کے کاغذی خزانہ میں ہندو مسلم رشتۂ اتحاد کا سب سے بڑا انمول موتی رکھا ہے، یعنی "متعصب ہندو کش عالمگیر" کی سند جاگیر، جو اس نے اس غیر اسلامی معبد کو عطا کی تھی، اور جس کی بدولت اس مندر کے مصارف روزینہ کا سامان ہے۔

گذشتہ دسمبر میں سب سے پہلی دفعہ ہماری قرطبہ اور غرناطہ کی درسگاہوں کو دوبارہ زندہ کرنے والی مسلم یونیورسٹی کا جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہوا، سرسید اور محسن الملک کے عہد کے بعد سے اسٹریچی ہال نے یہ دلفریب نظارہ نہیں دیکھا تھا، جو ۲۸ر دسمبر کو اس کی نگاہوں کے سامنے گذرا، "سوٹ پوش معززین اسلام" کی اتنی عظیم الشان نمایش تین سال سے دیکھنے میں نہیں آئی تھی، اس جلسہ میں الحمدللہ کہ دکھائی گئی، تقسیم اسناد کے تمام مراسم میں صرف ہر ہائنس سرکار عالیہ بھوپال کا حصۂ عمل لائق ستایش تھا، ان کی تقریر کی دعوت عمل و اصلاح کی آواز ممکن ہے کہ یونیورسٹی کے تمام حکام پر گراں گذری ہو، مگر جو لوگ کہ یونیورسٹی کو یونیورسٹی دیکھنا چاہتے ہیں، وہ حرف حرف

اس سے اتفاق کریں گے۔

مراسم تقسیم اسناد کا ایک دلکش منظر یہ تھا، کہ چانسلر سرکار عالیہ بھوپال) اور وائس چانسلر (راجہ صاحب محمود آباد) دونوں نے اسناد کی تقسیم کے وقت عربی فقرے استعمال کیے، جو کاغذ پر لکھے اور چھپے ہوئے موجود تھے، تاہم اس حیرت کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے، کہ تمام حاضرین نے بلا استثناء ایک عورت کی صحت "تلفظ اور اعراب کو ایک "مرد" کے مقابلہ میں بہتر اور لائق تعریف پایا۔

ہماری یونیورسٹی اپنے عطائے خطاب کے اختیارات کو سب سے پہلی بار اس دفعہ کام میں لائی، یہ آیندہ چل کر ہماری جدید تعلیمی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہوگا، کہ اس یونیورسٹی کے علمی خطاب یافتوں میں سر فہرست کس خوش قسمت کا نام ہے، لوگ بے قرارانہ پوچھیں گے، کیا وہ کوئی اس عہد کا بڑا عالم، بڑا مصنف، بڑا شاعر، بڑا انشا پرداز یا بڑا تعلیمی ماہر تھا، جواب ملے گا، نہیں، وہ صرف ایک ایسے بیرسٹر کو ملا، جو اتفاق سے اس وقت وزیر تعلیم تھا، اور بس،! حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخی اہمیت کو مدنظر رکھ کر علیگڑھ کے حلقۂ علم اور ادارۂ تعلیم میں اگر کوئی موزوں تر اس خطاب کے لیے ہو سکتا تھا، تو وہ علمی حیثیت سے مولوی عبدالحق صاحب (ناظم ترقی اردو) اور تعلیمی کوششوں کے لحاظ سے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، ہم نے اپنی یونیورسٹی کے اس طرز عمل کے متعلق دیوان غالب میں فال دیکھی، تو یہ جواب ملا

غالب سوختہ جاں را چہ بگفتار آری
بدیارے کہ ندانند نظیری ز قتیل

ایجوکیشنل کانفرنس نے امسال اپنی سالگرہ اپنے وطن خاص علیگڑھ میں منائی، میاں فضل حسین صاحب وزیر تعلیمات پنجاب صدر تھے، ان کا خطبۂ صدارت بجائے خود فلسفہ، تاریخ، سیاست، اور تعلیم سب کچھ تھا، اور ان میں سے ہر قسم کے جلسہ میں وہ پڑھا جا سکتا تھا، ان کے موجودہ عہدہ کو دیکھتے ہوئے ان کا یہ خیال ان کی بے حد اخلاقی جرأت کو ظاہر کرتا ہے، کہ انھوں نے ایک سرکاری وزیر تعلیم ہو کر قوم کو متنبہ کیا، کہ سرکاری تعلیم گاہیں ہماری قومی و مذہبی اغراض کے سراسر منافی ہیں،

اس مہینہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی زیارت کو جبل پور سے ایک "سب جج" صاحب آگئے، جو "شمس العلماء" کے خطاب سے مخاطب ہیں، انہوں نے مدرسۂ مذکور کی حالت زار پر بعض اخبارات میں اپنا تعزیت نامہ شائع کرایا ہے، ان کے نام سے اس تعزیت نامہ کو دیکھکر ہم کو سخت حیرت ہوئی، آج سے چند سال پہلے ندوہ کے اجلاس ناگپور کے موقع پر ہم کو ان کی "کوٹھی" پر حاضر ہونے اور گفتگو کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، اس مجلس میں موصوف نے نہایت پر زور دلائل سے عربی تعلیم کے عدم ضرورت کو ثابت کر دیا تھا، آج یہ کیا انقلاب ہے کہ ایک عربی تعلیمگاہ کی بربادی پر ان کی آنکھیں اشک فشاں اور ان کے لب نوحہ خواں ہیں: ع

تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

لیکن یہ اچھا ہوا کہ اسی سلسلہ میں قوم نے اپنے بھولے ہوئے ندوہ کو یاد کیا، اخبارات نے نوٹ لکھے، اور بعضوں نے اپنی مہربانی سے ہمیں مخاطب کیا، ہم اس کا اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ ندوہ نے پانچ سو ماہوار کے عطیۂ سرکاری کو چھوڑ کر بحمد اللہ کہ کچھ کھویا نہیں، نہ اس کی تعلیم نے پستی اختیار کی، نہ طلبہ کی تعداد میں کمی ہوئی، جو کچھ بات ہے، وہ یہ ہے کہ جس عمارت میں وہ ہے، دو سال سے اسکو لکھنؤ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کرنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں، نہ تو گورنمنٹ اس کو خریدتی ہے، اور نہ صاف جواب دیتی ہے، اور معاملہ کو ایسے گومگو میں ڈال رکھا ہے، کہ ہم اس کو نہ چھوڑ سکتے ہیں، اور نہ بنا سکتے ہیں،

تعلیمی حیثیت سے بڑودہ کی چھوٹی سی ریاست نے جو ترقی کی ہے، وہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوگی، اس کے ساتھ برطانوی ہند کے اعداد بھی پیش نظر ہوں، تو یہ واضح ہو جائے گا کہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت جو نیم وحشی ہندوستان میں اس لیے ہے، کہ یہاں علم و ہنر اور تہذیب و تمدن کی اشاعت کرے، اس کی صد سالہ کوششوں کا معیار ترقی کیا ہے؟

| | برطانی ہند | بڑودہ |
|---|---|---|
| تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد فی صد | ٦ | ١٠ |

| | برطانی ہند | بڑودہ |
|---|---|---|
| مدرسہ جانے والے لڑکے فی صد | ۳۳ | ۳۶ |
| مدرسہ جانے والی لڑکیاں | ۶ | ۵۷ |

اسی کے ساتھ یہ موازنہ بھی سامنے رہے، کہ دونوں حکومتوں کا ہر شخص کی ذات پر اور آمدنی کے تناسب سے تعلیم پر کیا خرچ ہے؟

| | برطانی ہند | بڑودہ |
|---|---|---|
| ہر شخص کی ذات پر خرچ | ۶ر ۹ر پائی | ایک روپیہ بارہ آنے |
| تعلیم پر فیصدی آمدنی کا خرچ | ۴ر | ۱۱ر |

دنیا اس فرق تناسب پر حیرت کرے گی، لیکن اس حیرت کو یہ کہہ کر دور کر دیا جائے گا، کہ برطانی ہند کی آمدنی کا نصف حصہ تعلیم و تہذیب سے زیادہ ضروری فرض پر ہر سال صرف ہو جاتا ہے، یعنی انسان کش آلات کی فراہمی اور سرحدوں کی حفاظت کی خاطر، ایک بے کراں فوج پر، اب یہ فیصلہ ہندوستان کا کام ہے کہ اس کو علم و ہنر اور امن و صلح کی فوج کی ضرورت ہے، یا جنگ و جدل، حرص و طمع، اور جہل و وحشت کے لشکر کی؟

موجودہ طرز تعلیم کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے ہمارے ماہرین تعلیم فرماتے ہیں، کہ اس میں حفظ صحت کے اصولوں کی سب سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے، چنانچہ جب کوئی انسپکٹر کسی اسکول کا معاینہ کرتا ہے، تو اس کی تحقیقات کی شروع کی دفعات یہ ہوتی ہیں، کہ عمارت کیسی ہے، گرد و پیش کی زمین اور منظر کیا ہے، روشندان کافی ہیں یا نہیں، کمروں میں روشنی پوری ہے یا نہیں، لڑکے کمرہ کی وسعت سے زیادہ تو نہیں بیٹھے ہیں، لیکن بایں ہمہ تحقیق و تدقیق کا نتیجہ کیا ہے، طالبعلموں کی صحت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے، آنکھوں کی بینائی رخصت ہو رہی ہے، ضعف معدہ کی شکایت عالمگیر ہو رہی ہے، دق اور سل کے حملے تیز ہو رہے ہیں، ہندوستان کا ذکر چھوڑ کے اس متمدن ملک کے طالب علموں کی حالت زار دیکھئے، جہاں کے جدید طرز تعلیم کے اصول ہمارے

ملک کے لیے اساس و بنیاد ہیں، یعنی انگلستان :

انگلستان میں طلبہ کی صحت کا نقشہ یہ ہے :

| | | |
|---|---|---|
| مبتلائے امراض دماغی | ضعف دماغ | ۳۱۰۰۰ |
| " | نزاکت دماغ | ۵۰۰۰ |
| " | بلادت دماغ | ۱۰۰۰ |
| مبتلائے امراض جسمانی | سل و دق | ۱۳۰۰۰ |
| " | دوسرے جراثیم کی بیماریاں | ۲۳۰۰۰ |
| | دیگر جسمانی امراض | ۵۲۰۰۰ |

ان بچوں کے علاج کے لیے تقریباً ۵۱۰۰۰، پونڈ خرچ ہوئے ہیں، لیکن طریقۂ تعلیم کی تبدیلی اس کا بہترین علاج نہیں ہوسکتی۔

بنگال کے مشہور عالم کیمیا سر پی، سی، رائے نے ساٹھ سال کی عمر میں کلکتہ یونیورسٹی سے علٰحدگی کی خواہش ظاہر کی تھی، لیکن سینٹ نے ان سے درخواست کی، کہ وہ کم از کم پانچ سال تک اور اپنے معلومات سے طلبہ کو مستفید کریں، تاکہ جو کام ان کے زیر نگرانی شروع ہو چکے ہیں، پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں، سر موصوف نے اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے جس ایثار و قربانی کی مثال پیش کی ہے، وہ ہمارے بڑی تنخواہ والے پروفیسروں کے لیے قابل تقلید ہے، آپ نے یونیورسٹی کو اطلاع دی ہے کہ "چونکہ اب میں ۶۰ کا ہو گیا ہوں، اس لیے میں کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتا، اور درخواست کرتا ہوں کہ ستمبر سنہ ۲۲ء سے میری جو تنخواہ ہو وہ اس شعبہ کی ترقی پر صرف کی جائے، کیا ہماری تعلیم گاہوں کے اساتذہ اور معلمین اس واقعہ کا یقین کریں گے۔

مسئلہ تقدیر کا ثبوت دنیا کے ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے، اہرام مصر کی نسبت عام افواہ ہے، کہ اس کے اندر فراعنہ مصر کے خزانے محفوظ ہیں، تیسری ہجری کے اوائل میں خلیفہ مامون الرشید نے اس افواہ کی بنا پر ان اہرام کے کھودنے کا حکم نافذ کیا، لیکن اس کی کھدائی پر اتنا صرف آیا جو ایک خزانے کے برابر

ہوگیا، بایں ہمہ گرانی مصارف جب ایک ہرم کی دیوار میں کچھ روزن پیدا ہوئے تو خزانہ کے بجائے ہڈیوں کا ڈھیر اس میں نظر آیا، اب اس واقعہ کے گیارہ سو برس کے بعد مصر کے قبرستان وادی الملوک میں ایک قبر کو کھودتے ہوئے عظیم الشان دفینہ کا منہ کھل گیا، جس کی نسبت اخبارات کا بیان ہے، کہ اس میں ناقابل بیان دولت ہے، کیا یہ قارون کا زیرزمین خزانہ تو نہیں؟

---

لوزان کانفرنس میں جو مسائل زیر بحث ہیں، وہ سیاسی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن امتیازات (کیپی چولیشن) کی بحث کے ضمن میں اور لارڈ کرزن کے اعتراضات کے جواب میں ترکوں نے اپنے انحطاط کے بعد سب سے پہلی دفعہ اس اعلان کی جرأت کی، کہ ہمارا ملکی قانون اگر شرع محمدیؐ پر مبنی ہے، تو یورپ کا ملکی قانون بھی زیادہ تر رومن اور جرمن لا سے ماخوذ ہے، اس بنا پر کسی قانون کی اچھائی یا برائی کی صرف یہ وجہ نہیں قرار دی جاسکتی، کہ اس کا ماخذ کیا ہے، بلکہ اس کا معیار اس کے نتائج ہیں، اور اس حیثیت سے اسلامی قانون یورپین قانون سے فروتر نہیں ہے، جزاہم اللہ عن الاسلام خیر الجزاء

---

سال نو کے عجائبات خطاب میں ڈاکٹر اقبال کا سر اقبال بن جانا ہے، اگر حکومت نے ہمارے قومی شاعر کی یہ علمی قدردانی کی ہے، تو یہ فال نیک مبارک ہو، اور اسی کے ساتھ یہ اس امر کا تازہ ثبوت ہے، کہ ہماری ملکی زبان کے خدمت گذاروں کی قدردانی انگریز اسوقت تک نہیں کرتے، جب تک ان کے خیالات رومن خط میں ان کے پیش نظر نہ ہوں، ڈاکٹر اقبال ۲۰ بیس برس سے مختلف مشرقی زبانوں میں اپنے افکار نادرہ اور جذبات عالیہ کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن ہماری حکومت نے ان کا اعتراف اس وقت کیا ہے، جب پروفیسر نکلسن کے قلم سے ان کے بعض "رموز و اسرار" شاعرانہ انگلستان کی بزم سخن میں جاکر فاش ہوئے،

---

اردو فارسی کے قدیم خدمت گذاروں میں ایک مولانا شوکت میرٹھی تھے، جو خود کو "مجدد السنۂ مشرقیہ" کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے، انہوں نے خاقانی، عرفی اور غالب کے دیوانوں کی عجیب و غریب شرحیں لکھی ہیں، اور ہمیشہ اپنے مذاق کے مطابق وہ کچھ نہ کچھ کرتے اور کہتے

رہتے تھے، افسوس ہے کہ گزشتہ مہینہ انھوں نے ایک طویل علالت اور کبر سنی کے بعد وفات پائی، اب شاید ایسے لوگ بھی ہمارے ہندوستان میں آیندہ پیدا نہ ہوں گے،

انقلاب شام کے بعد عربوں میں جو خوشگوار جدید تغیرات پیدا ہوئے ہیں، ان میں ایک اپنی گذشتہ تمدنی و علمی عظمت کو دوبارہ زندہ کرنے کا خیال ہے، محمد کرد علی شام کے ایک مشہور صاحب علم مصنف ہیں، یہ پہلے دمشق سے المقتبس نام کا عربی میں الندوہ کے طرز کا ایک رسالہ نکالا کرتے تھے، شام کے جدید سیاسی انقلاب کے بعد یہ وہاں کے وزیر تعلیمات مقرر ہوئے، ان کی سرکردگی میں دمشق میں ایک اکاڈمی بنام "المجمع العلمی العربی" قائم ہوئی ہے، اور اس کی طرف سے دو برس سے ایک ماہوار علمی رسالہ شائع ہوتا ہے، اتحاد اسلامی کا ایک مظہر یہ ہے، کہ مجمع مذکور دارالمصنفین کے ساتھ اپنا علمی رشتۂ اخوت قائم کرنا چاہتا ہے۔

جدید اسلامی ہندوستان کے دور اول کے قومی رہبروں میں سر سید کے بعد نواب **وقارالملک** وہ خوش قسمت ہیں جن کی ایک مبسوط اور ضخیم سوانحعمری لکھی گئی ہے، اسکا نام "وقار حیات" رکھا گیا ہے، اور مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ندوی (سابق اڈیٹر الندوہ لکھنؤ) نے ایجوکیشنل کانفرنس کے زیر اہتمام اس کو لکھا ہے، یہ نواب صاحب مرحوم کی نہایت مفصل سیرت ہے، اور جس میں خصوصیت کے ساتھ ان کے اخلاقی واقعات کو وسعت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ کتاب ہمارے اخلاقی آئینہ خانہ میں ایک نئے آئینہ کا اضافہ کرے گی۔

**گل رعنا** دارالمصنفین میں **شعر الہند** کے نام سے ایک کتاب اردو شاعری کی تاریخ ارتقا پر زیر تصنیف ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اردو شعراء کا ایک مفصل ناقدانہ تذکرہ بھی ہماری زبان میں لکھا جاتا،، کہ "آب حیات" جس "چشمۂ ظلمات" سے نکلا ہے، وہ لوگوں کو نظر آجاتا، الحمدللہ کہ ایک خضر حق اردو کو مل گیا، جس نے قدماء سے لیکر داغ و اکبر تک کے تمام اردو شعراء کا ایک مفصل تنقیدی تذکرہ لکھ کر ہمارے لیے تحقیقات کی ایک نئی شاہراہ کھولی ہے، جناب مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء نے اس فرض کو انجام دیا ہے، اور غایت کرم فرمائی سے تصنیف مذکور دارالمصنفین کو اشاعت کی غرض سے عنایت

فرمائی ہے، اس اشاعت کے سلسلۂ مقالات میں اسی نسخۂ قلمی کا ایک باب ہدیۂ ناظرین ہے،

(معارف ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۳ء)

(۲)

چند مہینوں سے معارف کے شذرات کا پہلا صفحہ علم و فن کے بزرگوں کی وفات پر ماتم کے لیے مخصوص ہوگیا ہے، آج ہم دوسروں کی موت پر ماتم کرتے ہیں، کل دوسرے ہماری موت پر ماتم کریں گے، دنیا کا یہ کاروبار کائنات فانی کے وجود کے ساتھ قائم ہے، اور اسی کے ساتھ قائم رہے گا، یہ حوادث آباد عالم جس کو ہم تم قائم، مستمر اور مسلسل جان رہے ہیں، ہر آن اور ہر لمحہ اس طرح بدل رہا ہے، کہ غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا، کہ جو نقشہ، جو کیفیت، جو صورت حال اس آن ہے، وہ اس آن نہیں، ایک مستمر تغیر اور ایک مسلسل انقلاب جاری ہے، اور پردہ دار کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (ہر روز وہ ایک نئے رنگ میں ہے) کا پورا جلوہ نما رہے، لیکن با ایں ہمہ انقلاب و تغیر بظاہر اس کے قیام، استمرار اور تسلسل میں فرق نہیں آتا، سمندر کی لہریں ہر آن بدل رہی ہیں، مگر سمندر کی صورت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، صورتیں مٹتی جاتی ہیں، شکلیں فنا ہوتی جاتی ہیں، مگر اس آئینہ خانہ کی آبادی اور صورت گری میں کوئی فرق نہیں آتا،

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گیے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

## مولانا حکیم سیّد عبدالحیٔ صاحب ناظم ندوۃ العلماء

۲ر فروری سنہ ۱۹۲۳ء کی شام کو اس مجلس کا جو ممبر اٹھا ہے، اس کا اس دنیا میں مجازی نام عبد الحیؒ تھا، مولانا حکیم سید عبد الحیؒ صاحب ناظم ندوۃ العلماء عہد جدید کے اولیں علماء میں سے تھے، سادات رائے بریلی کے مشہور خانوادۂ علم و عمل سے تھے، جس کے بعض افراد سلاطین وقت کے درباروں میں اور بعض فقر و تصوف کی خانقاہوں میں ممتاز تھے، بعض درس و تدریس کی چٹائیوں پر نشست فرما تھے، اور بعض تالیف و تصنیف کی مسندوں پر جلوہ آرا تھے، اس خاندان کے آخری رکن مولانا سید احمد صاحب شہید بریلویؒ

تھے جو سید صاحب کے نام سے عموماً مشہور تھے، اور جو خانوادۂ ولی اللہی کے گل سرسبد مولانا اسماعیل صاحب شہید کے پیر تھے، وہ اپنے عہد کے اس فرقہ کے امام اور امیر المومنین تھے، جو ہندوستان میں اسلام کی غربت کی چارہ سازی کے لیے اٹھا تھا، اور جو دینی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتا تھا، بنگال سے لے کر پنجاب تک غدر سے پہلے مجاہدین کا جو سیلاب سکھوں کے مقابلہ کے لیے اٹھا تھا، اس کا سرچشمہ سید موصوف ہی کی ذات تھی، بالآخر ایک معرکہ میں پٹھانوں کی بے وفائی سے سکھوں کے مقابلہ میں اپنے رفقائے خاص کے ساتھ بہادری سے شہید ہوئے، ان کی شکست خوردہ جماعت یاغستان کی پہاڑیوں میں پناہ گزیں ہوئی، اور مجاہدین کے نام سے اب تک قائم ہے، چمرقند اس کا صدر مقام ہے، اور سید صاحب کے دوبارہ ظہور کے اب تک منتظر ہیں،

مولانا سید عبد الحی مرحوم کے والد ماجد بھی ایک فاضل یگانہ تھے، تاریخ و سیر کے ماہر اور داستان کہن کی بولتی زبان تھے، ان کا سفینہ ایک یادگار چیز ہے، اور ان کا تذکرہ ان کے عہد کا تاریخی سرمایہ ہے، مولانا سید عبد الحی مرحوم کو یہ ذوق باپ ہی سے وراثت میں ملا تھا،

مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ میں مولانا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی اور مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے تعلیم پائی، حدیث شیخ حسین صاحب محدث یمنی سے بھوپال میں پڑھی، پھر کانپور آئے، اس وقت ندوۃ العلماء کا مرکز یہی شہر تھا، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری اس کے ناظم تھے، ان کی نگاہ انتخاب فوراً اس جوہر قابل پر پڑی، وہ دن ہے اور ان کی وفات کا دن ہے، کہ ندوہ ان کی خدمات سے کبھی محروم نہیں رہا، ندوہ پر کیا کیا انقلابات آئے، ارکان بدلے، کتنے منتظمین آئے اور گئے، کتنے معتمد اور ناظم عزل و نصب ہوئے، کتنے فتنے اور حوادث پیدا ہوئے، مگر ان تمام حالات و حوادث کے طوفان میں ثبات و استقلال کی صرف ایک چٹان تھی، جو اپنی جگہ پر تھی، اور وہ مولانا سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم کی ذات تھی۔

باوجود شغل مطب، فرائض ندوہ اور مذہبی رجوع عام کے وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھا کرتے تھے، اسلامی ہندوستان کے پورے ہزار سالہ عہد میں شعراء، مشائخ، اور سلاطین کے سیکڑوں تذکرے اور تاریخیں لکھی گئیں،

لیکن آزاد بلگرامی کی تصنیفات کو چھوڑ کر ایک مختصر سا رسالہ بھی یہاں کے علما اور فضلائے فن کے حالات میں نہیں لکھا گیا، مولانا مرحوم نے اس نقص کو محسوس کیا، اور پورے بیس برس اس کام پر انھوں نے صرف کیے، اور اس عرصہ میں ہندوستان کی اس سرحد سے اس سرحد تک کوئی کتب خانہ نہیں چھوڑا، جہاں ذوق طلب ان کو کھینچ کر نہ لے گیا ہو، اور بالآخر تقریباً آٹھ دس جلدوں میں علمائے ہند کی پوری سوانح عمریاں جمع کیں، اس کا مقدمہ لکھا، جس میں ہندوستان کے اسلامی علوم و فنون کی تاریخ مرتب کی، عربی میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک صفحہ نہیں، جو کچھ معلوم ہے وہ انگریزی کی زبانی، مرحوم نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ "سلاطین اسلام" یہاں کے اسلامی تمدن، مساجد، مدارس، عمارات شفاخانے اور دیگر خصوصیات پر ایک پوری کتاب تیار کی، جو دار المصنفین کے اہتمام میں جامعہ پریس میں چھپ رہی ہے۔

---

مرحوم کے تذکرۂ شعرائے اردو کا ذکر گذشتہ پرچہ میں آچکا ہے، اور اس کے چند صفحے بھی ناظرین کے نذر کیے جا چکے ہیں، اس تذکرہ کا آخری باب یعنی متاخرین شعرا کے تذکرہ کا حصہ انھوں نے ہمارے پاس نہیں بھیجا تھا، معلوم نہیں کہ وہ ترتیب بھی پا سکا تھا یا نہیں، سورت کانفرنس کی خواہش پر انھوں نے گجرات کی علمی تاریخ لکھ کر پیش کی تھی، جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے چھپ کر شائع ہوئی ہے، علاوہ ازیں چند اصلاحی رسائل، نور ایمان، اصلاح وغیرہ چھپے ہیں، طبیب العائلہ (فیملی ڈاکٹر) طب میں بھی ان کا ایک رسالہ اردو میں چھپا ہے۔

---

مرحوم نے اپنی ان معنوی یادگاروں کے ساتھ چند ظاہری یادگاریں یعنی چند اولادیں بھی چھوڑی ہیں، ان کے بڑے صاحبزادے عبد العلی کی عمر ۲۴ - ۲۵ برس کے قریب ہوگی، مرحوم باپ کو یہ دھن تھی کہ علم و فن کا کوئی شعبہ بھی اس یادگار خاندان کی دسترس سے نہ چھوٹے، دار العلوم ندوہ میں عربی ادب کی کتابیں انھیں پڑھوائیں، حدیث دار العلوم دیوبند بھیجکر پڑھوائی، طب خود پڑھایا، علوم عربیہ سے فارغ کر کے ان کو انگریزی شروع کرائی، چند سال میں بی، ایس، سی کی ڈگری حاصل کی، پھر میڈیکل کالج لکھنؤ میں داخل کیا، اور اب ان کی ختم تعلیم میں دو برس باقی ہیں، خدا سے دعا ہے کہ برادر عزیز کامیابی کے

ساتھ اپنی زندگی بسر کریں، اور علم و فن اور دین و ملت کی خدمت میں اپنے نامور باپ کے جانشین ثابت ہوں۔

اسی سلسلہ میں ندوہ کا مسئلہ سامنے آتا ہے، ندوہ نے اپنی کامیابی کی اتنی مثالیں پیش کی ہیں، کہ ان کے انکار کی جرأت نہیں کی جا سکتی ہے، قوم کا فرض ہے، اور اکابر ملت پر حق ہے، کہ وہ روشن خیال و روشن ضمیر علمائے ہند کی اس بست و پنج سالہ علمی و دینی جد و جہد کے اس مظہر کو دنیا میں قائم رکھیں، کہ آج جو کچھ نظر آرہا ہے، اور کیا جارہا ہے، علمائے ندوہ کی جماعت سب سے پہلی جماعت تھی جس نے اپنی عاقبت اندیشی کی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا تھا، اور ان کا سامان کرنا شروع کر دیا تھا۔

---

دار العلوم کی عمارت کی تکمیل سب سے پہلے ضروری ہے، دار الاقامہ، کتب خانہ، اور مسجد بنا بھی تمامتر باقی ہے، اصل درسگاہ کی عمارت میں بھی کئی ہزار روپیہ کی ضرورت ہے، اس وقت دار العلوم ندوہ میں ہندوستان کے ہر صوبہ کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، اس لیے اس وسیع ملک کے ہر صوبہ کے مسلمانوں سے اس کی اعانت اور امداد کا سوال ہے۔

---

۷ ؍ فروری کو علی گڑھ میں جامعہ ملیہ کا دوسرا سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد منعقد ہوا، ہر صوبہ کے قومی کارکن جلسہ میں شریک تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ مشرقی اور مغربی دونوں علوم کے ماہرین پہلو بہ پہلو جلوہ فرما تھے، ڈاکٹر پی، سی، رائے، ڈاکٹر ضیاء الدین، ڈاکٹر محمود، ڈاکٹر انصاری، خواجہ مجید، شیخ معظم علی، سید محفوظ علی، سید ہادی حسن سائنٹسٹ، تصدق احمد شروانی وغیرہ ایک طرف، اور مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن، مولانا ابو الکلام، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا اسلم جیراجپوری، مولانا محمد سورتی، حکیم محمد اجمل خاں صاحب وغیرہ دوسری طرف، یہ منظر نمایاں کرتا تھا، کہ جامعہ ملیہ کا مقصود مشرق و مغرب دونوں کو یکجا کرنا ہے۔

---

جلسہ تمامتر سادگی اور صفائی کا نمونہ تھا، پورا ہال، سائبان، اور صحن حاضرین سے بھرا تھا، سنڈیکیٹ اور اسٹاف کے ارکان اپنے اپنے رنگ کی عباؤں میں تھے، ڈاکٹر رائے جو ہندوستان کے سب سے بڑے سائنٹسٹ اور خصوصاً بڑے کیمسٹ (ماہر کیمیا) ہیں، وہ صدر جلسہ تھے، انہوں نے انگریزی میں اپنا خطبۂ صدارت پڑھا، جو مسلمانوں کی علمی تاریخ کے بیانات سے لبریز تھا، انھوں نے کہا کہ

جامعہ کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اسلاف کی علمی روایات کو عمل کی صورت میں پیش کرے،

---

ڈاکٹر رائے پتلے دبلے سے کالے رنگ کے بوڑھے آدمی ہیں، سادگی اور بے تکلفی کا نمونہ ہیں، ان کو دیکھ کر کوئی شخص انکے ڈاکٹر رائے ہونے کا گمان نہیں کر سکتا، جن کے شور تحسین سے مشرق و مغرب کے کیمیا خانے اور دار التجربے معمور ہیں، وہ طالب علموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر آسمان (فلکیات) کی باتیں کرتے تھے،

(معارف ماہ فروری سنہ ۱۹۲۳ء)

(۳)

گذشتہ مہیب جہاں سوز جنگ میں ہم سے کہا گیا تھا، کہ یہ دنیا کی آخری خونی جنگ ہے، آیندہ آدم کے بیٹوں کا خون جنگ کی دیوی پر بھینٹ نہیں چڑھایا جائے گا، لیکن قول و عمل میں کس قدر بعد عظیم ہے، برطانی رائل کمیشن نے ذیل کے حربی یعنی انسان کش ایجادات پر جو فیاضانہ انعامات تقسیم کیے ہیں، وہ گذشتہ بلند آہنگانہ دعوے کی علانیہ تکذیب ہے۔

| | |
|---|---|
| انعام متعلق تحت البحر | ۲۷۰۰۰ پونڈ |
| " " لائم پرگنمیٹ | ۱۲۵۰۰ " |
| " " بم | ۳۵۰۰ " |
| " " بڑے بم | ۲۷۰۰۰ " |
| " " دو اور چار انجن کے طیارے | ۳۰۰۰۰ " |
| " " ہوائی جہاز | ۴۸۰۰۰ " |
| " " رات کو اڑنے والے جہاز | ۵۰۰۰ " |

---

مغربی تمدن کے ثناخوانوں نے ہندوستان اور افریقہ کی وحشی نیم برہنہ آبادی پر نفرت اور حقارت کی نظر ڈالی ہے، حالانکہ یہ محض غربت، افلاس، اور جہالت کا نتیجہ ہے، لیکن کیا یورپ کے متمدن، دولتمند

دانائے روزگار نیم برہنہ انسانوں پر بھی ان کی کبھی نظر پڑی ہے، جو محض تمدن، دولت اور تعیش کے نشہ سے سرشار ہو کر جامۂ انسانیت سے باہر ہیں، غور کرو کہ ہندوستان و افریقہ کی ایک وحشی عورت اور لندن و پیرس کی ایک متمدن خاتون کے لباسِ برہنگی میں کیا فرق ہے، صرف یہ کہ ایک افلاس اور جہالت کا نتیجہ اور دوسرا دولت اور تمدن کا۔

---

جنگ عظیم نے یورپ کی عورتوں کو مرد بننے پر مجبور کیا، اس سے اور بھی زیادہ بعض عیوب میں ترقی ہوگئی ہے، اب یورپ جب اپنے گذشتہ کابوسی دورہ سے نجات پانے کے لیے تڑپ رہا ہے، تو اس کو اپنی ڈراؤنی شکلیں نظر آتی ہیں، منجملہ اس کے ایک لباس برہنگی ہے، چنانچہ اصلاح لباس کے لیے وہاں ایک عام تحریک پیدا ہوگئی ہے، وہاں کلبوں اور لہو و لعب کی انجمنوں نے اعلان کیا ہے، کہ آئندہ جو لڑکیاں کھیلوں میں شرکت کریں، ان کو ایسا لباس اختیار کرنا چاہیے، جس سے انکا جسم مستور رہے۔

---

ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے، دس سال کے عرصہ میں ۳۸ لاکھ ۷۶ ہزار سے ۴۷ لاکھ ۵۶ ہزار ہوگئی، گویا نصف کروڑ کی تعداد تین سو برس کے اندر انھوں نے ہندوستان میں حاصل کرلی، ہندوستان کے ہندو اور مسلمان دونوں سن لیں، کہ ابھی تو ہندوستان کی تقسیم حقوق میں تنصیف یعنی آدھا ہندو آدھا مسلمان کا سوال ہے، لیکن اگر یہی لیل و نہار رہے تو تنصیف کی جگہ تثلیث لے لے گی، یعنی ہندوستان کے ہندو، مسلمان اور عیسائی تین حصے کرنے پڑیں گے، آریہ سماج مبلغین کیلئے غریب نومسلموں کی طرف توجہ کرنے سے بہتر، ان عیسائیوں کی طرف توجہ کرنا تھا، جو ان کی قوم سے ہر روز نکل کر سیکڑوں کی تعداد میں دوسری قوم میں داخل ہو رہے ہیں، نومسلموں کی داستان تو غریب عالمگیر کے عہد کی پرانی ہوگئی ہے اسکے پیش نظر عالمگیری عہد کی طرف ان کی توجہ کیوں ملتفت نہیں ہوتی۔

---

ڈاکٹر ولیم ہارنڈے نے جو نیویارک کے زندہ عجائب خانہ کے مشہور ڈائرکٹر ہیں، حال ہی میں ایک کتاب جانوروں کے اخلاقی و معاشرتی حالات کے متعلق لکھی ہے، اس میں انھوں نے بتایا ہے، کہ خونخوار جانور اخلاقی و معاشرتی حیثیت سے انسانوں سے بدرجہا بہتر ہیں، ان خونخوار جانوروں میں صرف بھیڑیا ہے جو

اپنے ہم جنس پر حملہ کرتا ہے، لیکن انسان ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو تیار، ان میں بچوں یا بڈھوں کو مارنے کا رواج نہیں، لیکن آدمی یہ سب کچھ کرتا ہے، یہ جانور آپس میں کبھی بھی نہیں لڑتے، مگر اشرف المخلوقات کا آجکل مقصد زندگی یہی ہے، ان میں اخلاقی کمزوری نام کو نہیں، لیکن بنی نوع انسان کے اندر بدرجۂ اتم ہے حیا سوز ہیں۔

ہندوستان کے اُن منتخب لوگوں میں جن کو قلمی اور نادر کتابوں کا شوق بلکہ عشق ہے، جناب حکیم **محمد اجمل** خاں صاحب کا بھی نام شامل ہے، رامپور کے نادر علمی خزانہ کی تنظیم اور ترتیب جناب موصوف ہی کے شوق علم کی ممنون ہے، وہ خود بھی اپنی ذاتی ملکیت میں نوادر کتب کا بڑا ذخیرہ رکھتے ہیں، جس میں طب کے علاوہ اور بعض علوم کی بھی اچھی کتابیں ہیں، ابھی اوائل فروری میں جمعیۃ العلماء کی تقریب سے دلی جانا ہوا تو موصوف نے اپنے کتب خانہ کے بعض عجائبات دکھائے، صحیح بخاری کا بخط عرب عمدہ نسخہ نظر آیا، جو امرائے یمن کے کتب خانہ کا تھا، اور جس پر مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس کے ہاتھ کے دستخط ہیں،

سب سے نادر جو چیز ہے، وہ مرحوم **نظامیہ** بغداد کی ایک علمی یادگار ہے، نظامیہ کا کتب خانہ خلفائے عباسیہ اور سلاطین سلجوقیہ کے شاہانہ عطیوں کا گنجینہ تھا، جو کہتے ہیں، کہ کچھ تو حملۂ تاتار میں نہر دجلہ کے نذر ہوا، اور باقی محقق طوسی کی معرفت تتارستان کو منتقل ہوگیا، حکیم صاحب کے یہاں ہندسہ، مناظر و مرایا، اور دیگر فروع ریاضیہ کا ایک ضخیم مجموعہ ہے، جو محمد بن موسیٰ (خوارزمی) مدون جبر و مقابلہ ثابت بن قرہ مترجم کتب یونانی اور محمد بن ہیثم بانی فن مناظر و مرایا وغیرہ جیسے اکابر روزگار کی تصنیفات و رسائل پر مشتمل ہے، اور ان کا کاتب و جامع غالباً اس عہد کا کوئی شائق طالب علم ہے، ۵۷۲ھ میں وہ ان رسالوں کو جمع کرتا ہے، لیکن کہاں بیٹھ کر مدرسہ نظامیہ بغداد اور نظامیہ موصل، نظامیہ حلہ وغیرہ میں، ہر رسالہ کے خاتمہ پر مقام کتابت کا وہ ذکر کرتا ہے، اور اس طرح یہ نادر مجموعہ نظامیہ یونیورسٹی کے پورے سلسلہ کی ایک زندہ یادگار ہے، اور طلبائے نظامیہ کے علمی ذوق و شوق کی پوری تصویر ہے، اور پھر یہ خرمن کن کن مدرسوں میں پھر پھر کر ایک طالب علم نے جمع کیا ہے،

هیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت
دانہ می چیدم من آں روزے کہ خرمن داشتم
(شبلی)

مولوی ابوبکر صاحب جونپوری کے کتب خانہ کا اس سے پہلے ذکر آچکا ہے، چند مہینے ہوئے کہ اس کتب خانہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا حسب ذیل کتابیں اسمیں اچھی نظر آئیں۔

۱۔ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر۔ قاضی شوکانی، یہ کتابوں کی سندوں کا مجموعہ ہے، مولوی ابوالفضل عبدالحق صاحب مرحوم بنارسی نے یمن جاکر قاضی شوکانی سے تلمذ حاصل کیا تھا، اور وہی اس تحفہ کو ہندوستان لائے، سنہ ۱۲۳۵ھ کا یہ واقعہ ہے، جو کتاب کی تحریر کی تاریخ ہے،

۲۔ اعلام السنن امام خطابی، بخط عرب، جزء اول۔

۳۔ مشارق الانوار، قاضی عیاض، حدیث کے لغات وانساب اور اسمائے بلاد کی تحقیق میں بیش بہا تصنیف ہے،

۴۔ شرح قصیدہ نشوان بن سعید حمیری، یہ یمن کی تاریخ ہے، جو زمانۂ قدیم سے لیکر ائمۂ زیدیہ تک کے احوال پر مشتمل ہے، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ میں بھی نظر سے گذرا ہے، جونپور کا نسخہ ۱۰۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے، اور شاہان یمن کے کتب خانہ کا ہے،

۵۔ حاشیہ مرزا شروانی بر شرح عقائد، عمدہ نسخہ

لیکن ان سب سے زیادہ جو چیز ہمیں تعجب انگیز نظر آئی، وہ **اختیار** نام کی فقہ حنفی کی ایک فارسی کتاب ہے غدر سے پہلے کمپنی کے عہد میں جب شاہ ہندوستان کے نام سے دلی کے ٹوٹے پھوٹے تخت پر شاہ جہاں اور عالمگیر کا ایک سایہ شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر وغیرہ کے ناموں سے قائم تھا، ہندوستان کی عدالتوں میں شرع محمدی کا نام بھی قائم تھا، اور عموماً فیصلے انگریزوں کی نگرانی میں اسلامی قانون کے مطابق ہوتے تھے، یہ انگریز فارسی جانتے تھے، اور کسی نہ کسی عالم کو اپنا مشیر رکھتے تھے، جو ان کو فقہ کے مسائل بتاتا اور فقہی کتابوں کے مطالب سمجھاتا تھا، اختیار کا یہ نسخہ اسی عہد کی ایک داستان ہے، محمد آباد بنارس کی عدالت میں مولوی سلامت علی خاں مخاطب بہ حذاقت خاں، احکام شرعیہ کی تحریر پر مامور تھے، اور ”نواب معین الملک

اقتدار الدولہ مسٹر جان نیف بہادر صلابت جنگ" حاکم عدل تھے، مولوی صاحب نے مسٹر موصوف کی سہولت کے لیے فارسی میں فقہ حنفی کی یہ کتاب تالیف کی، تاکہ صاحب موصوف کو مقدمات کے فیصلہ میں آسانی ہو، یہ کتاب تعزیرات، حدود، قصاص کے ۲۰۸ مسائل پر مشتمل ہے، ہر صفحہ پر دو کالم ہیں، ایک کالم میں مسئلہ کی صورت لکھی ہے، اور دوسرے کالم میں کتب فقہ کے حوالوں سے اس کے جوابات لکھے ہیں، سنہ ۱۲۱۲ھ اس کتاب کی تالیف کی تاریخ ہے، اور مولف نے اس کو لکھ کر "امیر اعظم حامی علماء دین مسٹر جان ڈبن" کے نذر کیا۔

---

کتاب کے خطبہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"سلامت علی خاں معروف بہ صداقت خاں در بلدۂ محمد آباد بہ ایائے کہ در عدالت مرافعۂ ثانی بتحریر احکام شرعیہ بحضور نواب مستغنی عن الالقاب حاتم دوراں، فلاطون زماں، معین الملک اقتدار الدولہ مسٹر جان نیف بہادر صلابت جنگ مامور بود، بنا بر سہولت از مسائل چند در باب حدود و قصاص کہ اکثر محتاج الیہ یافتہ بزبان فارسی ترتیب دادہ، در سنہ ۱۲۱۲ھ آغاز تالیف نمودہ ہدیہ بارگاہ نوشیرواں حکم، نصفت و عدالت و فرمانروائے کشور امارت امیر اعظم، زبدۂ ارباب ہمم، حامئ علمائے دین، مسٹر جان ڈبن۔

---

ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ نواب وقار الملک ؒ کی لائف کا جو بہت بڑا مواد جناب منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال نے سالہا سال کی محنت میں جمع کیا تھا، انھوں نے وہ تمام امانت ایجوکیشنل کانفرنس کے صیغۂ تالیف کے سپرد کر دی ہے، اور اس طرح یقین ہے کہ **وقار حیات** پہلے سے زیادہ مکمل صورت میں ظاہر ہوگی۔

---

"دنیائے اسلام کے ذہنی انقلاب" کی نئی نظیریں ہمیشہ سامنے آتی رہتی ہیں، **بخارا** اور **ترکستان** کے چند طالب علم علوم جدیدہ کی تحصیل کے لیے برلن گئے ہیں، مصر میں علوم دینیہ کی بطرز جدید درسگاہ قاہرہ میں دار العلوم تھا، اب زقازیق میں ایک بڑا دینی مدرسہ قائم ہوا ہے، جس کے افتتاح میں علمائے

ازہر اور ارکان حکومت سب شریک تھے، دار العلوم کے طلبہ آج کل اس کوشش میں سرگرم ہیں کہ "نئی آزاد حکومت" میں ان کا رتبہ کیا ہوگا، اور ان کے امتیازات کیا ہوں گے۔

اسی سلسلہ میں ہم کو اہل ہند کے کانوں تک ایک اور خبر پہنچانی ہے، ہندوستان کے علوم جدیدہ کے شائق جس طرح ہر طرف سے جرمنی کا رخ کر رہے ہیں، اسی طرح علوم عربیہ کے مشتاق مصر جا رہے ہیں، کئی طلبہ جا چکے ہیں، اور کئی جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، جو طلبہ مصر جا چکے ہیں، خوشی کی بات ہے، کہ وہ وہاں ہندوستان کا وقار قائم کر رہے ہیں، ابھی ہم کو اسی فروری میں مصر کے ایک ہندی صاحب کا خط موصول ہوا ہے، جس میں انھوں نے مولوی ظہیر الدین حیدر آبادی کا ایک عربی قصیدہ بھیجا ہے، جس کو انھوں نے اپنے استاد شیخ زکی محمد مہندس کے مفتش عام (انسپکٹر جنرل) مقرر ہونے پر تہنیت میں لکھا ہے، دار العلوم قاہرہ کے اساتذہ و طلبہ کے ایک جلسہ میں جب اس کو ظہیر الدین صاحب نے پڑھا، تو حاضرین نے بڑی داد دی، اور ایک ہندی نژاد کی اس مہارت عربی پر بہت تعجب ہوا، ہمارے نزدیک یہ ایک معمولی واقعہ ہے، کہ ابھی تک اہل مصر کے سامنے اہل ہند کی عربیت کی مثالیں بہت کم ہیں، المنار میں ہم دیکھا کرتے ہیں، کہ وہ علمائے ہند کے فتاویٰ اور عربیت پر کبھی طنز سے نہیں چوکتا،

ابھی چند ہی مہینوں کا واقعہ ہے، کہ بمبئی کے چند مولویوں نے اسپرٹ جس سے لکڑیوں اور عمارتوں پر نقش و نگار بنانے میں کام لیا جاتا ہے، اس کی نجاست اور مسجدوں میں اس کے عدم جواز استعمال کا فتویٰ دیا، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ عربی میں اس فتویٰ کو لکھ کر مصر میں سید رشید رضا صاحب اڈیٹر "المنار" میں اس فتویٰ کی خوب دھجیاں اڑائیں، اور علمائے ہند کی عقل و خرد کا اس کو معیار بتایا، اور اس لہجہ میں لکھا کہ بیچارے ہندوستان کے علماء فہم و اجتہاد میں حد درجہ ناکارہ اور پست ہیں، حالانکہ آج سے بارہ ۱۲ برس پہلے "الندوہ" کے ایک ضمنی مضمون میں شراب کے عدم نجاست پر راقم نے کچھ لکھا ہے، اور اسپرٹ تو شراب بھی نہیں، یعنی مسکر نہیں، بلکہ از قسم سمیات ہے، قرآن میں شراب اور قمار کے متعلق ایک ساتھ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ کہا گیا ہے، جو ظاہر ہے کہ معنی مجاز میں ہے، حقیقت میں نہیں، ورنہ جوا کھیل کر بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے، آغاز اسلام میں شراب مدتوں تک استعمال میں رہی، اور سنہ ۴ھ میں حرام ہوئی، مگر

احادیث میں کہیں مذکور نہیں، کہ اس کے چھو لینے سے یا لگ جانے سے دھونے کا حکم دیا گیا ہے، بیسیوں جانور حرام ہیں، مگر وہ نجس نہیں، اور نہ ان کے چھونے سے ہاتھ دھونا لازم آتا ہے، فلیتدبر،

(معارف ماہ مارچ ۱۹۲۳ء)

(۴)

ہندوستان نے گذشتہ سالوں میں آستانۂ خلافت سے اپنے ہر قسم کے تعلقات قائم کرنے پر بہت زور دیا ہے، اب اس کے امتحان کا وقت آگیا ہے، دولت انگورہ نے شیخ عبدالعزیز شادیش کے زیر سیادت ایک "محکمۂ اسلامیہ دینیہ علمیہ" قائم کیا ہے، جس کا مقصد دنیائے اسلام کو علمی، تبلیغی اور تعلیمی کوششوں میں باہم ایک دوسرے سے پیوستہ کرنا ہے، اسی سلسلہ میں شیخ شادیش نے ایک دائرۃ المعارف الاسلامیہ کی ترتیب کا اعلان کیا ہے، جس میں موجودہ عالم اسلامی کی تاریخ اور اس کی موجودہ علمی و اصلاحی کوششوں کی تفصیل ہوگی، اسی تقریب سے وہ یہ چاہتے ہیں، کہ محکمۂ مذکور کے احاطہ میں موجودہ مسلمان قومیں مختلف ملکوں کے اندر اپنی مختلف زبانوں میں علم و فن کا جو سرمایہ جمع کر رہی ہیں، اس کو یکجا کیا جائے، یعنی اسلامی زبانوں میں جو تالیفات اور تصنیفات اور کتابیں ہیں، ان کو فراہم کر کے اسلامی زبانوں کا ایک مشترک کتب خانہ آستانۂ خلافت میں جمع کیا جائے، شیخ موصوف نے اس غرض کے لیے عرب و ترک کی اخبارات میں دنیا کی مسلمان قوموں سے درخواست کی ہے، اور اسی سلسلہ میں ہندوستان کا نام بھی ان کی زبان پر آیا ہے۔

ہندوستان کا علمی حلقہ جو سیاسی کاروبار سے عموماً الگ ہے، اس کے لیے یہ پہلا موقع ہے، کہ اس شاندار اور عظیم الشان تحریک میں حصہ لے، کہ اسلامی دنیا میں جوش و خروش اور ولولہ سیاسی کی جو بلندی اس کے ملک کو نصیب ہوئی ہے، وہ علمی حیثیت سے پست نہ ہونے پائے، اور اسلامی قوموں کی برادری میں اپنی علمی کوششوں کے عدم اظہار سے اسکی رسوائی نہ ہو، اور اسلامی ملکوں کی علمی و دماغی جد و جہد کا جو مرقع انگورہ کی عمارت میں تیار ہو رہا ہے، اسمیں ہندوستان کی جگہ خالی نہ رہے۔

چونکہ شیخ مذکور کا یہ اعلان عربی اخبارات میں شائع ہوا ہے، اس لیے مکہ مکرمہ کے ایک ہندوستانی

تاجر نے جن کو علمی ذوق ہے، اور ہزاروں کوس دور رہ کر بھی ان کو اپنی زبان نہیں بھولی ہے، انھوں نے یہ اعلان پڑھ کر اپنے دل میں غیرت محسوس کی کہ اس عظیم الشان اسلامی کتب خانہ میں ہندوستان کے نام کی الماریاں خالی پڑی رہیں، انھوں نے ایک خط میں ہمکو لکھا ہے کہ اگر آپ اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیں، اور خود اردو کی عمدہ کتابوں کو منتخب کرنے کی تکلیف اٹھائیں، تو میں دوسو روپیے اس مد میں دیتا ہوں" انہوں نے اپنے چندہ کے بقدر اردو کتابیں منتخب کر کے انکی فہرست بھی بھیج دی ہے،

---

ہمارے خیال میں اردو کی اعلیٰ اور منتخب کتابوں کی فراہمی اور جلد بندی میں ڈھائی ہزار روپیے خرچ ہوں گے، دو ہزار کی کتابیں اور پانچسو میں جلد بندی ہوگی، اس لیے علم دوست حضرات اور اکابر مصنفین سے درخواست ہے، کہ وہ اس کار خیر میں شرکت فرمائیں، ارباب مطابع اگر اپنے ہاں کی عمدہ کتابیں مجلد عنایت فرمائیں، اور مصنفین اپنی تصنیفات کا ایک ایک نسخہ عنایت کریں اور اہل استطاعت روپیے سے شرکت کریں، تو ہندوستان کا یہ ایک بڑا کارنامہ انجام پائے، اہل مطابع اور مصنفین صرف وہی کتابیں بھیجیں جو عمدہ لکھی اور چھپی ہوں، اور جن کا کاغذ اچھا ہو، اور جو کسی بلند موضوع پر ہوں، عام ردی کتابیں درکار نہیں، کتابوں کی جلدیں عمدہ ہوں، اور ان کے پہلے صفحہ پر صاف اور خوش سلیقگی کیساتھ اپنے دستخط بھی کر دیں، انگورہ تک براہ راست کتابوں کے بھیجنے کا انتظام کر لیا گیا ہے،

---

ہمارے ایک دوست اور معارف کے قدرداں آصف فیضی کیمبرج سے لکھتے ہیں کہ "معارف نے ڈاکٹر نکلسن پر جو کچھ لکھا تھا، ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس کو پسند کیا، اور معارف کے ناقدانہ مباحث، علمی مقالات، مستشرقانہ معلومات اور مشرقی و مغربی علوم و خیالات کی آمیزش کی انھوں نے داد دی، اور اس حیثیت سے ہندوستان کی ترقی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا"، ہمارے ایک دوسرے دوست، کرم فرما اور معارف کے قدرشناس مولوی معین الدین صاحب انصاری نے کیمبرج سے معارف کے شائع شدہ مضمون "وحدۃ الوجود" پر تنقید لکھ کر بھیجی ہے، اور اس کے ساتھ تصوف پر ڈاکٹر نکلسن کا ایک تازہ خطبۂ علمیہ ان سے معارف میں اشاعت کی اجازت لے کر ارسال کیا ہے، جو آیندہ شائع ہوگا، ابھی برلن سے بھی ایک قدردان معارف کا خط آیا ہے، کہ وہ جرمنی کے علمی و تعلیمی حالات سے ناظرین معارف کو آگاہ کرنے کا

فرض انجام دے سکتے ہیں، سفارت افغانستان مقیم لندن بھی معارف کی قدر دانی کا ثبوت دے رہی ہے،

یہ تو مغرب کا حال تھا، مشرق میں بھی اس کی قدر دانی کا سامان ہو رہا ہے، ہندوستانی طلبہ مقیم مصر بھی معارف ہی کو اپنے ملک کا نمایندہ رسالہ سمجھ رہے ہیں، اور ہر ہفتہ ان میں سے کسی نہ کسی کا خط آتا رہتا ہے، اسی سلسلہ میں یہ خبر بھی مسرت سے سنی جائے گی کہ معارف کے مضمون نگار مولوی ابوالنصر سید احمد صاحب بھوپالی تکمیل تعلیم کی غرض سے مصر گئے ہیں، اور ابھی کئی طلبہ کے جانے کی امید ہے، ہمارے عربی خواں طلبہ میں یہ ولولہ و ہمت جناب نواب حافظ عبید اللہ خاں صاحب بالقابہ (بھوپال) کے دست کرم کی ممنون ہے،

ہندوستان کے فارسی گو شعرائے متاخرین میں ایک ملا غنیمت ہیں، جو بیدل وغیرہ کی صف میں ہیں، ہندوستان کے فارسی گو متاخر شعرا، بیدل، غنی، واقف، غنیمت، قتیل یہی لوگ ہیں، ان میں بیدل کے بعد غنیمت ہیں، غنیمت پنجاب کے باشندہ تھے، ان کا مزار شہر گجرات (پنجاب) کے قریب واقع ہے، گجرات کے علم دوست حضرات چاہتے ہیں، کہ ان کے مزار کی درستی و مرمت کی جائے، خان بہادر محمد اشرف خاں (گجرات) اپنے ایک عنایت نامہ میں معارف کو ادھر متوجہ فرماتے ہیں، اور اس کے لیے مالی اعانت چاہتے ہیں، ان کی اطلاع سے یہ سن کر افسوس بھی ہوا، اور خوشی بھی ہوئی، کہ اس مد میں سب سے پہلے ایک ہندو علم دوست رائے صاحب لالہ کدار ناتھ رئیس گجرات نے سبقت کی، افسوس اس کا ہوا، کہ مسلمانوں سے زیادہ دوسری قومیں ان کے اکابر کی قدر کو پہچانتی ہیں، اور خوشی اس کی ہوئی کہ ہندو علم دوست اب تک ایک فارسی نغز گو شاعر کے مرتبہ شناس ہیں۔

مارچ سنہ ۲۳ء (رجب سنہ ۱۳۴۱ھ) کے معارف کے سلسلۂ شذرات میں فقہ حنفی کی ایک قلمی کتاب اختیار کا ذکر آیا تھا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی اس کے متعلق اپنے ایک رقیمۂ کریمہ میں ارقام فرماتے ہیں؛

"رجب سنہ حال کے معارف میں جونپور کے کتب خانہ کے تذکرہ کے ضمن میں ایک

فقہ کی کتاب اختبار نامی کا ذکر ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ مجھ کو بھی یہاں ملا ہے، اس میں کتاب کا تاریخی نام اختیار ہے، جس سے سنہ ۱۲۱۲ برآمد ہوتے ہیں، جو سنہ تالیف ہے، چنانچہ مولوی سلامت علی خاں معروف بہ حذاقت خاں دیباچہ میں لکھتے ہیں:

چوں سال یکہزار و دو صد و دوازدہ از ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آغاز تالیف این کتاب است لہذا بہ اختیار موسوم گشت۔"

اس نسخہ میں جان نیف اور ڈربن کا ذکر نہیں ہے، نسخہ پورا ہے۔

مولانا موصوف کا استدراک صحیح ہے، کتاب کا نام اختبار نہیں، اختیار ہے، جس سے سنہ تالیف نکلتا ہے، اس کے علاوہ چونکہ یہ کتاب مسائل کا انتخاب ہے، اس لیے مناسب نام اختیار ہی ہو سکتا ہے۔

خلیفہ مامون الرشید نے جب قیصر روم پر فتح پائی، تو شرائط صلح میں یہ بھی تھا، کہ قیصر قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے یونانی فلسفہ کی کتابیں مہیا کر دے گا، چنانچہ لکھا ہے، کہ کئی اونٹوں پر فلسفہ کی کتابیں لد کر قسطنطنیہ سے بغداد آئیں، تاریخ واقعات کا اعادہ کر رہی ہے، اٹلی نے جرمنی سے تاوانِ جنگ کے سلسلہ میں یہ قرارداد کرائی ہے، کہ جرمنی زرِ نقد کے معاوضہ میں اپنے ہاں کی کتابیں اٹلی کو دے گی، تاوانِ جنگ کی یہ علمی قسط سنا ہے کہ اس قدر عظیم الشان ہوگی، کہ اب تک دنیا کی کسی قوم نے اتنی کتابیں کسی دوسرے ملک سے نہیں لی ہیں، معلوم نہیں، "کتب خانۂ اسکندریہ" کا مورخ اس واقعہ کو سن کر اپنی تاریخ میں کیا لکھتا،

---

حال میں مصر سے قدمائے فن کی جو کتابیں چھپ کر شائع ہوئی ہیں، ان میں دو کتابیں الاحکام علامہ آمدی اور الموافقات علامہ شاطبی اصول فقہ میں عجیب و غریب ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن درحقیقت قدماء کے عہد میں کس قدر مرتب اور صحیح حالت میں تھا، نور الانوار اور توضیح و تلویح کے عشاق دیکھیں کہ اصول فقہ کا اصلی فن وہ ہے، جو ان کتابوں میں ہے، وہ نہیں ہے، جس پر وہ اپنے

اوقات عزیز کو ضائع کر رہے ہیں،

---

اس وقت کابل اپنے جوان عمر، پیر عقل حکمراں کی کارفرمائیوں سے وسط ایشیا کا اسلامی مرکز بن رہا ہے، اور وہ اس وقت صحرائے ایشیائے وسطیٰ میں ایک نخلستان کی حیثیت رکھتا ہے، جدید مدارس کھل رہے ہیں، مکاتب قائم ہو رہے ہیں، طلبہ یورپ جا رہے ہیں، اصلاحات اور تنظیمات جاری ہو رہی ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے، مگر جو منظر ہماری آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، وہ نہیں ملتا، ہمارا یقین ہے، کہ مسلمانوں کی ترقی جدید تعلیم کے فروغ سے زیادہ قدیم تعلیم کی اصلاح سے ہوگی، عام مسلمانوں میں جدید تعلیم یافتوں کے فیض اثر سے زیادہ کامیابی نہ ہوگی، بلکہ علما اور ملاؤں کی قدیم تعلیم و تربیت کی اصلاح سے ہوگی،، ہمارے دل کی آرزو تھی کہ کابل میں جدید طرز کا ایک عربی کا مذہبی جامعہ (یونیورسٹی) قائم ہو، جس میں حالات زمانہ سے باخبر، علوم عصری سے آگاہ، موجودہ ضروریات اسلامی سے آشنا، سیاسیات عالم سے واقف علماء پیدا ہوں، جن میں وسعت نظر ہو، اسلام کی موجودہ مشکلات کا جدید طرز پر مقابلہ کرنے کی جن میں قوت ہو، اگر کوئی ایسی مذہبی یونیورسٹی دار الملک کابل میں قائم ہو جائے، تو وہ یقیناً ایشیائے وسطیٰ کے مسلمانوں کے لیے سرچشمۂ حیات ثابت ہو۔

---

یہ تخیل چند سال سے ذہن میں قائم تھا، اتفاق سے لندن کے سفارت خانۂ افغانی کے ایک روشن خیال کانسلر سید قاسم خان کا ایک خط موصول ہوا، جواب میں اپنے خواب شیریں کا بھی تذکرہ زبان قلم پر آگیا، موصوف نے اپنے کرامت نامہ مورخہ ۲۹ر مارچ ۱۹۲۳ء میں اس کے متعلق جو اطلاع دی، وہ ہمارے بیحد خوشی و مسرت کا باعث ہوئی، ہم چاہتے ہیں، کہ ہمارے برادران معارف بھی اس خوشی میں شریک ہوں، موصوف لکھتے ہیں:

> ”آپ نے اپنے خط میں نوازش فرما کر کابل میں ایک عربی درسگاہ کی ضرورت جتلائی تھی، تاکہ وہ وسط ایشیا کے علمی پیاسوں کی پیاس بجھا سکے، آپ کی تجویز نہایت مبارک ہے، میں آپ کو خوشی سے اطلاع دیتا ہوں، کہ پانچ سال پہلے یہ خیال تھا کہ ایک ایسی درسگاہ قائم کیجائے، اور میں اس تجویز کے طرفداروں میں سے ایک تھا، اب افغانستان

کے اس روشن دور میں اس خیال کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، امید ہے کہ اس مبارک تجویز کو عنقریب عمل میں لایا جائے گا، اور اس کیلئے کابل میں کوشش ہو رہی ہے۔"

---

یاد ہوگا، گذشتہ سال **نوائے کیمبرج** کے نام سے کیمبرج انگلینڈ کے ہندی طلبہ نے اردو کا ایک ششماہی رسالہ نکالا تھا، مگر ایک ہی نمبر نکل کر رہ گیا تھا، اب کیمبرج اور آکسفورڈ دونوں درسگاہوں کے ہندوستانی طلبہ نے ملکر **نوائے ہند** کے نام سے دوسرا رسالہ جاری کیا ہے، اور جس کا اہتمام ہندوستان میں انجمن ترقی اردو نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور اس وقت اس کا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے، جو نظم و نثر دونوں کا قابل قدر مجموعہ ہے،

---

ایک زمانہ تھا، جب نہ صرف یورپ کے دیر و کلیسا میں بلکہ واپس آکر اپنے وطن کے حریم پاک میں بیٹھ کر بھی اپنی مادری زبان میں اظہار مدعا حرام مطلق تھا، دیسی زبان کا بولنا ایک مقیم انگلینڈ ہندوستانی کے لیے نہایت درجہ توہین سمجھا جاتا تھا، مگر لیل و نہار کا یہ انقلاب دیکھو کہ آکسفورڈ اور کیمبرج کے ہندوستانی فرزند اب اپنی مادری زبان پر نازاں اور اس کی اصلاح و ترقی میں کوشاں ہیں، اور وطن سے ہزاروں کوس دور بیٹھ کر اپنے وطن کی علمی و ادبی مساعی کے لیے سرگرم عمل ہیں، امید ہے کہ اب "دیسی صاحب لوگوں" کے لیے دیسی زبان میں باتیں کرنا کسر شان کا موجب نہ ہوگا،

---

تمام دنیا کی جنس نسوانی کا جو جلسہ سوئٹزرلینڈ میں آیندہ ہونے والا ہے، اس کی شرکت کے لیے نمایندہ خواتین مشرقی ممالک سے بھی جا رہی ہیں، مصر سے مسلمان خواتین گئی ہیں، اور ہندوستان سے بھی خواتین کی ایک جماعت عازم ہے، جلسہ مذکور میں جو مباحث پیش ہوں گے، ان میں دو مسئلے سب سے زیادہ اہم ہیں، اول یہ کہ جنس نسوانی مردوں سے مستقل بالذات ہو کر اپنے ذریعۂ معاش کی آپ متکفل اور خود مختار جنس انسانی ہو، دوم یہ کہ ناجائز اولاد کے حقوق کو محفوظ و متعین کیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ یورپ معاشرتی حیثیت سے نزع کی حالت میں ہے، اس کی اخلاقی زندگی تن بیجان ہے، اس مردہ لاش میں قانون و حفاظت حقوق کے نام سے جان ڈالنے کی کوشش غلط "مسیحائی" کا دعویٰ ہے، افسوسناک امر یہ ہے، کہ مشرقی اور مسلمان خواتین جن کو ان کے رسوم معاشرت اور مذہب نے ان مصیبتوں سے محفوظ رکھا ہے، وہ بھی اس گمراہ کن صدائے

مغرب کے پیچھے چل رہی ہیں، مصر کے ایک مشہور اہل قلم نے مصری خواتین کو ان کی غلط روی پر سچائی سے ٹوکا ہے، لیکن آریہ ورت کی مقدس دیبیوں کو کون ٹوکے۔؟

(معارف ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء)

(۵)

اعلیٰ حضرت فرماں روائے کشور دکن کی حکومت کو اسلامی ہند کی علمی و تعلیمی امور میں جو عمیق دلچسپی ہے، اس کا اثر یہ ہے کہ اس وسیع ملک کے طول و عرض میں جہاں کہیں بھی خیر و برکت کا کوئی چراغ روشن ہے، سرکار نظام کا دست انور اس کی ضیا افروزی کے لیے بلند ہے، "ندوۃ العلماء" اور اس کے دار العلوم کو ایک مدت سے اپنی قسمت کا گلہ تھا، کہ ان کی اہمیت و عظمت کے باوجود حیدر آباد میں ان کے ہمدردوں کی کافی تعداد ہونے کے باوجود، ارکان ندوہ کی پیہم عرضداشتوں اور اپیلوں کے باوجود اور خود سرکار آصفی کے التفات کرم اور توجہات منت کے باوجود، اب تک ان کو دولت آصفیہ کے فیض سے محرومی ہی رہی، چند سال سے ندوہ کے بلند نظر بھکاریوں کا کشور دکن کے داتا سے یہ سوال تھا، کہ پانچسو ۵۰۰ ماہوار، اور پچاس ۵۰ ہزار ایک مشت رقم تکمیل عمارت کے لیے عطا ہوں، مگر سر دست تین سو ۳۰۰ ماہوار منظور ہوئے، جن کے لیے وہ شکر و منت اور خلوص و عقیدت کی دعاؤں کی نذر، آستانۂ اقدس میں پیشکش کرتے ہیں، اور اس بڑے داتا سے دست بدعا ہیں، کہ وہ اس کے دامن کو جس نے ہمارے کشکول کو چاندی کے ٹکڑوں سے بھرا ہے، اپنے مہر و کرم کے لازوال خزانہ سے بھر دے،

اجرش دہد خدائے کہ کرد است یاوری
با آں کساں کہ ناصر و یاور نداشتند،

---

پچھلے پرچہ میں انگورہ کی علمی مجلس اور اس کی علمی تحریک کی نسبت جو کچھ سپرد قلم ہوا تھا، وہ ایک دوست مقیم مکہ معظمہ کی تجویز کی بنا پر تھا، ۲۵ اپریل سنہ ۲۳ء کو انگورہ سے شیخ عبدالعزیز شاویش کا ایک مکتوب کرم مورخہ ۱۲ اپریل سنہ ۲۳ء موسومہ اڈیٹر معارف ہم دست ہوا، جس میں شیخ موصوف نے اپنی مجلس کا مختصر حال تحریر فرما کر علم دوست یاران ہند سے مدد کی درخواست کی ہے، یہ علمی مجلس ترکی کے

صیغۂ امور شرعیہ کے ماتحت ہے، اور اس کا نام "تدقیقات و تالیفات اسلامیہ ہیئت علمیہ سی" ہے، شیخ موصوف کے خط کا بلفظہ ترجمہ حسب ذیل ہے:

"ہماری انجمن "اسلامی اکاڈیمی" کو اردو کی ہر قسم کی کتب تاریخی، مذہبی، اقتصادی، معاشرتی، سیاسی کی اس لیے ضرورت ہے، کہ ہم کو اپنے برادران ہند کے خیالات و آراء سے واقفیت ہو، اس لیے میں اپنی مجلس کی طرف سے آپ سے درخواست کرتا ہوں، کہ اس کے لیے اردو، فارسی، عربی، انگریزی کتابیں مہیا کیجئے، ہم آپ کے پاس اپنی مجلس کا "تازہ لٹریچر بھیجتے رہیں گے، از راہ عنایت اپنا رسالہ معارف جاری کر دیجئے"۔

---

ہم کو اپنے ناظرین اور اس تحریک کے ہمدردوں سے پوری توقع ہے، کہ وہ اس مختصر لیکن اہم تجویز کو کامیاب بنانے میں ہماری مدد کریں گے، اور زر چندہ، نوعیت، چندہ کی تخصیص لکھ کر دفتر میں بھیجیں گے، ہم چاہتے ہیں، کہ ذی قعدہ کے ختم تک اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں، ضروری کتابوں کی فہرست عنقریب شائع ہوگی، از راہ کرم پچھلے معارف کے متعلقہ شذرات کو اس وقت سامنے رکھ لیجئے،

---

خواتین عالم کی کانفرنس جو امسال اٹلی کے پایۂ تخت روما میں منعقد ہو رہی ہے، (گذشتہ پرچہ میں غلطی سے سوئٹزرلینڈ لکھ گیا ہے) اس کے اغراض و مقاصد کی تفصیل اس ہفتہ کی مصری ڈاک میں آگئی ہے، جو متعدد دفعات پر مشتمل ہے، عورتوں کی عقلی و ادبی ترقی مردوں کے ساتھ قانونی مساوات عورتوں کو مردوں کے ناجائز مظالم سے بچانا، ازدواجی تعلقات کی اصلاح، عورتوں کو مردوں سے بے نیاز ہو کر اپنا مستقل وجود قائم کرنا کہ وہ مردوں کے دست کرم کی ممنون اور ان کے دوش منت پر بار نہ ہوں، لیکن غور کرو کہ اسلام کے ان احکام کی موجودگی میں مسلمان خواتین کو کسی ایسی جمعیت کی ضرورت ہے؟ یا اس باب میں مزید قانون کی حاجت،

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ،

عورتوں کے مردوں پر نیکی کے ساتھ
وہی حقوق ہیں، جو مردوں کے عورتوں پر ہیں،

خطبۂ حجۃ الوداع میں ہزارہا مسلمانوں کے مجمع میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعلان فرمایا!

| | |
|---|---|
| فاتقوا اللہ فی النساء ان لکم | لوگو! عورتوں کے حقوق کے باب میں خدا |
| علی نسائکم حقاً و لھن | سے ڈرو، ہاں تمہارا حق عورتوں پر ہے، |
| علیکم حقاً، | اور ان کا حق تم پر ہے۔ |

ہاں اس میں شک نہیں، کہ وہ حقوق کی قانونی مساوات کے ساتھ ساتھ مردوں کی عورتوں پر کسی قدر اخلاقی و اعزازی برتری کا قائل ہے، ٹھیک اس طرح جس طرح ایک چھوٹے عزیز کا مساوات حقوق کے باوجود اپنے بڑے عزیز کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ | مرد عورتوں کے نگراں کار اور سردھرے ہیں، |

عربی میں قام علی الشیٔ کے معنی ہوتے ہیں، "کسی چیز کی دیکھ بھال، حفاظت اور اس کی اچھائی اور برائی کی نگرانی اور اس کی اصلاح و ترقی کی کوشش، یہ ایک لفظ قوامون ان تمام لطیف مطالب کی تشریح کر رہا ہے، جو قانون کے دفاتر میں نہیں سما سکتا۔

انہی اشارات سے معلوم ہوگا، کہ اسلام کی نگاہ میں عورتوں کی عزت مثل پھول کے ہے، جس کی حفاظت کی خاطر کانٹوں کی صف کی حاجت ہے، اور یہی مردوں کا سب سے خوشگوار فرض ہے، پیغمبر اسلام علیہ السلام نے ایک موقع پر "عورت" کو "شیشہ" سے تعبیر کیا ہے، جس سے عورت کے متعلق اسلام کے خیال کی لطافت اور نزاکت کس قدر بلیغانہ انداز میں واضح ہوتی ہے۔

اسی کا اثر ہے، کہ اسلام نے عورتوں کو بیرون خانہ کی زحمت سے بچایا ہے، اور نفقہ کے فرض کا بار مرد کے دوش و بازو پر ڈالا ہے، کہ یہ نازک پھول صرصر حوادث سے پژمردہ نہ ہو، اور یہ لطیف شیشہ مشکلات روزگار کی ٹھوکروں سے چور نہ ہو، اسی لیے اگر ایک معتدبہ زمانہ تک شوہر اپنے اس فرض سے غافل رہے، تو عورت کو حق پہنچتا ہے، کہ وہ عدالت شرعی میں جا کر اپنے وجود کو اس مشئوم ہستی سے علیحدہ کرا لے، اور پھر وہ کسی اور سعید ہستی سے اپنا پیمان محبت باندھے،

اسلام نے جو اخلاقی اور اعزازی برتری مردوں کو عطا کی ہے، اس کے فلسفہ کی خود تشریح کر دی ہے،

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ — مرد عورتوں کے نگراں اور سردھرے ہیں،

کیونکہ اول تو اس لیے صنف اول کو صنف دوم پر فطری ترجیح اور فوقیت ہے، جس کا مشاہدہ نباتات اور حیوانات تک میں ہو رہا ہے، اسی نکتہ کو قرآن پاک نے یوں ادا کر دیا ہے:

بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ — اس لیے کہ خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔

دوم اس لیے کہ مرد مشکلات روزگار کا خود سینہ سپر ہو کر اپنی گراں مایہ زندگی کو خطرات میں ڈال کر سخت محنتوں، زحمتوں اور جفاکشیوں کو سہ کر سامان حیات تیار کرتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ عورت کو شریک کرتا ہے، اس لیے انصاف یہ ہے، کہ اس کو کسی قدر اعزازی ترجیح ملنی چاہیے،

وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ، — اور اس لیے کہ مرد اپنی کمائی عورتوں پر صرف کرتے ہیں۔

یورپ بدقسمت یورپ، عیسائی یورپ، تمدن جدید کا بیمار یورپ ان عادلانہ اور منصفانہ فرائض و حقوق سے محروم ہے، ناچار وہ ان کو غیر فطری تدابیر سے حاصل کرنا چاہتا ہے، اگر انجمن خواتین کی تحریک یورپ میں کامیاب ہو گئی، تو سمجھ لیجیے، کہ اس دن سے عورت فطرت کی ایک مستقل نوع قرار دی جائے گی، اور پھر یہ کتنا مشکل ہوگا، کہ عالم کے تسلسل اور بقا کے لیے یہ دو انواع انسانی کا اتصال مکانی ممکن بھی ہو سکے گا یا نہیں، بلکہ صلاح یہ ہے، کہ خواتین یورپ جب زندگی کے مشکلات و خطرات کو مردوں سے بے نیاز ہو کر مردانہ وار خود گوارا کرنے کے لیے تیار ہو رہی ہیں، تو مردان یورپ بھی زنانہ وار بقائے نسل انسانی کی ذمہ داری خود تنہا گوارا کریں، اور خود داری کے ساتھ اس معاملہ میں صنف ثانی کی امداد و اعانت سے انکار کر دیں، کیا کنواری مریمؑ کی پرستار بیٹیاں اور بن باپ کے پیدا ہونے والے خدا کے فرزند، اس باہمی مصالحت پر اپنی پسندیدگی کی علمی مہر ثبت کریں گے؟

یورپ کی عیسائی عورتوں کا اقتصادی حیثیت سے کوئی مستقل وجود نہیں، وہ کوئی جائداد نہیں رکھ سکتی ہیں، ان کی تمام جائداد ان کے شوہروں کی ملکیت ہے، مگر اسلام اس حیثیت سے ان کو مستقل وجود بخشتا ہے، اور

ایک اخلاقی واعزازی برتری کے علاوہ تمام حقوق میں ان کو مساوی قرار دیتا ہے:

| | |
|---|---|
| ولا تتمنوا ما فضل اللہ | خدانے جو ایک کو دوسرے پر ترجیح دی |
| بعضکم علی بعض للرجال نصیب ممّا | ہے، اس کی تمنا نہ کرو، اپنی کمائی کے |
| اکتسبوا للنساء نصیب مما اکتسبن | مالک مرد ہیں، اور عورتیں اپنی کمائی کی، |

یورپ کی مادر تمدن کا سب سے پہلا فرزند امریکہ ہے، دیکھنا ہے کہ جہاں ایجادات واختراعات، تمول وعیش پسندی، تکلف وتصنع، آرایش وآسایش کے ہزاروں عجائبات وطلسمات پیدا ہوئے، کیا قلوب کی تسکین، نفوس کی راحت اور بے تاب روحوں کی سکینت کا بھی کوئی سامان پیدا ہوا، کہا جاتا ہے کہ مشرقی ممالک میں وہ امن وامان، راستوں کی درستگی، مسافروں کے آرام وحفاظت، ڈاکوؤں اور چوروں کی بیخ کنی، اور حصول دولت اور دفع افلاس کے وہ اسباب نہیں، جو آج مغرب کے گوشہ گوشہ میں ہیں، لیکن بااِیں ہمہ نتیجہ کیا ہے،

ایک اخبار راوی ہے، کہ گذشتہ بارہ ۱۲ ماہ میں صرف ایک ملک ولایات متحدہ امریکہ میں ایک لاکھ بیس ہزار جانیں، خودکشی کے دیوتا کی بھینٹ چڑھیں، ان خودکشی کرنے والوں میں ۹۷ لکھ پتی تھے، ۶۴ دولتمند اور ۸۸ مہاجن، ۳۸ کالجوں کے طلبہ، ۵۰ پروفیسر، ۱۹ پادری، ۵۲ جج، اور قانون پیشہ اصحاب، ۴۳ ڈاکٹر اور ۱۰۰ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک اور منتظمین تھے، ان خودکشی کرنے والوں کے اصناف پر غور کرو تو معلوم ہوگا، کہ ان میں نوع انسانی کی ہر صنف داخل ہے، اور بڑی تعداد ان میں ارباب جائداد اور دولت کی ہے، اور اہل علم اور علمائے مذہب کی تعداد بھی کم نہیں، معلوم ہوا کہ اس تمدن کے دور حکومت میں نہ تو دولت وجائداد تسکین بخشتی ہے، نہ علم ومذہب، مشرق کو قلب کی تسکین اور روح کی طمانیت، تسلیم ورضا، صبر وقناعت اور ایمان ویقین سے حاصل ہوتی ہے، اور یہ وہ جنس ہے، جو مغرب کی بڑی بڑی تجارت گاہوں، عالیشان کارخانوں اور معمور دکانوں میں نہیں ملتی، مشرق کے غیر مامون سے غیر مامون ملک کو لے لو اور ہم کو نشان دو کہ کس ملک کے ڈاکوؤں اور چوروں نے ایک لاکھ بیس ہزار جانیں ایک سال میں برباد کی ہیں، چین میں سو پچاس آدمیوں کو ابھی ڈاکوؤں نے لوٹ لیا، اور چند کو مار ڈالا، اس پر یورپین اخباروں

میں تلاطم برپا ہے، لیکن سوا لاکھ مقتولین کے لیے آنسو کا ایک قطرہ بھی تم نے بہتے دیکھا، فیا للعجب،

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

---

جناب مظہر علی اور مولانا آزاد سبحانی کی طرف سے اخبارات میں شردھانند جی کی ملاقات اور اسلام اور آریہ سماج میں مصالحت کی جو گفتگو شائع ہو رہی ہے، ہم اس کے متعلق اپنی عادت کے خلاف اپنی ناراضی کو نہیں چھپا سکتے، یہ کیا ذلیل خوشامد ہے، جو آج اسلام کی طرف سے اس کے بہادر فرزند اس کے حریف کی اس لیے کر رہے ہیں، کہ وہ اس کے قتل سے باز رہے، شردھانند جی مسلمانوں کی غفلت میں اپنی کوششوں کا جو فائدہ اچانک اٹھا سکتے تھے، اٹھا چکے، اب لامحالہ ان کو سپر ڈالنا ہے، کہ آئندہ زمین ان کے لیے ہموار نہیں، ایسی حالت میں ان سے چند مسلمانوں کا جا کر منت سماجت کرنا اسلام کی غایت درجہ توہین ہے، اور اہانت آمیز قبول احسان ہے، مسلمانوں کو تو اس وقت تک دم نہیں لینا ہے، جب تک وہ اپنے تمام کھوئے ہوئے بھائیوں کو نہ پالیں، اس وقت ممکن ہے کہ شردھانند جی مسلمانوں پر احسان دھرتے ہوئے اپنے خطرناک کھیل سے باز آجائیں، لیکن دیکھنا کہ چند ہی سال کے بعد مسلمانوں کو اس ہنگامی مصالحت کی خبر سے غافل دیکھ کر وہ نئی زمین درست کر کے اپنا دوبارہ حملہ ضرور شروع کریں گے، آخر میں سوامی جی کو تسکین دینا ہے، کہ ہندوستان کے محدود جغرافیائی حصہ میں وہ چند اعداد کی کامیابی حاصل کریں، مگر سال کے آخر میں جب وہ پورے حدود ہند میں اپنی میزان بٹھائیں گے، کہ امسال کیا انھوں نے کھویا اور کیا پایا تو اس وقت ان کا گھاٹا ان کے منافع سے زیادہ ہو گا، اور مجموعی طور سے ہندوؤں کی آبادی میں کوئی زیادتی نظر نہ آئے گی۔

---

فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں یہ تاریخی حقیقت بے نقاب ہونی چاہیے، کہ ہندوستان میں بہادر نومسلم راجپوت اورنگزیب عالمگیر کی خونی تلوار کے زخم خوردہ نہیں، بلکہ اکبر، جہانگیر، اور شاہجہاں کے لطف و کرم اور اسلام کی سادگی، مساوات اور اخوت عامہ کی تلوار کے گھائل ہیں، اور اورنگزیب کی تلوار کو ٹوٹے ہوئے دو ڈھائی سو برس گزر چکے، مگر اب بھی وہ کون سی تلوار ہے، جو آج بھی ہندوستان کی

تو غیر مسلم آبادی کو زخمی اور مجروح کر رہی ہے، کیا آریہ مبلغین کو اب بھی ہندوستان میں اورنگزیب کی تلوار بے نیام چمکتی نظر آتی ہے، اگر آتی ہے، تو یہ خاک اورنگ آباد کے مدفون لاش کی سب سے بڑی کرامت ہے،

(معارف ماہ مئی سنہ ۱۹۲۳ء)

(۶)

فرانس کے مشہور مستشرق موسیو لوئز ماسینیان کا ایک عربی خط ناظم دارالمصنفین کے نام مراکش سے آیا ہے، موصوف آجکل مغرب اقصیٰ میں مصروف سیاحت ہیں، وہ آیندہ سال پیرس کی یونیورسٹی میں "اسلام میں پیشہ کی اجتماعی (سوشل) حیثیت" پر کچھ دینے کی تیاری کر رہے ہیں، دریافت کیا ہے، کہ کیا اس موضوع پر دارالمصنفین نے بھی کچھ سرمایہ فراہم کیا ہے، قوم کے لیے یہ مسترت اور انبساط کا موقع ہے، کہ اس کے ایک حقیر دارالعلم کا دوسرے ممالک میں یہ اعتبار پیدا ہو رہا ہے، انگورہ کی علمی مجلس "ہیئت تدقیقات و تحقیقات علمیہ اسلامیہ" کو ہندوستان سے کتابوں کے بھیجنے کی تحریک آگے بڑھ رہی ہے، اکثر مصنفین نے اپنی کتابوں کا ہدیہ بھیجنا دل سے منظور کیا ہے، کتابوں کی پہلی قسط غالباً دارالمصنفین، جامعہ ملیہ اور ترقی اردو کی مطبوعات ہوں گی، ہم چاہتے ہیں، کہ تمدن عرب اور تمدن ہند کا بھی ایک ایک نسخہ بھیجیں، کیا کوئی صاحب دل اس کی ہمت کریں گے، اس سلسلہ ایک اطلاع ابھی اور بھی موصول ہوئی ہے، کہ یہ مجلس ہندوستان کے ایسے فضلاء کا بھی خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہے، جو شرقی و مغربی علوم میں دستگاہ رکھتے ہوں،

---

دنیا میں سامان آسایش کی کثرت جس افراط کے ساتھ بڑھ رہی ہے، اس کا سرسری اندازہ اس سے ہوگا، کہ اس وقت راکفیلڈ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا دولتمند امریکہ کا ایک موٹروں کا تاجر فورڈ ہے، بیس برس پہلے جب اس نے اپنے کارخانہ کا آغاز کیا تھا، تو اس کے پاس مطلق سرمایہ نہ تھا، بمشکل چھ ہزار پونڈ قرض لے کر اپنا کاروبار شروع کیا، گذشتہ فروری میں اس کارخانہ کے پاس ۳۶۶۹۰۰۰۰ نقد موجود تھا، اور اب اس کا نقد سرمایہ چار کروڑ پونڈ ہے، پچھلے سال کی اس کی خالص آمدنی ۲۵۸۰۰۰۰۰ پونڈ ہوئی تھی، لیکن یہ تمام تر دولت کس کے پاس آئی، اور انہی قارون زمانہ کے ہاتھوں میں آئی جس کے پاس نہر خزانے پہلے سے موجود تھے، شہر کے غریبوں اور گداگروں، مسکینوں اور مفلسوں کو اس میں سے کیا ملا؟ اگر یہ دولت

کسی مسلمان کی ہوتی، تو تقریباً ساڑھے چھ لاکھ سالانہ اس میں ان غریبوں اور مفلسوں کا حق ہوتا جن کے پاس روزی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔

ہندوستان میں سندھ کا صوبہ اس لحاظ سے ممتاز ہے، کہ یہاں کی سرزمین کو تصوف کی آب و ہوا سے ہمیشہ ایک مناسبت خاص رہی ہے، اور اب بھی فقراء اور صوفیہ کا جو استیلا یہاں ہے، شاید کسی دوسرے صوبہ میں نہیں، ان مسلمان صوفیہ کا اثر و اقتدار ہندو مسلمان دونوں پر برابر ہوتا ہے، ہندو بڑی خوشی سے ان کے مرید ہوتے ہیں، شاہ لطیف، ساچل، سامی، دلپت، بیدل اور بیکس وغیرہ اپنے اپنے زمانہ میں یہاں سلاطین کی حیثیت رکھتے تھے،

سندھ قومی کالج صوبہ کی اس خصوصیت کو شاید پیش نظر رکھ کر دو سال سے اپنے سالانہ جلسہ کے موقع پر صوفیوں کی بھی ایک مجلس ترتیب دیتا ہے، اس مجلس کا نام "صوفی سنگم" ہے، سنہ ۱۹۲۱ء میں یہ مجلس بڑی دھوم دھام سے سندھ کے مشہور عالم اور شاعر مرزا قلیچ بیگ کی صدارت میں ہوئی، ہندو مسلمان دونوں قوموں نے اس سنگم کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا، اور تمام صوفیوں نے اس میں شرکت کی، دوسرے سال سنہ ۲۲ء میں اس سنگم نے اور زیادہ کامیابی حاصل کی، اور ہندو مسلمانوں کے دلی میل ملاپ میں اس سے بڑا فائدہ پہنچا، اس مختصر تجربہ کے بعد سندھ کے مشہور ہندو مسلمان رہنماؤں کے نام سے ایک درخواست ملک میں پیش ہوئی ہے، کہ ہندو مسلم اتحاد کا صحیح ذریعہ صوفیانہ خیالات ہیں، کہ اس سنگم میں آکر ہندوستان کی یہ دونوں عظیم الشان قومیں گنگا اور جمنا بن کر مل جاتی ہیں، اس لیے اگر اس سنگم کی تحریک کو تمام ملک میں وسعت دی جائے، تو یہ قوموں کے سیاسی اتحاد سے زیادہ مضبوط اتحاد ملک میں قائم کردے گا، اس لیے آیندہ سال دہلی، اجمیر، سکھر، حیدرآباد، سندھ یا کسی دوسرے صوفیانہ مرکز میں اس کا اجلاس منعقد ہو، اور اس میں ملک کے تمام ہندو مسلمان صوفی شریک ہوں،

اس تحریک کے پیش کرنے والوں میں مسلمانوں میں جناب غلام محمد صاحب بھرگری (سندھ کے مشہور بیرسٹر اور زمیندار) اور ہندوؤں میں جیٹھمل پرسرام گراجنی (ایڈیٹر بھارت واسی) حکم چند کمار (پرفیسر سندھ نیشنل کالج) شامل ہیں، لیکن جہاں تک ہم کو معلوم ہے، ان میں سے کوئی صاحب بذات خود صوفی نہیں

ہیں، بلکہ صوبہ کے سیاسی کارکن اور رہبر ہیں، اور ان کا منشا اس صوفیانہ اتحاد کی نمایش ہے، در حقیقت سیاسی اتحاد کے سوا کچھ اور نہیں، اس تحریک کے علم برداروں نے یہ تو دیکھا کہ یہ ذریعہ دونوں قوموں کے درمیان اتحاد، رواداری اور بے تعصبی پیدا کرنے کا بہترین ہے، مگر یہ خیال نہیں کیا، کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس تحریک کے کارکنوں اور بانیوں کے پاس بے ریا دل ہوں، بے غرض ارادے ہوں، صحیح اور خالص نیتیں ہوں، جب مقصد اصلی للٰہیت، خلوص اور بے نفسی ہوگی، تو ضروری لوازم کے طریق پر اس کے اثرات بے تعصبی، اتحاد اور یگانگت کی صورت میں ظاہر ہوں گے لیکن پہلے ہی سے صوفیانہ خیالات کی آڑ میں للٰہیت، خدا پرستی، انسانی اخوت بلکہ سیاسی اتحاد، مساوات حقوق اور ایک بیرونی دشمن کے مقابلہ کے لیے ایک متحدہ صف کا قیام مقصد ہوگا، تو اس روح و جوہر کی تلاش بیکار ہے، جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، شیخ نظام الدین دہلویؒ، یا کبیر داس اور بابا نانک کے پیکروں میں جلوہ نما تھا، اور جن کی منور آنکھوں کو یہ نظر آتا تھا، کہ

از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

---

گزشتہ مہینہ اٹلی میں خواتین عالم کی جو کانفرنس منعقد ہونے والی تھی، بخیر و خوبی منعقد ہوگئی، تمام دنیا کی چالیس ۴۰ قوموں کی عورتوں کی طرف سے تین سو ۳۰۰ نمایندہ خواتین جلسہ میں شریک تھیں، ان چالیس ۴۰ قوموں کی خواتین میں سے پچیس ۲۵ قوموں کی خواتین کو رکنیت کا شرف حاصل ہوا، تقریر کی زبان زیادہ تر انگریزی تھی، ہر انگریزی تقریر کے ساتھ ساتھ فرنچ میں بھی ترجمہ ہوتا جاتا تھا، مصری خواتین کا وفد بہت خوش و خرم اٹلی کے سفر سے واپس آگیا ہے اور ملک کے اخباروں میں اپنی کامیابی کا راگ گا رہا ہے، کامیابی یہ ہوئی کہ صدر مجلس نے اپنی تقریر میں مصری وفد کا نام لیا، مصری وفد کی تقریر دلچسپی سے سنی گئی، مصری خواتین کی کوشش سے کسی قدر سرگرم مخالفت کے باوجود جو انگلش خواتین نے سیاسی مصالح کی بناپر کی تھی یہ تجویز منظور ہوئی، کہ مصری حکومت نے ۱۹۱۰ء سے زنانہ اور مردانہ مشترک تعلیم کو جو بند کر دیا ہے اس کو از سر نو جاری کیا جائے، حیف ہے اگر مسلمان مذہب کے اکسیر کو چھوڑ کر یورپ کے زہر آلود علاج سے اپنے مرض کا ازالہ چاہیں۔

ایک سال کا عرصہ ہوا، کہ معارف نے یہ اطلاع شائع کی تھی، کہ ڈاکٹر اقبال آجکل جرمن شاعر کے مغربی دیوان کے جواب میں ایک مشرقی دیوان مرتب کر رہے ہیں، ایک سال کے انتظار کے بعد ماہ عید **پیام مشرق** بن کر نظر آیا، پیام مشرق مختلف اوزان و بحور میں مواعظ و حکم اور حقائق و معارف کا ایک بحر زخار ہے، یقیناً ڈاکٹر اقبال کے دماغ و قلم کا شاہکار (ماسٹر پیس) ہے اور شاید اقبال بھی اس سے بہتر کبھی نہ کہہ سکیں گے، کبھی موقع سے اس سے متعلق ہم اپنے مفصل خیالات پیش کریں گے۔

(معارف ماہ جون ۱۹۲۳ء)

(۷)

انگورہ کی اسلامی اکاڈمی یعنی "ہیئت تدقیقات و تالیفات اسلامیہ علیہ" کے صدر شیخ عبدالعزیز شاویش اپنے تازہ مکتوب میں رقم فرماتے ہیں، کہ ہیئت مذکورہ نے اپنا کام شروع کر دیا ہے، اور بالفعل ترکی زبان میں چند مذہبی تالیفات شائع ہوئی ہیں، ان تالیفات کے جو عنوان اور نام انھوں نے لکھے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ مجلس صحیح طریق پر مسلمانوں کی علمی و مذہبی خدمات انجام دے گی، سردست جو کتابیں وہاں تیار ہوئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱ تاریخ الاسلام، ۲ علم کلام جدید، ۳ مبادی فلسفۂ اخلاق، ۴ نقصانات مسکرات، ۵ القول السدید فی بیان دین التوحید، ۶ تاریخ فلسفۂ اسلام وغیرہ، ہندوستان سے اس مجلس کو انگریزی اور اردو کتابوں کے بھیجنے کا سامان ہو رہا ہے۔

خبر ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے قدیم پایہ تخت اڈنبرا کی یونیورسٹی کو ایک گمنام علم دوست فیاض نے بیس ہزار پونڈ یعنی تین لاکھ روپیے اس غرض سے عطا کیے ہیں، کہ یونیورسٹی انسانوں کو حیوانات کا علم سکھائے، تین لاکھ کوئی بڑی رقم نہیں، ہمارے بمبئی کے تاجر اس سے بھی زیادہ بڑی بڑی رقمیں حیوانوں کو انسان بنانے کے لیے دیتے ہیں، مگر کس کو؟ قومی تعلیم گاہوں، اور یونیورسٹیوں کو نہیں، بلکہ حکومت کو کہ وہ ان کی طرف سے اس فریضہ کو انجام دے، غور کرو کہ اسکاٹ لینڈ اور انگلینڈ میں قومی حکومت قائم ہے، حاکم و محکوم میں مصالح سیاسی کے اختلافات نہیں ہیں، تاہم اس باب میں ملک کے علم پرور اور تعلیم دوست ارباب فکر اپنی قومی

حکومت پر بھی اعتبار کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں، کہ حاکم و محکوم کے درمیان مصالح سیاسی ایک ہوں تو ہوں، مگر مصالح تعلیمی کا ایک ہونا ضروری نہیں، پھر ان ملکوں کو کیا کرنا چاہیے جہاں حاکم و محکوم کے ہر قسم کے مصالح ایک دوسرے سے تمام تر مختلف ہیں۔

یورپ کی تباہی و بربادی کی پیشین گوئی نہ صرف اہل ایشیا از راہ دشمنی کر رہے ہیں، بلکہ خود یورپین سیاست داں از راہ دوستی و حب الوطنی کر رہے ہیں، کچھ زمانہ ہوا، کہ اٹلی کے ایک سابق وزیر جو زمانۂ جنگ میں اتحادی سلطنتوں کے محرم راز رہ چکے ہیں، اس موضوع پر ایک مدلل تصنیف دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں، جس میں اقتصادی، علمی، تعلیمی، اخلاقی ہر حیثیت سے یورپ کے زوال کو ثابت کیا ہے، یورپ کی یونیورسٹیوں کی بربادی اور پستی کا افسانہ اس میں خصوصیت کے ساتھ پردرد ہے، اب ایک فرانسیسی اہل قلم نے اسی مبحث پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، جس کی تلخیص کلکتہ کے ماڈرن ریویو نے شائع کی ہے،

فرنچ موصوف ایک معزز چینی سے جو یورپ کی بنظر عمیق سیاحت کر چکا تھا، سرگرم مکالمہ ہے، چینی صاحب فکر کہتا ہے" میں نے تمام یورپ کو دیکھا، اسکی مادی ترقیوں نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا، لیکن جب میں نے یہ خیال کیا کہ یہ تمام عمارت کسی مضبوط اور مستحکم بنیاد پر قائم نہیں ہے، تو مجھے یقین ہو گیا، کہ اس کی بربادی بہت قریب ہے، میں نے اس ملک میں دولت، حشمت، تجارتی رونق، گرم بازاری، عیش و تنعم کے مناظر دیکھے جو اس مسیح کی پرستش کا مدعی ہے، جس کی دعوت اور پکار یہ تھی، کہ یہی چیزیں آسمانی بادشاہت کی راہ کے پتھر ہیں، تم شب و روز جس مقصد کی خاطر پریشان اور سرگرداں ہو، مسیحؑ کی بعثت ٹھیک اسی مقصد کی تخریب اور شکست کے لیے ہوئی تھی، میں یہ سمجھنے سے قاصر رہا، کہ موجودہ یورپین تمدن اور عیسائیت دونوں چیزیں یکجا کیونکر ہو سکتی ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں، کہ اگر ایک چیز تمہارے پاس ہے، تو دوسری نہیں ہے، اور یہی تمہارے خرمن وجود میں اصلی چنگاری ہے، جو تم کو ایک دن جلا کر خاکستر کر دے گی، میں نے بہت کچھ سیر و سیاحت کی ہے، مسلمانوں اور بدھ والوں کو بھی دیکھا ہے، مگر ہر جگہ یہی دیکھا ہے، کہ ان کے تمدن، معاشرت اور اخلاق میں ان کے پیشواؤں کی تعلیمات کے آثار ہیں، لیکن عیسائی ملکوں کو اس اصول سے بالکل بے بہرہ پایا۔

وہ مذہب جس کی تعلیم یہ ہے، کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کی مدد کریں، اگر کوئی اس کے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے، وہ مذہب جس کی تعلیم یہ ہے کہ لوگ کل کا خیال نہ کریں، اور یہ بھی نہ سوچیں کہ وہاں رات کو اپنا سر کہاں رکھیں گے، اور قناعت کو اپنا راس المال بنائیں، اسی کے پیرو آج سب سے زیادہ مضطر، سب سے زیادہ خود غرض، سب سے زیادہ دولتمند، سب سے زیادہ تعلیم یافتہ، سب سے زیادہ متمدن، سب سے زیادہ محنتی، سب سے زیادہ ذہین، چالاک، آمادۂ بغاوت دن اور ذاتی فائدہ اور تمتع کے لیے بے قرار، ذاتی عزت کے سب سے زیادہ دلدادہ، سب سے زیادہ انتقام پسند ہیں،

---

فرنچ صاحب دماغ جواب دیتا ہے، یقیناً ہماری اصلی بیماری یہی ہے، کہ ہمارا مذہب اور ہمارا تمدن ہم کو دونوں دو راستوں پر لے جانا چاہتے ہیں، اسی لیے یورپ جھوٹی مصالحتوں کی سرزمین بن گیا ہے، یورپ کا ہر ملک یہ چاہتا ہے، کہ وہ خود تنہا اپنے ہمسایہ ملکوں سے الگ ہو کر ترقی کرے، بلکہ دوسروں کی ترقی کی راہ روک دے، اور جب تک یہ پالیسی رہے گی، سب کی تباہی یقینی ہے، مسیح نے کہا تھا "جو خدا کا ہے، وہ خدا کو دو، اور جو قیصر کا ہے، وہ قیصر کو دو،" مگر ہم چاہتے ہیں کہ دونوں کو ایک جگہ کر دیں، یورپ ایک دوسرے کو اسی مسیح کے نام ذبح کر رہا ہے، جس نے اپنے حواری سے کہا تھا، کہ "اپنی تلوار تو نیام میں کر لے"، اس وقت یورپ کے محرکات عمل میں سب سے بالاتر قوت سیاست ہے، اور یہی قوت ہماری معاشرت اور اخلاق سب پر چھا گئی ہے، اگر ہم باقی رہنا چاہتے ہیں، تو ہماری سیاست کو ہماری معاشرت کے ماتحت اور معاشرت کو اخلاق کے زیر حکم ہونا چاہیے"۔

---

کیا یہ مصلحانہ آواز یورپ کے ایوانہائے وزارت تک پہنچ سکتی ہے، کیا یورپ کو اس پر عمل کی توفیق مل سکتی ہے، نہیں، ہرگز نہیں، اہل یورپ کی طرح دنیا کے تماشا گاہ میں سیکڑوں اور ہزاروں قومیں اپنے اپنے وقت پر آئیں، اور چلی گئیں، مصلحین وقت اور مجددین زمانہ ان کو پکارتے رہے کہ:

| | |
|---|---|
| فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ | خدا سے ڈرو، اور میرا کہا مانو، اور میری |
| عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا | یہ پکار کسی ذاتی منفعت کے لیے نہیں، میرا |

عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتَبْنُوْنَ
بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝
وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ
تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ
بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ
اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝
اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
(شعرا ۶)

معاوضہ تو عالم کے پروردگار خدا کے
ذمہ ہے، ہر اونچے مقام پر بے فائدہ
نشانیاں بناتے ہو، عمارتیں کھڑی کرتے
ہو، شاید تم یہ سمجھے کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے،
جب تم کسی قوم کو پکڑتے ہو تو بہت
سختی کے ساتھ مغرور اور جابر بن کر
پکڑتے ہو، خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو،
اس سے ڈرو جس نے تم کو ان احسانات
سے سرفراز کیا جن کو تم جانتے ہو یعنی،
اولادیں، باغات اور چشمے، میں ڈرتا ہوں
کہ تم پر سخت دن کا عذاب نہ آئے،

عہد کے جباروں اور نمرودوں نے جواب بھی وہی دیا، جو آج بھی دیا جارہا ہے:

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ
اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ،
(شعرا ۶)

انہوں نے کہا کہ خواہ تم وعظ ونصیحت
کرو، یا نہ کرو، ہم کو سب برابر ہے، یہ
اگلے لوگوں کی معمولی عادت ہے، (یعنی
یہ اگلے لوگوں کے فرسودہ خیالات ہیں) ہم
پر کبھی کوئی عذاب نہیں آسکتا۔

نتیجہ بھی آج سے مختلف نہ ہوگا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

انہوں نے جھٹلایا، تو ہم نے ان کو ہلاک
کر دیا، اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے۔

جاپان کی صنعت وحرفت کے نتائج تو اہل ہند نے دیکھے ہیں، اور اس وسیع ملک کے ہر بازار میں دیکھے جا سکتے

ہیں، لیکن دہلی میں ۲۲ر جولائی کی شام کو اندر پرستھ گرل اسکول کے ایوان تعلیم میں سب سے پہلی دفعہ جاپان کی علمی صنعت کاری کے نتائج دیکھنے اور سننے میں آئے، جاپان کے ایک فاضل فلاسفر نے ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن پر ایک خطبہ دیا، جس کے آخر میں اس نے کہا:

> ”آج دنیا تباہی اور ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑی ہے، ضرورت ہے کہ دنیا کی قوموں میں باہمی اخوت اور برادری کا رشتہ قائم کیا جائے، آج زخم خوردہ اور خستہ اور خاک و خون میں لتھڑی ہوئی دنیا اس منزل مقصود کے تذکرہ سے معمور ہے، اس کو بھولنا نہ چاہیے، کہ اس عالم ارضی میں مستقل امن کی بنیاد صرف اسی پر قائم ہو سکتی ہے، کہ دنیا کی ہر قوم دوسری قوم کی تہذیب کو صحیح سمجھے، عالمگیر جنگ کے بعد سوئٹزرلینڈ نامی کسی ملک میں نمایندگان اقوام کے اجتماع سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے حاصل ہوگا، کہ ہر قوم دنیا کی خدمت کے لیے اپنی ہمدردی اور طاقت و قوت کو پیش کرے۔“

جاپان مشرقی ممالک میں یورپ کے تمدن کا سب سے پہلا شاگرد ہے، اس لیے مغرب پرست ہندوستان کو اپنی تعلیم کے دوران میں ان الفاظ کو بار بار پڑھنا چاہیے۔

(معارف ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء).

(۸)

پنجاب کے مشہور سابق گورنر سر میکائیل اوڈوائر نے ہندوستانی اور خصوصاً پنجابی اخبارات پر اپنے ایک مضمون میں بہت کچھ صحیح حد تک تنقید کی ہے، اول یہ کہ ہندوستان میں عموماً یہ شریف پیشہ وہ لوگ اختیار کرتے ہیں، جو بلند حوصلہ ہوتے ہیں، لیکن اپنے حوصلہ کی بلندی کے مطابق علمی اور عملی استحقاق نہیں پیدا کر سکتے ہیں، چونکہ ایسے افراد کے لیے کامیابی کے دوسرے دروازے پیدا ہوتے ہیں، اس لیے یہ آزاد پیشہ جس کے حصول کے لیے کوئی علمی و عملی پابندی نہیں، اور نہ اس منصب کے پانے کے لیے کسی سند اور تصدیق کی حاجت ہے، اس لیے وہ کاٹھ کے چند چرخوں اور پتھر کی چند سلوں اور کاغذ کے چند دستوں اور بستوں کو لیکر بیٹھ جاتے

ہیں، اور فوراً ملک وملت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے کر رہبری اور رہنمائی کا فرض انجام دینے لگتے ہیں۔

دنیا کے ہر طبقہ میں مخلص اور نیک نیت افراد کی کمی ہے، ملک کی رہنمائی کی عنان ہاتھ میں لے کر سب سے پہلی ضرورت یہ پیش آتی ہے، کہ اس کاغذی ناؤ کو مالی مشکلات کے طوفان سے بچایا جائے جس سے خود ان کی ذاتی زندگی کا سہارا وابستہ ہے، مالی مشکلات کا خاتمہ صرف خریداروں کی کثرت سے ہو سکتا ہے، اور خریداروں کی کثرت اسی وقت ہو سکتی ہے، جب افراد کے خیالات اور جذبات میں ہیجان ہو، اس لیے اخبارات اس پر مجبور ہوتے ہیں، کہ اپنے اور اپنے مالکوں کی زندگی کی بقا کے لیے وہ افراد میں ہیجان اور اشتعال پیدا کرتے رہیں، جذبات میں ہیجان اور اشتعال پیدا کرنے والے دماغ اپنی فکر اور ہمت کی بلندی اور پستی کے مطابق مختلف بھڑکنے والے مواد اور مسالوں کا انتخاب کرتے رہتے ہیں، کبھی یہ ذاتی، کبھی خاندانی، کبھی ملکی، کبھی قومی، کبھی مذہبی، کبھی سیاسی اختلافات کو وہ ابھار کر اپنے ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کر کے اپنی طرف مائل ہونے پر مجبور کرتے ہیں، اور اسی کا نام ان کے نزدیک قومی ہمدردی، مذہب کی حمایت اور سیاسی جد و جہد ہے، اور یہ خیال یک قلم دل سے محو ہو جاتا ہے، کہ ان تحریکات کا اصل محرک اور باعث ان کے اندر کیا ہے،

---

جو کچھ سر میکائیل اوڈوائر نے ہندوستانی اور پنجابی اخبارات کی نسبت لکھا ہے، بعینہ یہ یورپ اور انگلستان کے اخبارات پر صادق آتا ہے، وہاں اخبارات پارٹیوں اور جماعتوں کی ملکیتیں ہیں، یا ان کی زبان حال ہیں، ہر پارٹی کا اخبار دوسری پارٹی کے خلاف جو کچھ زہر پھیلاتا ہے، جس طرح اس کے خلاف پروپگنڈا کرتا ہے، وہ اخلاق اور تاریخ کی بدترین مثالیں ہیں، "ٹائمز" اور "ڈیلی ہیرلڈ" دونوں روزانہ اخبارات ہیں، ایک سرمایہ داروں کا حامی ہے، تو دوسرا مزدوروں کا، ان دونوں میں سے جو ایک پڑھتا ہے، ناممکن ہے کہ وہ دوسرے کا دشمن نہ بن جائے، اس کے علاوہ ہندوستان کی دنیا تو صرف ہند کا برِ اعظم ہے، یہاں کے اخبارات اسی ملک کی قوموں کو باہم تیغ بکف رکھتے ہیں، لیکن وہاں کے اخبارات کی دنیا تمام کرۂ عالم ہے، وہ جس طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے برخلاف ابھارتے اور مشتعل کرتے ہیں، اس کے نتائج ہر روز دنیا کی سیاست میں نیا ہنگامہ فتنہ و فساد قائم کیے ہوئے ہیں، اس بنا پر یہ عیوب حقیقت میں کسی خاص ملک کے اخبارات

کے نہیں ہیں، بلکہ جدید تمدن کے طول و عرض میں جہاں بھی اخبارات ہیں، یہ ان کے لوازم اور ضروری عوارض کی طرح پیدا ہیں۔

---

ہمارے اخبارات کا اخلاقی حیثیت سے سب سے زیادہ افسوسناک پہلو ان کے کالموں میں خلافِ تہذیب اشتہارات کا وجود ہے، یہ مرض اس درجہ ہمارے پریس میں عالمگیر ہے کہ ہمارا سنجیدہ سے سنجیدہ پرچہ بھی اس سے پاک نہیں، اخبارات کے یہ آخری اشتہاری صفحے ہمارے اخبارات کے ناصیۂ متانت کا داغ ہیں، اور اسی لیے شرم و حیا کا فتویٰ نہیں کہ یہ مردانہ اخبارات زنانہ محفلوں میں پہنچیں، کہ جنس رجال کی "جسمانی کمزوری" کے ساتھ ان کی "اخلاقی کمزوری" کی بھی پردہ دری ہوگی، اگر یہ سچ ہے، کہ باطن اپنے ظاہر سے اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، تو یہ اشتہارات جن کے عریاں مضامین پڑھ کر شرافت آنکھیں بند کر لیتی ہے، اس بات کا نمایاں ثبوت ہیں، کہ ملک کی اخلاقی روح کس درجہ کمزور اور ناتواں ہے۔

---

خوشی کی بات ہے، کہ ملک کی علمی برادری میں ایک نئے ممبر کا اضافہ ہوا ہے، یہ ہمارے عزیز دوست مولوی **معین الدین** صاحب انصاری فرنگی محلی ہیں، عربی کی متوسط تعلیم کے ساتھ انہوں نے انگریزی پڑھی، اس کے بعد انگلستان جا کر کیمبرج میں داخل ہوئے، اور وہاں سے بیرسٹری کی سند کے ساتھ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی، فلسفہ کے اعزازی امتحان میں شرکت کی، یہاں سے فارغ ہو کر برلن گئے، اور وہاں کی یونیورسٹی میں تحقیقات (ریسرچ) کے لیے نام لکھایا، اور کچھ کام وہاں انہوں نے انجام بھی دیا، مگر وہ ہنوز نامختتم ہے، ان کا ارادہ ہے، کہ وہ بقیہ کام ہندوستان میں بیٹھ کر انجام دیں گے، خوشی اس کی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں ایک بیرسٹر یا انگلستانی بی۔ اے کا اضافہ ہوا ہے، خوشی اس کی ہے، کہ موصوف کو علم کی سچی چاٹ ہے، اور اپنی مادری زبان کی سنجیدہ خدمت گذاری کا ان کو صحیح ولولہ ہے، مشرقی و مغربی علوم کے امتزاج نے ان میں بہترین اعتدال پیدا کر دیا ہے، اور ہمارے اکثر تعلیم یافتوں کی طرح جو اپنے مشرقی علوم اور زبانوں کی ناواقفیت کے باعث بہت بولنے کے باوجود بھی گونگے رہتے ہیں، وہ گونگے نہیں ہیں ان کو فلسفہ کا کامل ذوق اور واقفیت ہے، اور آجکل ہیگل کے سمائے کائنات کا سنجیدہ اور فہمیدہ ترجمہ

کر رہے ہیں، یقین ہے کہ معمائے کائنات کا یہ ترجمہ اردو میں بیان کے الجھاؤ اور صحیح الفاظ کی کمیابی اور موزوں اصطلاحات کے عدم انتخاب سے چیستاں نہ بننے پائے گا۔

اخبار تہذیب نسواں لاہور کے ۴ اگست کے پرچہ نے یہ خوشخبری سنائی ہے، کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ علی گڑھ (اس سے مسلم یونیورسٹی کا محدود رقبہ شاید مراد ہے) میں مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمان خواتین کو حقوق ملنے شروع ہو گیے، حقوق ؟ ہاں **حقوق**، کیا پنجاب اور اودھ کی مسلمان بیبیوں کو شرعی دختری وراثت کا حق مل گیا، کیا کونسلوں میں ان کی شرکت جائز سمجھی گئی، کیا تعلیمی، اخلاقی، اور سیاسی جد و جہد میں ان کو دوش بدوش کھڑا کیا گیا، کیا مسجدوں اور جامعوں میں، جہادوں اور غزووں میں ان کے لیے علیحدہ صفیں قائم ہو گئیں، کیا یونیورسٹی کے کسی کالج اور اسٹاف میں ان کو اپنے ذہنی اور عملی جوہر کے نمایاں کرنے کا حق مل گیا، کیا ان کی کسی سنجیدہ تصنیف نے ملک سے خراج تحسین وصول کرنے کا حق پا لیا، کیا ان میں سے کسی نے کوئی زنانہ یونیورسٹی، کالج یا اسکول کے قائم کرنے کی اہلیت ثابت کرنے کا حق حاصل کر لیا، کیا ان میں کوئی جدید تعلیم اور تمدن کے برکات سے عائشہ اور رابعہ، ورقار اور خنساء، زبیدہ اور رضیہ جہاں آرا یا زیب النساء بننے کی تیاری کر رہی ہے۔

نہیں نہیں، ان میں سے کوئی بات نہیں، بلکہ بنگلوں اور کوٹھیوں میں ان کو بیروں، مالیوں، باورچیوں، کوچ مینوں اور چوکیداروں کو اپنے سامنے بلانے کا حق مل گیا، مردانہ ڈرائنگ روموں میں ان کو داخل ہونے کی اجازت ہو گئی، ایوننگ واک، بیچ اور دیگر مقامات سیر و تفریح میں ان کی شرکت ہونے لگی ہے، ڈنر کے موقع پر کھلے بند اب وہ جا سکتی ہیں، معزز شوہروں کے مہذب دوستوں کے سامنے آنے کا حق ان کو بالآخر مل گیا ہے، اور اپنے شوہر کے منتخب دوستوں کی آمد کے موقع پر ان کو براہ راست ان کے خیر مقدم اور تواضع اور خاطر داری کا عظیم الشان حق ان کو حاصل ہو گیا، اور روپوشی کے شرمناک جرم سے بہت حد تک ان کو آزادی ہو گئی ہے، یہی وہ بڑے بڑے حقوق نسواں ہیں، جو اخبار مذکور کی ایک نامور مضمون نگار خاتون علیگڑھ کے اعلان کے مطابق وہاں کے اعلیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ شوہروں کی بیویوں کو ملنے شروع ہو گیے ہیں، علیگڑھ میں آزادی کے اس چارٹر کے ملنے پر مضمون نگار خاتون کو اس درجہ مسرت ہے کہ وہ اسکو شاید

ناکام دنیا کی سب سے کامیاب آرزو کے لفظ سے تعبیر کر سکتی ہیں، افسوس ہے کہ یورپین تمدن کے ظاہری آب ورنگ نے مسلمان خواتین کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، وہ چھلکے کو مغز اور سراب کو چشمہ سمجھنے لگی ہیں، قومیت کی اصلی روح، بیداری کی اصلی حقیقت اور ترقی کے معنوی لوازم پر ان کی نظر نہیں، جس طرح ان کے معزز شوہروں کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے، کہ وہ کس طرح "صاحب لوگ" کہلائیں، اس طرح فطرۃً ان کی بیویوں کی اعلیٰ ترین تمنا ہے کہ وہ کاش "میم صاحب" بن سکیں، مگر تحمل مصائب انگیزی، جدوجہد، مقابلہ، سرگرمی، عزم، استقلال، محنت اور حوصلہ میں نہیں، بلکہ راحت، سیر، تماشا، تفریح، عیش پسندی، اور نمایش میں، افسوس کہ جس راستہ پر ان خواتین کا قدم ہے، وہ انجام کار تباہی، حسرت، عبرت، رنج و تکلیف اور ناکامی کی منزل تک پہنچتا ہے، مگر ان بے خبر نازک قدم رہ رووں کو خبر نہیں۔

چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمین کوئے "یورپ" رنج دیگی آسماں ہو کر

منجملہ ان جدید اور نئے الفاظ اور محاورات کے جن کو یورپین تمدن نے ہندوستان میں پیدا کیا ہے، لیکن یہاں ان کے کوئی معنی نہیں۔ **حقوق نسواں** کا لفظ ہے، یورپ کی عیسائی قوموں میں تو اس لفظ کیلئے بے نہایت معنی ہیں، لیکن مسلمانوں کی زبانوں پر آکر یہ لفظ معنی کی ممنونیت سے بے نیاز ہو گیا ہے، اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یورپ کے مسیحی فرقوں کے مذہب میں، عورتوں کے حقوق، فرائض اور واجبات کی مطلق تفصیل بلکہ ذکر نہیں، زن و شو کے تعلقات اور ان کی نوعیت، نفقہ، نکاح، طلاق، عدت، مہر، وراثت، ترکہ، ملکیت، اور دیگر مذہبی، تعلیمی، معاشرتی، مالی اور سیاسی حقوق و فرائض کا وہاں نام و نشان بھی نہیں، اس لیے جو کچھ وہاں ہے، وہ سلطنتوں اور پارلیمنٹوں کے قوانین ہیں، جو ہر روز بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں، اس لیے جدید تعلیم کی اشاعت اور روشن خیالی کے بعد لامحالہ وہاں کی عورتوں کو سلطنتوں اور پارلیمنٹوں سے لڑ لڑ کر وصول کرنا پڑا، اور پڑ رہا ہے، بخلاف اس کے اسلام نے ہر چیز کی قانونی اور عملی تفصیل کر کے عورتوں کو ان کے ہر قسم کے حقوق اول ہی روز مرحمت اور اپنے پیرووں کی ہر دو جنسوں کے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔

تم یہ کہہ سکتے ہو، کہ مذہب نے بجائے خود گو وہ حقوق عطا کر دیئے ہیں، لیکن عملاً رسم و رواج اور قدیم

اصول معاشرت اور مردوں اور عورتوں کی جہالت اور ناواقفیت نے ان کو ہم سے سلب کر لیا ہے، اس لیے ان کے حصول کے لیے جد و جہد کی حاجت ہے، ہم اس کے جواب میں کہیں گے، کہ یہ سچ ہے، لیکن ان کے حصول کے لیے جدید یورپین تمدن کی اشاعت، خواتین فرنگ کی کورانہ تقلید، بیچ، ایوننگ واک، ڈنر، ہال، سینما، تھیٹر، بے نقابی، اونچی ایڑی کے بوٹ، ریشمی موزوں، لمبی نازک چھتریوں، لیونڈر، سینٹ، اور پوڈر، مردوں سے آزادانہ میل جول، اور انگریزی اسکولوں کے سسٹم کی تعلیم، اور ہر مسئلہ کے جواز کے لیے خواتین فرنگ کے اخلاق و آداب کے نظائر پیش کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ یورپین تمدن کی چوکھٹ پر سر رکھنے کی حاجت ہے، جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ کتاب و سنت سے اور سلف خواتین اسلام کی عملی زندگیوں سے ان تاریکیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، ہماری خواتین شوق سے علم حاصل کریں، لیکن اس لیے نہیں کہ یورپ کی عورتوں میں تعلیم پھیلی ہے، اس لیے ہماری خواتین میں بھی پھیلنا چاہیے، بلکہ اس لیے کہ اسلام نے علم کی طلب ہر مرد و زن پر یکساں فرض کی ہے، وہ شوق سے تعلیم گاہوں میں جائیں، مجالس میں تقریریں کریں، جنگوں اور لڑائیوں میں شریک ہوں، مساجد میں نمازیں ادا کریں، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی جد و جہد میں حصہ لیں، مگر اس لیے نہیں، کہ آج لعبتان فرنگ کا یہ طرز عمل ہے، بلکہ اسلیے کہ عفت مآب خواتین اسلام کے مقدس کارنامے اس کے لیے ثبوت اور شہادت ہیں۔

### بہ بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

مسلمانوں میں ترک وہ قوم ہے، جو یورپ کے پڑوس میں آباد ہے، جدید تعلیم و تمدن سے آگاہ ہے، یورپ کی ہر چیز جو تم صرف سن کر نقل کرتے ہو، وہ اس کا مشاہدہ ہے، وہ محکوم نہیں حاکم ہے، بایں ہمہ ترکی کا نامور مصلح، جدید ترکی نشو و نما کا بانی اور ترکی قوم کے لیے آئندہ شاہراہ عمل تیار کرنے والا مہندس اور قوموں کی ترقی و تنزل کے اسرار کا رازداں یعنی عزیز اسلام غازی مصطفےٰ کمال پاشا جس نے یورپین تمدن کے ہر خط و خال کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے، اس نے انگورہ کی مجلس ملی کے سامنے کچھ دن ہوئے "خلافت، تمدن جدید، یورپین تمدن، اصلاحات دینی اور علمائے اسلام کے فرائض کے متعلق" ایک نہایت مصلحانہ تقریر کی تھی، تقریر کے خاتمہ میں غازی موصوف نے فرمایا:

"ہم کو چاہیے کہ اپنے تمدن کو اپنے ملک کی حالت اور اپنی تاریخ اور اپنی ضروریات اور عادتوں کے مطابق بنائیں، اور اس طرح زیادہ بہتر طریق سے ہم متمدن قوموں میں ایک خاص امتیاز حاصل کریں گے، اگرچہ ہمارے ملک کے روشن خیالوں کا یہ عقیدہ ہے، کہ ملک وملت کی بھلائی اسی میں ہے کہ متمدن قوموں کی ٹھیک تقلید کریں، لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہے کہ ایک چیز جو ایک قوم کی خوش قسمتی اور ترقی کا ذریعہ ہو، وہ دوسری قوم کی بدبختی اور بربادی کا باعث ہوجائے،"

غازی موصوف کا کہنا بالکل درست ہے، ہر قوم کے تمدن کا مزاج اس قوم کے ملک، جائے سکونت، آب وہوا، خصوصیات نسلی، گذشتہ رسم ورواج، احکام مذہبی اور سیکڑوں عنصروں سے مل کر صدہا سال میں تیار ہوتا ہے، اس لیے ایک قوم کو دوسری قوم کی تقلید محض تباہی اور بربادی ہے، "نیچری" لوگ ہر چیز کو "نیچر" کے مطابق ہونے کو سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں، اس لیے ان سے عرض کرنا ہے کہ ایشیا اور یورپ کی حیوانی اور نباتاتی مخلوقات میں جب باہم فطرۃً اس درجہ بعد اور شکل وصورت کا تناقض ہے، تو ان دونوں براعظموں کی انسانی مخلوقات کیوں ایک دوسرے کی یکسانی اور تقلید محض کی جویاں ہیں۔

(معارف ماہ اگست ۱۹۲۳ء)

(۹)

اکتوبر کا پرچہ تین ہفتہ کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے، ناظرین معارف کے بیتابانہ خطوط اور ان کے انتظار کی برہمی، شکایت نہیں، بلکہ شکریہ کی مستحق ہے، کہ وہ ان چند اوراق کے مجموعہ کو اس درجہ محبوب وعزیز رکھتے ہیں، کہ اس کے قدوم کی چند روزہ تاخیر بھی ان کو مکدر اور ملول کر دیتی ہے، یہ اتفاقی تاخیر میری علالت اور ایک ضروری سفر کے باعث پیش آئی، آئندہ پرچہ بھی تیار ہے اور کوشش ہے کہ وہ وقت پر شائع ہو۔

---

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان قدیم کے خمیر میں گو ریاضیت، فلسفیت اور ادبیت کے تین عناصر ابتدا سے

پائے جاتے ہیں، مگر تاریخیت کے چوتھے عنصر کی اس میں ہمیشہ کمی رہی، یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے پرانے علمی ذخیرہ میں تاریخ کا سرمایہ بمنزلہ صفر ہے، لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے، کہ ہندوستان کے پرانے فرزند کچھ تو مسلمانوں کی آمد کے بعد سے اور کچھ موجودہ تعلیم کے اثر سے اس کمی کو جلدی جلدی پورا کر دینا چاہتے ہیں، مگر آپ جانتے ہیں، کہ جو غذا اچھی طرح چبائی نہیں جاتی، اور جلد جلد کھائی جاتی ہے وہ عموماً بدہضمی پیدا کرتی ہے، موجودہ جدید ہندو تعلیم یافتہ مورخین یا علم تاریخ کے شائقین نے تاریخ نگاری کا جو نمونہ اپنے سامنے رکھا ہے، وہ ہندوستان کا پرانا نمونہ **مہابھارت** اور **راماین** ہے، جن میں افسانہ کو تاریخ کا لقب دیا جاتا ہے، یا یورپ کی جدید تنقیدی تاریخ کا طرز ہے جس میں تاریخ افسانہ بن جاتی ہے۔

ہمارے پاس ملک کے مختلف گوشوں سے اکثر احباب انگریزی اخبارات و رسائل کے ایسے مضامین کے ٹکڑے کاٹ کر اس غرض سے بھیجا کرتے ہیں، کہ معارف میں ان کی تصحیح کی جائے، اور ان کے جوابات لکھے جائیں، اس سلسلہ میں قابل ذکر ہندو اہل قلم اور مورخ جدو ناتھ سرکار ہیں، جنھوں نے اپنی علمی زندگی کا نصب العین عموماً سلاطین تیموری کی تاریخ، اور خصوصاً اورنگزیب عالمگیر کے واقعات کو قرار دیا ہے، ان کی مستقل تصنیفات کے علاوہ ہر دوسرے تیسرے مہینہ انہی مباحث پر ان کے محبوب رسالہ ماڈرن ریویو کلکتہ میں ان کے مضامین نکلتے رہتے ہیں، بنگالی اور مرہٹی افسانہ نویسوں نے تیموری بیگمات کے حسن و عشق کے افسانوں کو اس خوبی سے بیان کیا ہے، کہ ناواقف ہندو اصحاب ان کو تاریخی واقعات یقین کرنے لگتے ہیں۔

سلاطین تیموری میں سب سے زیادہ بدنام مسلمان بادشاہ **عالمگیر** ہے، اس کو دوست و دشمن، مشرقی و مغربی تمام مصنفین زہد پیشہ اور متقی جانتے ہیں، مگر سرکار نے بڑی محنت سے فرامین عالمگیری نام کے کسی کہنہ مجموعہ کا پتہ لگایا ہے، اور جس کو مع انگریزی ترجمہ کے چھاپا بھی ہے، اور اس کی سند پر اس کے ایک خوشجمال کنیز پر فریفتہ ہو کر غش کھا کر گر جانے کی ایک داستان مشتہر کی ہے۔

ایک مرہٹی افسانہ نویس نے ایک قصہ گھڑا ہے، کہ روشن آرا (بنت عالمگیر) سیواجی پر دل و جان

سے عاشق تھی، اور اسی محبوبۂ مغل حرم کی کوششوں کا نتیجہ تھا، کہ سیواجی دلی کی نظربندی سے بھاگ کر نکل سکا، اور اپنے ساتھ اپنی شیدا کو بھی دلی کے محل سے نکال کر مہاراشٹر کے پہاڑی قلعہ میں لے آیا، بمبئی میں آجکل ایک ناٹک کھیلا جا رہا ہے، جس میں مہرالنسا، نامی اکبر کی ایک فرضی لڑکی ایک راجپوت پر عاشق ہوتی ہے۔

چند روز ہوئے کہ ہمارے پاس ایک دوست نے امرتا بازار پتریکا مورخہ ۹ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء کا ایک "ٹکڑا" کاٹ کر بھیجا ہے، جس میں "پرنسلی انڈیا" مصنفہ ہیم چندر رائے ایم۔اے (بنگال) کے حوالہ سے "حرم سرائے مغل اعظم" کے زیرعنوان ایک کالم کا مضمون شائع ہوا ہے، جس میں نہایت بے باکی سے روشن آرا اور سیواجی کے فرضی قصہ کا حوالہ دے کر اورنگزیب کی ایک فرضی بیوی گلنار بیگم کا قصہ لکھا گیا ہے، راجہ جسونت سنگھ عالمگیر کا ایک دل پسند افسر تھا، جس کو اس نے آخر میں کابل کی حکومت تفویض کی تھی، راجہ کے مرنے پر عالمگیر نے اس کے دونوں بیٹوں کو اپنی تربیت میں لینے کا ارادہ کیا تھا، مگر رانی اپنے بیٹوں کو لے کر راجپوتوں کی مدد سے چل کھڑی ہوئی تھی، اس مصنف نے واقعہ کو گلنار بیگم اور رانی کی باہمی عداوتوں پر محمول قرار دیا ہے، اور یہ دکھایا ہے، کہ رانی اور اس کے بیٹوں کے ساتھ عالمگیر کا طرزِ عمل گلنار کی فرمایشوں کی تعمیل تھی، اور عالمگیر سا بادشاہ جس کو ہر مورخ مستقل مزاج اور خود رائے کہتا ہے، وہ ہیم چندر رائے کی تحقیق میں زن مرید تھا۔

شترمرغ آپ جانتے ہیں، ایک عظیم الجثہ پرندہ ہے، اس کی نسبت فارسی میں ایک قصہ ہے کہ جب ایک ایرانی شکاری نے اس کو پرندہ سمجھ کر شکار کرنا چاہا، تو اس نے کہا کہ "میں تو شتر (اونٹ) ہوں، اور جب اس کو اونٹ سمجھ کر اس نے اپنا اسباب لادنا چاہا، تو اس نے معذرت کی کہ "میں تو مرغ ہوں، اسباب لادنا میرا کام نہیں"، بعینہٖ اسی طرح یورپ نے "تاریخی افسانہ" کے نام سے ایک "علمی شترمرغ" خلق کیا ہے، ناظرین کے سامنے اس کو پیش کیا جاتا ہے، تو یقین دلایا جاتا ہے، یا یقین پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کہ یہ سرتاپا تاریخی ہے، اور جب آپ اس پر تاریخی حیثیت سے اعتراضات کریں گے، کہ اس کے یہ مندرجہ واقعات اصلیت سے خالی ہیں، تو جواب ملے گا، کہ یہ تو افسانہ ہے، اس میں تاریخ سے تطبیق کی

تلاش کیوں ہے؟ یوروپین افسانہ نویسوں نے اسی طریقۂ تحریر کے ذریعہ سے ترکوں کی اخلاقی اور خانگی زندگی کی یورپ میں بدترین تشہیر کی ہے، اور اب اسی قسم کا پروپگنڈا ہندوستان کے مسلمان سلاطین کے خلاف یوروپین افسانہ نویسوں کے بہترین مقلد بنگالی، مرہٹی، اور گجراتی افسانہ نویس پھیلا رہے ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں، کہ وہ اس طریقہ سے ملک یا علم کس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ایک دفعہ ایک انگریزی خاتون سے زیر سایہ برطانیہ ہندوستان کی تعلیمی ترقی پر گفتگو ہو رہی تھی، میں نے کہا لکھنا پڑھنا دنیا کے دوسرے پیشوں اور حرفتوں کی طرح ایک پیشہ اور حرفت ہے، اس میں شک نہیں، کہ ہندوستان کے لوگ اب اس پیشہ اور حرفت کو پہلے سے زیادہ جانتے ہیں، مگر در حقیقت اصلی اور حقیقی تعلیم جو تربیت سے عبارت ہے، ہندوستان اس سے روز بروز عاری ہوتا جاتا ہے، اب شرفائے ہند میں ان کے اسلاف کی سی شجاعت، سپاہیانہ بہادری، عزم، استقلال، علوئے ہمت، خودداری، سچائی، سادگی، نیکی اور بد اخلاقی نقائص سے پاکی کہاں ہے؟ اب اگر لکھنے پڑھنے والے پہلے سے زیادہ ہیں، تو ہندوستان تو ہندوستان یورپ بھی مذہبی تعلیم چھوڑ کر اور مدنی تعلیم اختیار کر کے پہلے سے بہت زیادہ بدتر اور فروتر ہو گیا ہے، قدیم طرز تمدن میں، اگر عیش پرست سلاطین اور امراء ہوتے تھے، تو اب جدید تمدن کے بدولت یہ سعادت عوام اور قلیوں تک پہنچ گئی ہے۔

احاطۂ بمبئی ہندوستان کے ان خوش قسمت صوبوں میں سے ہے، جو نئی تعلیم کے برکات سے سب سے زیادہ بہرہ مند ہے، لیکن تعلیم کے اس بہتات کے ساتھ تربیت کی اس کمی کو ملاحظہ کیجیے، کہ ۱۹۲۳ء میں وہاں ایک لاکھ پچھتر ہزار دیوانی مقدمات دائر ہوئے، فوجداری کے جرائم کی تعداد ایک لاکھ بہتر ہزار رہی، مجرموں کی تعداد دو لاکھ ساڑھے بائیس ہزار تھی، جن میں سے صرف ایک لاکھ انتالیس ہزار مجرموں کے نام سے سزایاب ہوئے، کیا تعلیم کی افراط تربیت کے نقص کی کچھ بھی تلافی کر سکی؟

اردو کے لطیف انشا پرداز ایم۔ مہدی حسن مرحوم (افادی الاقتصادی) کی یاد اب تک ان کے قدردانوں کے دلوں میں باقی ہوگی، مرحوم کی زندگی کی خاص خصوصیت لطافت پسندی تھی، جس سے ان کی زندگی کا کوئی شعبہ خالی نہ تھا، رہنا، سہنا، پہننا اوڑھنا، پڑھنا لکھنا، سفر اور قیام، خیال اور تصور، تحریر اور تقریر ہر شے میں ان کی یہ خصوصیت

نمایاں تھی، مولانا شبلی مرحوم کے لٹریچر کے وہ شیدا تھے، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر عمدہ سے عمدہ لفافے اور کاغذ مولانا کے پاس بھیجتے تھے، کہ وہ ان پر ان کو خط لکھیں، جب دار المصنفین سے کتابیں منگواتے تھے، تو فرمایش ہوتی تھی، کہ کتاب کی ایک ایک فرد دیکھ لی جائے، کہ وہ داغدار نہ ہو، پیکٹ بھدا نہ بندھے، وہ شے لطیف اور جنس لطیف کے سچے ناقد، عاشق اور قدردان تھے، ان کی تحریر کا طرز بھی اسی انداز کا تھا، وہ ایک نہایت ہی لطیف طریقۂ انشار کے اردو میں موجد تھے، جو پستی و ابتذال سے پاک اور شگفتگی اور لطافت سے معمور ہوتا تھا۔ ان کے نج کے خطوط بھی اسی عطر شگفتگی و لطافت میں ڈوبے ہوتے تھے، اور اپنے مراسلت رکھنے والوں سے بھی اسی اہتمام اور توجہ کے طالب رہتے تھے، ان کے مضامین سنہ ۱۸۹۸ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک متعدد رسائل میں طبع ہوتے رہے، اور ارباب ذوق سے خراج تحسین حاصل کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک رفیقۂ زندگی (بیوی) بھی انہی کے خیال کے مطابق عطا کیا تھا، اور یہ سب سے بڑی دولت ہے، جو ایک شوہر کو میسر آسکتی ہے، مرحوم نے ان کی تعلیم و تربیت اپنے ہی اصول پر کی تھی، کہ وہ بالکل ان کا عکس اور آئینہ بن گئیں، انتہا یہ ہے کہ طریقۂ تحریر اور خط میں بھی اپنے شوہر مرحوم کی پوری تقلید انھوں نے کی، اب جب کبھی ان کا خط آتا ہے، دل کانپ جاتا ہے کہ الٰہی مہدی مرحوم کی تحریر-!

مہدی بیگم نے اپنے شوہر کی زندگی میں ان کی بہترین خدمت کی ہوگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے مرنے کے بعد جو خدمت انھوں نے اپنے شوہر کی انجام دی، وہ گذشتہ سے بدرجہا بہتر اور گراں تر ہے، انہوں نے اپنے شوہر کے متفرق مضامین اور تحریروں کو اخبارات اور رسائل کے پرانے فائلوں سے نکالکر یکجا جمع کیا، اور ان کا ایک مجموعہ نہایت صفائی عمدگی اور حسن سلیقہ کے ساتھ بہترین کاغذ پر شائع کیا ہے، اور اسکا نام افادات مہدی رکھا ہے، مہدی مرحوم کی جسمانی اولادیں متعدد ہیں، مگر ان کی یہ روحانی اولاد ہمیشہ زندہ اور یادگار رہے گی۔

(معارف ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء)

## (۱۱)

آج کے سلسلۂ مقالات میں "سرزمین حجاز کی تعلیمی روداد" کے عنوان سے "ایک طالب علم" کے قلم کا ایک مضمون آپ کو ملے گا، میری مدت سے خواہش تھی، کہ دنیا کے جدید انقلابات کے بعد اسلامی ممالک میں تعلیمی جد و جہد کے جو موجودہ مناظر ہیں، ان سے ہندوستان کی اسلامی آبادی کو آشنا کروں، تاکہ معلوم ہو سکے، کہ اس طوفان کے پیچھے کوئی ایسی بنیاد بھی ہے، جس پر ان مسلمان بستیوں کی خیر و برکت کی مستحکم عمارتیں قائم ہو سکیں، نیز اس سے یہ غرض بھی تھی، کہ چونکہ تمام دنیائے اسلام ایک ہی قسم کی بیماری میں مبتلا ہے، اس لئے اس کے لئے ایک ہی قسم کی دوا اور طریقۂ علاج کی حاجت ہے، اور وہ تعلیم ہے، دیکھنا یہ تھا، کہ ہندوستان کے علاوہ دیگر اسلامی ملکوں کے روحانی طبیبوں نے اس نسخۂ شفا کو کس کس طرح ترتیب دیا، اور کن کن اجزاء سے ان کو مرکب کیا ہے، ایک تیسری غایت اس سے یہ تھی، کہ تمام دنیائے اسلام میں ایک علمی اور تعلیمی اتحاد کا شیرازہ بندھ سکے، اور اس طرح ممکن ہے، کہ ہمارا تعلیمی قبلہ مغربی مرکز سے کسی مشرقی مرکز کی طرف منتقل ہو سکے۔

چنانچہ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر میں نے تونس، مراکش، مصر، حجاز اور انگورہ میں اپنے احباب کو خطوط لکھے، کہ وہ اس مقصد کے حصول میں میری مدد فرمائیں، اور اپنے اپنے ملکوں کے تعلیمی حالات، اسلامی مدارس اور نصاب تعلیم سے مطلع فرمائیں، انگورہ اور مراکش سے اب تک کوئی جواب نہیں آیا، تونس سے جواب آیا، کہ وہاں کی مجلس حزب دستوری نے اپنے تین ممبروں کو اس موضوع پر ایک رسالہ ترتیب دینے کے لئے نامزد کیا ہے، مصر سے خط آیا ہے، کہ عنقریب اس مسئلہ پر ایک سلسلۂ مضامین مرسل ہوگا، اس باب میں سب سے زیادہ پیش دستی سرزمین حجاز نے دکھائی، جہاں سے اسلام کے علم و عرفان کا سرچشمہ سب سے پہلے ابلا تھا، اسلامی مدارس کا سب سے پہلا گوشہ یہی ہے، معلمین اسلام کا سب سے پہلا گروہ یہیں پیدا ہوا تھا، مسلمان طلبہ کا سب سے پہلا جرمٹ یہیں سے نکلا تھا، علوم اسلامیہ کا سب سے پہلا سبق یہیں دیا گیا تھا، اس لئے حق ہے، کہ سرزمین حجاز کی تعلیمی روداد سب سے پہلے ہمارے سامنے آئے۔

یہ دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے، اور رنج بھی، کہ حجاز کی تعلیمی کوششوں میں بڑا حصہ ہندوستان کے باشندوں کا ہے، حالانکہ اسلام کا مقتضا تو یہ تھا، کہ ہندوستان کی تعلیمی کوششیں حجاز کے نور سے منور ہوتیں، اب جب ہم دنیائے اسلام کا نقشہ اپنی مرضی کے مطابق بنانا چاہتے ہیں، تو ہمارا فرض ہے، کہ اس سرزمین کو وہی علمی و تعلیمی مرتبہ عطا کریں، جو

پوری دو صدیوں تک ابتداءً اس کو حاصل تھا،

حجاز میں مکہ معظمہ کے علاوہ مدینہ منورہ، طائف اور جدہ مشہور شہر ہیں، مگر اس تعلیمی روداد کے مرقع میں صرف مکہ معظمہ کے مدارس کے نقشے آپ کو نظر آئیں گے، "طالب علم" راوی کا بیان ہے، کہ مدینہ منورہ میں اس وقت کوئی بڑی آبادی ہی نہیں، جہاں مدارس کا نام و نشان ہو، آہ! یہ اس سرزمین اقدس کا حال ہے، جہاں کبھی ہر گوشہ میں قال اللہ اور قال الرسول کے ترانے بلند تھے، اور حدیث و تفسیر کے سیکڑوں امام جگہ جگہ درس کی مسندیں بچھاتے اور علوم و معارف کے خزانے لٹاتے تھے، اور جہاں کبھی اسپین سے لے کر سیستان تک کے ہزاروں طلبہ کا اژدحام لگا رہتا تھا، طائف جہاں حبر امت حضرت ابن عباسؓ کی درسگاہ تھی، علم کا کوئی قابل ذکر گھر نہیں، جدہ میں بمبئی کے ایک عرب تاجر محمد علی کا مدرسۃ الفلاح ہے، جو جنگ سے پہلے اب تک جاری ہے، اور جدید طریق پر اچھا چل رہا ہے،

ناندیر سے مولوی ابوالرشید محمد عبداللہ صاحب وکیل لکھتے ہیں، کہ،

"ہندوستان کے مختلف حصوں میں علم دوست اور نیز بعض اشخاص کے پاس قدیم کتابوں کا اب بھی اس قدر علمی ذخیرہ موجود ہے، کہ اگر وہ سب یکجا کی جائیں، تو علمی مذاق رکھنے والے حضرات کے لئے معلومات کا ایک وسیع میدان مہیا ہو جائے، چنانچہ ناندیر میں میرے ایک مرحوم دوست کے پاس ہندوستان کے مشہور شاعر فیضی کی مثنوی نل دمن کا ایک قلمی نسخہ جو اس کے زمانہ میں نقل کی گئی تھی، موجود ہے۔"

وکیل صاحب موصوف اسی خط میں ایک اور نادر کتاب کا تذکرہ کرتے ہیں:۔

"انجمن اصلاح تمدن ناندیر کے کتب خانہ میں جو ایک مختصر کتب خانہ ہے، عربی زبان میں علم ہندسہ کی ایک قلمی کتاب ہے، جو نہایت قدیم ہے، افسوس ہے، کہ کتاب میں کتابت کا سنہ درج نہیں ہے، اور مصنف کا نام ہے، لیکن تمہید میں مصنف نے لکھا ہے، کہ "جب میں مجسطی کی تحریر سے فارغ ہوا، تو ارادہ کیا، کہ اصول ہندسہ و حساب پر جو کہ اقلیدس صوری کے نام سے منسوب ہے، ایک کتاب لکھوں، چنانچہ متوکلاً علی اللہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے، جو پچیس ۲۵ مقالات پر مع الحاقات کے مشتمل ہے، اور اس میں نسخہ النجاج[1] سے ۸، ۴م اشکال اور نسخہ ثابت سے دس اشکال زائد ہیں، کتاب کی تقطیع معارف سے کسی قدر چھوٹی ہے، کتاب کی ضخامت ۲۳۱

---

[1] اصل کتاب میں الجاج لکھا ہے، بحرف ایک نقطہ ہے،

صفحوں کی ہے، خط دو قسم کا ہے، ایک خط نسخ پختہ، اور دوسرا شکستہ، کتاب میں جا بجا کیڑوں نے باریک سوراخ ڈال دیئے ہیں، مگر مضمون کتاب میں کہیں خرابی پیدا نہیں ہوئی، البتہ اشکال کے بعض حصے خراب ہو گئے ہیں، میں نے سنا ہے، کہ کسی قدردان علم بزرگ نے اس کتاب کو آٹھ سو روپیہ میں خریدا تھا،

تحریر مجسطی کے ذکر سے اڈیٹر معارف کو خیال ہوتا ہے، کہ محقق طوسی کی تصنیف تحریر اقلیدس ہوگی، اس کے نسخے جا بجا کتب خانوں میں موجود ہیں، کسی کتاب کو آٹھ سو روپیہ دے کر خریدنا مسلمانوں کے گذشتہ ذوق علمی کی ایک نظیر ہے، جس کی تلاش اس عہد میں بیکار ہے، ع

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا،

(معارف نومبر سنہ ۱۹۲۳ء)

(۱۲)

مسلمانان ہند کی مشہور تعلیمی کانفرنس (آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس) کا سالانہ اجلاس امسال بھی حسب دستور دسمبر کی آخری تاریخوں میں بمقام علی گڈھ منعقد ہوگا، ہم نہیں جانتے کہ صدارت کا انتخاب ہو چکا ہے یا نہیں، مگر ہمارے خیال میں اس وقت کے لحاظ سے مناسب تر انتخاب صاحبزادہ آفتاب احمد خان کا ہے، جو مدت تک علم و ترقی کے مرکز میں رہ کر آئے ہیں، وہ بہت سی نئی باتیں قوم کو بتا سکتے ہیں،

اب جب قوم کا مطمح نظر بدل چکا ہے، خیالات میں انقلاب، مقاصد میں تغیر اور حالات میں تبدیلی نمایاں ہے، تو ضرورت ہے، کہ ہماری پرانی قومی مجلسوں کے ان مطالبات میں بھی انقلاب، تغیر اور تبدیلی ظاہر ہو، بہت سی باتیں آج سے تیس یا چالیس برس پیشتر ضروری تھیں، وہ اب بے سود ہو گئی ہیں، اور بہت سی باتیں جو پہلے بے سود معلوم ہوتی تھیں، ضروری ہو گئی ہیں، بہت سی چیزیں جو پہلے ناممکن تھیں، ممکن ہو گئی ہیں، اور بہت سے ممکنات نے اب ناممکن کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے اسی دلیل کی بنا پر جو اس تعلیمی مجلس کی سب سے پرزور اپیل تھی، ع

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

اس میں زمانہ کے مطابق تغیر اور تبدیلی کی حاجت ہے،

ہمارا یہی خیال ندوۃ العلماء کے متعلق بھی ہے، کہ اب جب علماء کے حالات میں تغیر ہو گیا ہے، جمعیۃ العلماء قائم

ہوچکی ہے، بلاد اسلامیہ سے تعلق ممکن ہوگیا ہے، اشاعت اسلام کی انجمنیں کام کر رہی ہیں، مدارس نئے اصول پر کھلے جا رہے ہیں، ضرورت ہے کہ ایک دفعہ بیٹھ کر روشن خیال، اور روشن ضمیر علماء اس کے بنیادی مقاصد پر ایک تنقیدی نظر ڈال لیں، اور اس کے لئے اس کے ایک سالانہ اجلاس کی حاجت ہے، لیکن کہاں؟

تعلیمی کانفرنس کا جو نظام اجلاس اس دفعہ شائع ہوا ہے، اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے کارکن بھی اس نکتہ کو سمجھ گئے ہیں، لیکن یہ تغیر اس طرح طے کیا جانا شاید ان کو منظور خاطر ہے، کہ تعلیمی مجلس کو علمی مجلس کی ہیئت میں تبدیل کر دیا جائے، چنانچہ اجلاس آئندہ کے مطبوعہ نظام نامہ میں زیادہ تر علمی تقریروں اور خطبوں کی کثرت نظر آتی ہے، اور اس کے بعد کچھ جدید تعلیمی آلات کی نمایش کو جگہ دی گئی ہے، تعلیمی نمایش تو اس نمایش گاہ میں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے، ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں، کہ کانفرنس کی کوشش سے کتنے اسکول کھلے، کتنے مدرسے قائم ہوئے، کتنے طلبہ نے وظیفے پائے، کن کن تاریک مقامات میں کانفرنس کے سفراء نے "ٹکٹ فروخت" کے علاوہ تعلیم کی روشنی پھیلائی، اور مسلمانوں کو ادھر رغبت دلائی، یہ الفاظ دردمندی سے نکلے ہیں، طعن و طنز اور اعتراض و جواب مقصود ان کا نہیں،

علمی حیثیت سے کانفرنس کا یہ اجلاس بشرطیکہ مردہ اور فرسودہ تجاویز اور "ریزولیوشنز" کو حسب دستور امسال کانفرنس میں اول جگہ نہ دی گئی، تو یقیناً نہایت دلچسپ اور مفید ہوگا، اور ہماری زبان اور ملک میں معلومات کا عمدہ ذخیرہ مہیا کرے گا، علم دوست اصحاب سے قدر دانی، اور قدر افزائی کی امید ہے، لیکن کیا کانفرنس کے لئے یہ سوچنے کی بات نہیں، کہ اس کے اجلاس کا زمانہ اب بدل جانا چاہئے، آخر مسلمانوں کو کانگریس سے روکنے کے لئے اس کو اسی زمانہ میں منعقد کرنے کی پالیسی پر کب تک عمل ہوتا رہے گا،

خوشی ہے، کہ یورپ کی دوربین میں ممالک اسلامیہ کے جس خوش آیند منظر کا مشاہدہ کیا تھا، معارف کے ناظرین کو دو برس پہلے "دنیائے اسلام کے انقلاب" کی جو خبر واقعات کی روشنی میں دی تھی، ہر روز وہ منظر زیادہ نمایاں اور وہ خبر زیادہ مصدق ہوتی جاتی ہے، تلک الایام نداولہا بین الناس، خدا فرماتا ہے، کہ زمانہ کو ہم لوگوں کے بیچ میں الٹتے پلٹتے رہتے ہیں،

بحرین میں ایک قومی اجتماع ہوا، ایک عربی، فارسی، انگریزی کی تعلیم کا مدرسہ وہاں قائم ہے، اس کو ترقی دی گئی، ہانگ کانگ (چین) میں نوجوان مسلمانوں کی مجلس "ینگ مینس اسلامک سوسائٹی" تبلیغ اسلام اور ترغیب علم

کے لئے بنی ہے، اس کا ایک کتب خانہ قائم ہوا ہے، سنگاپور میں انجمن اسلام کا علمی تعلیمی اور تبلیغی مقاصد سے قیام ہوا ہے، اس کا ایک ماہوار انگریزی تبلیغی رسالہ ہے، وہاں کے عربوں نے اپنے بچوں کے لئے بطرز جدید "السقوف" عرب اسکول قائم کیا ہے، اور اس کو ترقی دے رہے ہیں، بغداد میں جدید علوم کی ایک نئی درسگاہ قائم ہوئی ہے، انگورہ کی ہیئت علمیہ اسلامیہ کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے،

شام میں فرانسیسی قوت وطاقت کی مزاحمت کے باوجود علمی رونق پیدا ہے، مجمع علمی عربی (عرب اکاڈمی) کے علمی مباحث، خطبات اور تحقیقات، نوجوان عربوں کے خیالات کو وسیع کر رہی ہے، اس کی زنانہ اور مردانہ مجلسوں میں ہر ایک ضرورت کے مطابق مفید تقریروں کا سلسلہ جاری ہے، ابھی شیخ محمد کرد علی وزیر تعلیمات شام کا ایک بشارت نامہ موصول ہوا ہے، کہ دمشق میں جو شام کا کسی قدر وسیع الاختیار حصہ ہے، مختلف درسگاہوں کو ملا کر ایک جامعہ عربیہ (عربک یونیورسٹی) قائم کی گئی ہے،

شیخ موصوف کے والانامہ کا حسب ذیل اقتباس ناظرین کے لئے مسرت انگیز ہوگا،

> "آپ کا خط مجمع علمی عربی کے جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا، ارکان دار المصنفین ہند کے ساتھ مجمع کے علمی روابط کو خوشی کے ساتھ پسند کیا، ...... خلفائے امویہ کے اس پایۂ تخت (دمشق) میں جس اسلامی مدرسہ کے قیام کی خبر آپ کو معلوم ہوئی ہے، اور جس کی نسبت آپ نے دریافت کیا ہے، وہ ابھی تک تاسیس اور تعمیر کی حالت میں ہے، جب اس کا افتتاح ہو جائے گا، تو میں آپ کو اس کی خوشخبری سنا دوں گا،
>
> بالفعل میں آپ کو یہ خوش خبری سناتا ہوں، کہ دمشق میں ایک جامعہ عربیہ جس میں ایک طبی کالج، ایک قانون کا مدرسہ اور ایک علمی تحقیقات کی درسگاہ شامل ہے، اور اب آج کل علوم ادبیہ کی شاخ کھل رہی ہے، ان تمام درسگاہوں میں تمام علوم آلیہ عربی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں، جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے اولاً یہ کہ مصر میں جامعہ مصریہ اسی اصول پر ہے، لیکن وہ ابتدائی حالت میں ہے، جس میں بہت سے شعبوں کی ابھی کمی ہے، جس طرح ہمارے جامعہ میں علوم وفنون (سائنس اینڈ آرٹس) کی کمی ہے، اور نیز الٰہیات کا شعبہ بھی اس حیثیت میں نہیں ہے، جس کی آج مصلحین اسلام ضرورت سمجھتے ہیں،

اسی سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا، کہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک معقول حد تک ترقی کر گئی ہے،

کل ولایات متحدہ میں مسلمانوں کی تعداد پچاس ہزار ہے، جس میں زیادہ تر مسلمان شامی عرب اور ترک ہیں، جو اپنے اپنے وطنوں کو چھوڑ کر آباد ہوئے ہیں، جن میں سے چار ہزار کے قریب ڈیٹرویٹ (Detroit) میں رہتے ہیں، اور وہاں انھوں نے ایک عظیم الشان مسجد بھی بنالی ہے، معلوم ہوا ہے، کہ چکاگو کے مسلمان واشنگٹن میں تبلیغ اسلام کا ایک دفتر کھولنا چاہتے ہیں، اور ان کو ان مقامات میں کامیابی کی امید ہے، امریکہ میں حبشیوں کی بڑی تعداد آباد ہے، جس کو سپید رنگ کے انسان مسیحی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور وہ بڑی مظلومیت اور دکھ میں ہیں، لیکن اب انھیں معلوم ہوا ہے، کہ صلح جو، امن پسند مسیح کے نام نہاد پیرو کاروں کے مظالم سے صرف اسلام نجات دے سکتا ہے، اس لئے اس جائے پناہ کی طرف ان کو توجہ ہو چلی ہے،

نیویارک سے "نیگرو ورلڈ" (حبشی دنیا) سیاہ فام انسانوں کا ایک اخبار نکلتا ہے، جریدۂ مذکور میں مسٹر جے اومیلے (A. Omally) کا "اسلام اور رنگ کا سوال" ایک مضمون نکلا ہے، جس میں واقعات سے یہ ثابت کیا گیا، کہ اسلام رنگ کے سوال سے مبرا ہے، اور افریقی آبادی کے لئے صرف وہی ایک مستحکم قلعہ ہے، جو یورپین مسیحی حملہ آوروں سے ان کو بچا سکتا ہے، اور ایک زبان عربی، ایک خدا، اور ایک قرآن دے کر تمام سیاہ فام انسانوں کو متحد قوم بنا سکتا ہے، اور عربی اب بھی لاکھوں افریقیوں کی زبان ہے،

مضمون نگار کہتا ہے:۔

> "افریقی آہستگی سے لیکن یقین کے ساتھ یہ سمجھنے لگے ہیں، کہ وہ صلیب کے زیر سایہ رہنے سے زیادہ ہلال کے زیر سایہ رہ کر اپنی بلند حوصلگی کے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں، خود برطانوی حکام اس کا اعتراف کرتے ہیں، کہ مسلمان افریقی ذہانت اور اخلاق میں عیسائی افریقی سے علانیہ ممتاز ہوتا ہے، اسلام نے اپنے پیرو کاروں کو بہادرانہ ذاتی حرمت، فیاضی اور بلند حوصلگی سکھاتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ بگوش اپنے مقدس حق اور عزت کی حفاظت کی خاطر تیغ بکف رہتا ہے، ابھی چند برسوں کے اندر رہ کر تیس ۳۰ لاکھ باشندگان افریقہ مسلمان ہو چکے ہیں، جنوبی نیاسالینڈ میں جہاں سنہ ۱۹۰۰ء تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننے والا ایک بھی نہ تھا، وہاں اب تمام ملک میں مسجدیں نظر آتی ہیں، دربان اور کیپ کے درمیانی علاقہ میں دس لاکھ باشندے پچھلے سال مسلمان ہو چکے ہیں"۔

ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل علماء میں مولوی شاہ زین العابدین ندوی ایک صاحب ہیں، جنھوں نے تعلیم کی تکمیل کے بعد ہی سے اپنے کو دعوت و تبلیغ کے کاموں کے لئے اپنے کو پیش کیا تھا، اور خود اپنی ذاتی محنت اور کوشش سے امریکہ کا سفر کیا، اب وہاں چند سال سے مقیم ہیں، کل ان کا ایک خط امریکہ سے ملا، جس میں یہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، کہ ہماری برادری کا ایک عالم ندوہ کے خواب کی تعبیر پوری کر رہا ہے، ندوہ نے ایک درجن سے زیادہ ایسے عالم پیدا کئے ہیں، جو مذہبی علوم کے ساتھ انگریزی کے گریجویٹ ہیں، یا انگریزی کی خاصی قابلیت رکھتے ہیں، مگر چونکہ قوم نے ایسے اشخاص کی کھپت کے لئے کوئی جگہ اب تک نہیں بنائی ہے، اس لئے وہ زیادہ تر اسکولوں اور کالجوں میں معلم و استاد ہیں، شاہ صاحب کی ہمت سے ہمارے انگریزی داں برادران ندوہ کو ذاتی جرأت کا سبق حاصل کرنا چاہئے، کہ وہ خود اپنے معیار کے مطابق قوم میں اپنے لئے کام پیدا کریں، اور اعتبار کریں،

شاہ صاحب کے طویل مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کناڈا، کیوبا وغیرہ کے مختلف حصوں کی سیاحت کی، تاکہ اسلامی نو آبادی کی حالت دیکھوں اور اسلام کے بیج بونے کی صورت پیدا کروں، مسلمانوں کی کم و بیش ہر شہر میں آبادی ہے، مگر بری حالت میں ہیں، مذہبی احساس مفقود ہے، البتہ قومی احساس پیدا ہے، جس میں ذرا بھی ٹھیس لگتی ہے، تو ابھر آتے ہیں، اسلام کے خلاف یہاں بھی پروپیگنڈہ جاری ہے، تاہم یہاں اسلام کے مداح نظر آتے ہیں،

چند ماہ سے یہاں شہر میچ میں ہوں، سارے امریکہ میں یہی ایک شہر ہے، جہاں چھ ہزار مسلمان رہتے ہیں، اور سب نو آباد ہیں، میں نے اپنی حیثیت کے مطابق ان میں کام شروع کیا ہے، کہ وہ متحد ہوں، اور ان میں مذہبی جذبات پیدا ہوں، انجمن المعین کے نام سے ایک مجلس قائم کی ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کی باہمی امداد اور ہر موقع پر اسلام کی خوبیوں کو نمایاں کرنا ہے، اس کا کوئی چندہ نہیں، تجارت سے اس کا سرمایہ بڑھایا جائے گا، اس کے ماتحت ایک اسکول بھی ہے، جس میں انگریزی حساب کتاب اور اصول اسلام کی تعلیم رات کو دی جاتی ہے،

یہ انجمن اسلامی ممالک کے ساتھ شادی و غم کی تقریبوں میں بھی شرکت کر کے بقیہ پرانی دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ سلسلہ اخوت و برادری کو قائم رکھنا چاہتی ہے، چنانچہ جب ڈاکٹر ابراہیم فواد نے ناظم دار الیتامیٰ حربیہ انگورہ

وہاں گئے تھے، تو بڑے جوش سے ان کا استقبال کیا گیا، تین سو موٹریں ان کے جلوس میں تھیں، ہر جگہ ہلال احمر کا جھنڈا لہرا رہا تھا، ایک عظیم الشان ہال جلسہ کے لئے کرایہ پر لیا گیا تھا، سولہ ہزار ڈالر نقد جمع کرکے دیئے گئے، اسی طرح جب مصری وفد یہاں آیا، تو اس کو بھی چائے کی دعوت دی گئی، سب سے تازہ موقع اس انجمن کے اجتماع کا مولانا عبد الحیٔ مرحوم ناظم ندوہ کی خبر وفات کے موقع پر ہوا، ارکان نے غیر متوقع وفات پر رنج و افسوس کا اظہار کیا،

رسالہ اردو (اورنگ آباد دکن) میں ایک صاحب شعر العجم پر مسلسل تنقید لکھ رہے ہیں، اس تنقید کی آخری قسط اکتوبر کی اشاعت میں شائع ہوئی ہے، اغلاط کا بیشتر حصہ ناموں اور سنوں کے الٹ پھیر اور اختلافات پر مبنی ہے، اس آخری قسط کے آخر میں شعر العجم میں عمر خیام کے متعلق جو کچھ ہے، اس پر تنقید کی گئی ہے، مضمون نگار صاحب نے اس تنقید کی تحریر کی نسبت ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال ایم، اے، پی، ایچ، ڈی بیرسٹرایٹ لا پروفیسر ادبیات فارسی اورینٹل کالج لاہور شاگرد پروفیسر براؤن کی طرف کی ہے، مرحوم مصنف نے سیکڑوں برس کے مردہ اشخاص کے ناموں میں غلطیاں کی ہیں، مگر ہمارے زندہ تنقید نگار کی صحیح البیانی یہ ہے، کہ وہ زندہ اور معاصر اشخاص کے ناموں میں بھی التباس اور تشابہ سے محفوظ نہیں، پھر مردوں کی داد و فریاد کون سنتا ہے، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال ایم، اے، پی، ایچ، ڈی بیرسٹرایٹ لا، (مشہور شاعر) اور ڈاکٹر محمد اقبال ایم، اے، پی، ایچ ڈی (ماہر ادبیات ایران) شاگرد پروفیسر براؤن، پروفیسر اورینٹل کالج لاہور، دو مستقل ہستیوں کے علحدہ علحدہ نام ہیں، حضرت مسیح نے سچ کہا ہے، "تم کو دوسروں کی آنکھوں کا تنکا نظر آتا ہے، مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا،"

یک زندہ دل نہ رفت سلامت زعیب جو،
کایں ماجرا بہ خضر علیہ السلام رفت

(معارف ماہ دسمبر ۱۹۲۳ء)

# شذرات

## جنوری سنہ ۱۹۲۴ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء

سنہ ۱۹۲۴ء سے معارف کی زندگی کا نواں سال شروع ہوا، نو سال کی زندگی موافق آب و ہوا میں کچھ تعجب انگیز نہیں، مگر اردو کے شہرستان کی اس وقت جو آب و ہوا ہے، اس میں نو برس کی یکساں زندگی بھی کچھ کم حیرت زا نہیں، تہذیب الاخلاق مرحوم نے کل ملا کر سات برس سے بھی کم زندگی پائی، الندوہ جوں توں آٹھ برس چلا، اور حسن وغیرہ تو چند برسوں کی بھی عمر نہ پا سکے، دعا کیجئے، کہ علم و فن کا یہ "بے عمل واعظ" کچھ دن اور جیتا رہے،

سنہ ۱۹۲۳ء میں دار المصنفین کی طرف سے ایک دو سے زیادہ نئی کتابیں نہیں نکلیں، اس کی وجہ نئی تصنیفات کی عدم تیاری نہیں، بلکہ یہ ہے، کہ ہمارا مطبع گذشتہ سال زیادہ تر ختم شدہ کتابوں کے نئے طبعات (اڈیشنز) کے اعادہ میں مصروف رہا، علم الکلام، الکلام، ارض القرآن، سیرت عمرؓ بن عبد العزیز وغیرہ جن کے نسخے مفقود تھے، اور ملک میں ان کی پیہم طلب جاری تھی. بحمد اللہ کہ وہ دوبارہ چھپ گئیں، اور اب مطبع پوری تیزی سے بعض نئی کتابوں کی تیاری میں مصروف ہے،

زیر طبع کتابوں میں سیرۃ نبویؐ کی تیسری جلد ہے، جس کے ڈھائی سو صفحے چھپ چکے ہیں، اور اسی قدر ابھی اور باقی ہیں، ابن رشد اور اس کے فلسفہ پر ایک نہایت محققانہ اور مبسوط تصنیف بھی زیر طبع ہے، انقلاب فرانس کے قلمی ہیرو روسو کا ایک رسالہ بھی چھپ رہا ہے، مولانا سید عبد الحئیؒ مرحوم کی عربی تاریخ ہند ٹائپ میں جامعہ ملیہ کے مطبع میں چھپ رہی ہے، مولانا مرحوم کی دوسری تصنیف "گل رعنا" (تذکرہ شعرائے اردو) کی کتابت ہمارے یہاں شروع ہو گئی ہے،

علی گڈھ اسلامی تعلیمی کانفرنس کا خطبۂ صدارت نہایت جامع تھا، لیکن مانع نہ تھا، اس کی خاص خوبی یہ تھی، کہ وہ علمی، تعلیمی، سیاسی، مذہبی غرض جس اسٹیج سے بھی اُس کو پڑھا جاتا، وہ اس کے لئے موزوں ہو سکتا تھا، حتی کہ اگر سید مرحوم کی برسی کے دن بھی اس کو پڑھا جاتا، تو اس کی موزونی میں فرق نہ آتا، جدید حقیقت و غایت الٰہی کا فلسفہ، جو صاحبزادہ صاحب کا خاص موضوع سخن ہے، وہ بھی اس خطبہ میں پوری طرح موجود تھا،

خطبہ میں بہت سی باتیں عمیق فکر و کاوش کا نتیجہ ہیں، اور اس کے بہت سے مشوروں سے ہم کو کامل اتفاق ہے، تاہم ہم یہ یقین نہیں کر سکتے، کہ جدید تعلیم ہی ہمارے تمام امراض کا واحد علاج ہے، اور تمام قوم اور تمام قومی کام کرنے والوں میں جو کچھ ذہنی، دماغی، جسمانی، مالی قوت و استطاعت ہے، وہ تعلیم اور صرف تعلیم کی راہ میں صرف کرنا چاہئے، صاحبزادہ صاحب کا یہ مشورہ ہے، کہ قوم کا ہر فرد سب کچھ چھوڑ چھاڑ حافظؔ کے مشورہ کے مطابق یہ کہتا ہوا صرف جدید تعلیم کی اشاعت میں لگ جائے،

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار     بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

لیکن مشکل یہ ہے کہ جدید تعلیم کے اب ایسے باوفا عشاق سے ہندوستان کی دنیا خالی ہو گئی،

صاحبزادہ صاحب نے اس امر پر اپنی پوری کوشش صرف کر دی ہے، کہ سرسید کے علمی، تعلیمی، سیاسی، مذہبی عقاید کو اس خطبہ میں پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ یکجا کر دیا ہے، تاکہ "مرتدین" کے شکوک و شبہات کو دور کرکے از سر نو ان کو سرسید کے مذہب کی دعوت دی جائے، اس مذہب کے جن چند عقائد کو نمبروار صاحبزادہ صاحب نے یکجا کیا ہے، اور ان کو "غیر متزلزل یقین" کے ساتھ تسلیم کرنے کا قوم کو مشورہ دیا ہے، گو چند سال پہلے ان پر لوگ بے دلیل ایمان رکھتے تھے، مگر اب کیا کیا جائے، کہ قلوب ایسے بدل گئے ہیں، کہ ان پر زور دلیلوں سے بھی ان پر ایمان لاتے ان سے نہیں بنتا، ہم کو یہ اعتراف ہے، کہ صاحبزادہ موصوف سرسید کی شریعت کے بہترین مبلغ ہیں، تاہم اب ان کو خود یہ "غیر متزلزل یقین" پیدا کر لینا چاہئے، کہ اب وہ شریعت ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو چکی، اور جس طرح سرسید نے اپنے پہلوں کی طرز و روش و مقصد تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت سمجھی تھی، چالیس برس کے بعد اب ان کے نائبین کو بھی ان حالات میں تبدیلی کی حاجت ہے،

با ایں ہمہ ہم تو مسلم یونیورسٹی پر خدا کی رحمت سمجھتے ہیں، کہ صاحبزادہ صاحب امسال یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ہوئے، یاد ہوگا، کہ اب سے دو سال پہلے معارف کے ان ہی صفحات میں ہم نے صاحبزادہ صاحب کو اس منصب کا بہترین حقدار لکھا تھا، کیونکہ اس جماعت میں ان سے بہتر کوئی شخصیت نہیں، ہم نے اس خبر کو بھی نہایت مسرت کے ساتھ سنا کہ صاحبزادہ صاحب نے انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ اصلاحات کا آغاز کر دیا ہے، بڑی ضرورت اس کی ہے، کہ قوم اور یونیورسٹی کے درمیان بیگانگی کی جو خلیج حائل ہو گئی ہے، اس کو پاٹا جائے، اور اس خواب کو پورا کیا جائے، جو سرسید مرحوم نے خود دیکھا تھا، اور قوم کو دکھایا تھا، شبلی مرحوم کے خواب کی تعبیر ملنے کا زمانہ تو ابھی بہت دور ہے، یعنی یہ ع

کہ ایں سر رشتۂ تعلیم ما در دست ما باشد

صاحبزادہ صاحب نے یہ سوال نہایت بروقت کیا ہے، کہ مسلمانوں کی اس شدید ضرورت کے ایام میں جب شدھی اور سنگھٹن کی شکلیں پیدا ہوتی رہی ہیں، کیا وجہ ہے، کہ ایک طرف ہندوؤں میں بیسیوں بی۔ اے، ایم اے، ایل ایل بی، بیرسٹر اپنی سادہ اور محنت کش زندگیوں کے ساتھ اپنی قوم میں اِس سرے سے اس سرے تک لگے ہوئے ہیں، دوسری طرف مسلمانوں میں ان کاموں کے لئے ایک مسلمان گریجویٹ بھی نظر نہیں آتا، الا ماشاء اللہ! صاحبزادہ صاحب اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں، کہ مسلمانوں میں چونکہ یہ جدید افراد کم ہیں، اور دوسروں میں زیادہ ہیں، اس لئے یہ صورت حال ہے اور اس سے مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلم یونیورسٹی میں طلبہ کو بھیج کر اپنے گریجویٹوں کی تعداد بڑھائیں، لیکن ہمارا خیال یہ ہے، کہ اس اختلاف حال کی وجہ کمیت اور تعداد کی کمی بیشی نہیں، بلکہ کیفیت کی کمی بیشی ہے، اگر آج کسی اعجاز سے مسلمان گریجویٹوں کی تعداد دونی بھی ہو جائے، مگر ان کی تعلیم و تربیت کی ذہنی و نفسی کیفیت یہی رہے، تو بھی صاحبزادہ صاحب کو یہی افسوسناک منظر نظر آئے گا، کامیابی کا ذریعہ تعداد کی قلت و کثرت نہیں، بلکہ ایمان کا ضعف و شدت ہے،

کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ،

اس دفعہ کے مسلم یونیورسٹی کورٹ میں اسلامی تعلیم گاہوں کی طرف سے ایک رکن کا انتخاب پیش تھا، کسی غلط فہم دوست نے اس کے لئے دار المصنفین کے ناظم اور دار العلوم ندوہ کے معتمد (یعنی خاکسار) کا نام پیش کیا، اس پر انھوں نے بڑی کرامت یہ دکھائی، کہ اپنی تائید میں ۱۴ رائیں بھی حاصل کر لیں، لیکن اس کے بالمقابل علی گڑھ کے ایک نوجوان رئیس جو میرے ولی عزیز ہیں، انھوں نے ۱۸ رائیں پائیں، جن پر ان کو مبارکباد دیتا ہوں، لیکن اپنے دوستوں سے پوچھتا ہوں، کہ کیا انھیں یہ معلوم نہ تھا، کہ اس عہدہ کے استحقاق کے لئے وہاں کس شرط کی سب سے پہلے ضرورت ہے، اور وہ غریب ناظم دار المصنفین اور معتمد دار العلوم ندوہ کو کہاں حاصل۔

یہ خبر گو حیرت کے ساتھ نہیں، لیکن افسوس کے ساتھ سنی جائے گی، کہ مسلم یونیورسٹی کے اردو پروفیسر صدیقی صاحب نے "فلسفۂ ازدواج" پر ایک مضمون اپنے خاص ظریفانہ انداز میں نومبر ۲۳ء کے علی گڈھ میگزین میں لکھا تھا، جس میں موجودہ یورپین آداب و رسوم متعلقہ انسائیات کی تنقید اور شادی، پردہ، تعدد ازدواج وغیرہ میں اسلامی اصول کی تائید کی تھی، سنا ہے، کہ یہ مضمون بحق سرکار مسلم یونیورسٹی "ضبط" کیا گیا، اور لکھنے والے کو کوئی قانونی سزا دی جانے والی تھی، فرہ

قرارداد جرم یہ تھی، کہ اس مضمون سے "یورپین تمدن" کے خلاف ملک میں بغاوت کا اندیشہ ہے، یہ بھی روایت ہے کہ معارف کے شذرات ملزم کی طرف سے صفائی میں پیش کئے گئے، مگر گواہ نامعتبر ٹھہرا، اور آخر ملزم نے معافی مانگ لی، اور اس طرح کسی بڑی سزا سے بری کیا گیا، یہ اسپین کا مشہور علمی استبداد (انکویزیشن) آخر ہمارے اس قرطبہ اور غرناطہ میں کب تک جاری رہے گا،

ہندوستان کے علماء میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی (مصنف مالابدمنہ) کا جو رتبہ ہے، وہ عیاں ہے، قاضی صاحب کی تصنیفات میں ان کی عربی تفسیر مظہری سب سے زیادہ اہم ہے، لیکن وہ بوسیدہ اوراق کے پردہ میں نگاہوں سے مخفی ہے، مولوی سید محمد یامین صاحب میرٹھی مرحوم نے اس کی طباعت کا سامان کیا، لیکن کچھ اجزاء نکل کر کام رک گیا، اب ان کے صاحبزادے مولوی جمیل الدین صاحب نئے سرے سے اس کام کا آغاز کرنا چاہتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی مستقل جلدوں میں چھاپنا چاہتے ہیں، مگر مشکل سرمایہ کی ہے،

یہ مشکل اس طرح حل کی گئی ہے، کہ پانچ سو عربی اور پانچ سو اردو نسخوں کے خریداروں کی امداد حاصل کی جائے مولوی جمیل الدین صاحب ہر دو زبانوں کی پانچ پانچ سو درخواستوں کے وصول ہونے پر کام شروع کر دیں گے، امید ہے، کہ اہل علم قدردانی کا ثبوت دیں گے، اس سلسلہ کے متعلق ہر قسم کی مراسلت مولوی صاحب سے دار العلوم دیوبند (سہارنپور) کے پتہ سے کرنی چاہئے، ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک پارہ شائع ہوگا، اور ہر اشاعت کی قیمت عہ/ مع محصول ہوگی،

ہمارے صوبہ کے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کی ششماہہ کارناموں کی ایک فہرست چھپ کر شائع ہوئی ہے، اور ہمارے پاس پہنچی ہے، جنوری ؁۲۳ سے جون ؁۲۳ء تک کل ۲۵ پمفلٹ یا رسائل شائع ہوئے، جن کی فن وار تفصیل حسب ذیل ہے،

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ - روداد مجالس قانونی سرکاری | ۶ | ۵ - تعلیم | ۲ |
| ۲ - تردید ترک موالات | ۶ | ۶ - بالشویزم | ۱ |
| ۳ - ریفارمس یا اصلاحات | ۲ | ۷ - مشرق ادنیٰ و ٹرکی | ۱ |
| ۴ - ٹریٹوریل فوج | ۲ | ۸ - طب | ۱ |

۹ - حفظان صحت ۴، ۱۰ - جنگلات ۲،

۱۱ - زراعت، ۱، ۱۲ - سیاسی، ۶، ۱۳ - عام، ۳،

ان میں ہر رسالہ انگریزی، اردو اور ہندی تین زبانوں میں شائع ہوا ہے، انگریزی زبان میں علوم و مسائل کی ان ابتدائی ضروریات کے متعلق رسائل چھپوانے کی کوئی مصلحت سمجھ میں نہ آئی، کیا صوبہ متحدہ کے دیہاتی قصبوں میں کسی ایک متنفس کی بھی مادری زبان انگریزی ہے، علوم و فنون کی تقسیم سے ناظرین مرعوب ہو گئے ہونگے، مگر انھیں یاد کرنا چاہئے، کہ یہ علوم و عنوانات کے نام تو مختلف ہیں، مگر ان سب کا موضوع صرف ایک تھا، اور وہ ہر حیثیت سے موجودہ نظام حکومت کی مدح و ستایش، کاش پبلک خزانہ کی یہ لاکھوں کی رقم ملک میں صحیح علم کے نشر و اشاعت میں صرف کی جاتی، تو حکومت کا ملک کی گردن پر کتنا بڑا احسان ہوتا، مگر یہ سچ ہے، کہ اس سے پروپیگنڈے کی خدمت انجام نہ پا سکتی، (معارف ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۴ء)

(۲)

افسوس ہے کہ یہ نمبر پے در پے خانگی مصائب اور علالتوں کے باعث دو ہفتوں کی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے، شہر میں طاعون کی وبا پھیلتی جا رہی ہے، کہہ نہیں سکتے، کہ آئندہ پرچہ بھی وقت پر شائع ہو سکے گا یا نہیں، احباب سے توقع ہے، کہ اس تاخیر سے دلگیر نہ ہوں گے،

---

دسمبر کے معارف میں تنقید شعر العجم کے سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال اور پروفیسر اقبال کے تشابہ پر رسالہ اردو کو جو ہم نے ٹوکا تھا، اس نے اورنگ آباد سے لے کر علی گڑھ تک ایک آگ سی لگا دی، اڈیٹر صاحب کی خفگی تو بجا تھی، مگر مہتمم صاحب مطبع مسلم یونیورسٹی کی بوالفضولی سمجھ میں نہیں آئی، بہرحال معارف اور اردو کے شذرات ملک کے ارباب علم و فہم کے سامنے ہیں، اور وہ ان کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ ان دونوں میں کس کا معیار اخلاق بلند ہے، ہمعصر الناظر نے اردو کو اس کی اسی عامیانہ روش پر بیکار ٹوکا، کہ شاید مؤلف قواعد اردو اردو کی عامیانہ ضرب الامثال پر کوئی کتاب تالیف فرما رہے ہیں، اس لئے بے اختیار ان کی زبان قلم سے ایک منجھا ہوا فقرہ نکل آیا، معارف کے ایک معمولی لیکن ذرا سے شذرہ پر جیسے ملک کے متعدد اہل قلم کو باہمی الجھاؤ سے نجات مل گئی، اردو کی اس برافروختگی کو دیکھ کر ہم کو بے اختیار ہنسی آتی ہے، کہ وہ ایک معمولی گرفت سے اس قدر برہم ہے، اور ان لوگوں کو صبر و رضا و تسلیم کی دعوت دیتا ہے، جن کے

ایک بزرگ کو طعن و طنز، لہجہ کی درشتی، اور تجہیل کے ساتھ وہ مہینوں سے یاد کر رہا ہے، اور اس کا فیصلہ ہمعصر دلگداز اور النّاظر کے ثالثانہ فیصلوں سے ہو سکتا ہے،

---

امسال تعلیمی کانفرنس کے شعبۂ نمایش علمی کی .. تفصیلی روداد اب تک چھپ کر سامنے نہیں آئی، انتظار رہا، کہ اس مہتم بالشان نمایش کا جو یقیناً اسلامی ہندوستان میں اپنی حیثیت کا مکمل ترین علمی کارنامہ تھا، ایک مفصل روداد چھپ کر شائع ہوتی، تاکہ یہ نوادر روزگار جو اتفاق سے یکجا ہو گئے تھے، اور پھر بکھر گئے، ان کا قلمی تذکرہ تو کم از کم یکجا رہتا، شاید کانفرنس کی مطبوعہ علحدہ روداد میں اس کا ذکر آئے، اخبارات میں اس کے تذکرے بہت ناقص آئے، کانفرنس گزٹ میں بھی مجمل ہی ذکر رہا، بہر حال کانفرنس الہ آباد کی اور ندوہ کی بنارس کی علمی نمایشوں سے اس نمایش کی حیثیت بلند تر معلوم ہوتی ہے، صاحبزادہ صاحب نے مقامات قرآنی کے نقشوں پر خطبہ دینے کے لئے مجھے یاد فرمایا تھا، افسوس ہے، کہ یہ بے نشان خط (مقام کا نام چھوٹ گیا تھا) ڈیڈ لیٹر آفس میں پڑ کر بعد از وقت ملا، ورنہ میں خوشی سے اس کی تعمیل کرتا،

---

اہل فرنگ کی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے دعوے جب بلند آہنگی سے سنے جاتے ہیں، اس "طبل بلند بانگ" کی پیچ باطنی، تو ڈریپر کی تاریخ علم و دانش کے صفحات سے ہویدا ہے، مگر موجودہ عہد بھی اس کے نئے نئے نظارے پیش کرتا رہتا ہے، ابھی حال میں خبر آئی ہے، کہ امریکہ میں ایک پادری صاحب نے مسیحؑ کی غیر معمولی الوہیانہ ولادت کا انکار کیا تھا، عدالت میں ان پر مقدمہ قائم ہے، اسلام کی تنگ نظری تو ان تنگ دلوں کے نزدیک وسیع شہرت رکھتی ہے، لیکن آزادی کے ملک کے متعلق جو خبر ہے،

یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں،

(معارف ماہ فروری ۱۹۲۴ء)

(۳)

گذشتہ قیاس اور سابق اطلاع کے مطابق یہ نمبر بھی تاخیر کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اب موانع خدا کے فضل و کرم سے تمام تر رفع ہو گئے ہیں، کوشش بلیغ کی جا رہی ہے، کہ آیندہ حسب دستور اپنے وقت خاص پر رسالہ شائع ہوا کرے، الاتمام من اللہ، اردو پریس میں غلطیوں کی کثرت کہ ایک مرض عادی کی حیثیت سے ہے، چنانچہ ہماری پوری کوشش اور جد و جہد کیے

بعد بھی معارف کے ہر نمبر میں کچھ نہ کچھ غلطیاں رہ جاتی ہیں، خصوصاً اڈیٹر کی غیبت میں معارف کے چہرے کا یہ داغ اور زیادہ نمایاں ہوجاتا ہے، پچھلا نمبر بھی اسی نوعیت کا ہے، جن میں بعض غلطیاں اہم ہیں، چھپنے کے بعد جب یہ رسالہ ہمارے پاس پہنچا، تو قلمی اصلاح کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ بعض خاص نسخوں میں قلمی اصلاحیں بنادی گئیں، تاہم چونکہ تمام نسخوں کا بنانا آسان نہ تھا، اس لئے چند ہفتوں کے لئے اس تکلیف کا صبر سے ازالہ کیا گیا، کہ آئندہ پرچہ میں اغلاط کی تصحیح کردی جائے گی، چنانچہ پہلے صفحہ پر آپ کو تصحیح نامہ ملے گا۔

---

ہم کو اپنے دوست ڈاکٹر پروفیسر اقبال کی سلامت روی سے جو توقع تھی، وہ صحیح ثابت ہوئی، فروری نمبر میں ڈاکٹر صاحب کے جواب میں "شعر العجم اور عمر خیام" پر جو مضمون لکھا گیا تھا، اس کی رسید اور میرے نیاز نامہ کے جواب میں وہ ارقام فرماتے ہیں۔

"میں آپ کے خلوص نیت کی قدر کرتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ آپ بھی کسی قسم کی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دیں، میں نے اپنا مضمون (عمر خیام شائع شدہ رسالہ اردو) در اصل اشاعت کے ارادہ سے نہیں لکھا تھا، ورنہ اس کی عبارت اور ترتیب مختلف ہوتی، آپ نے اپنے مضمون سے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے، اور بدیں وجہ اہل زبان کو میری نکتہ چینی کا مشکور ہونا چاہیے، افسوس ہے کہ میں آج کل بہت مصروف ہوں، لیکن آئندہ بشرط فرصت اسی سلسلہ میں کچھ لکھوں گا، اس میں بھی کوشش ہوگی، کہ یہ تعمیری ہو تخریبی نہ ہو،"

ہم کو اپنے دوست کی اس کشادہ دلی کی پوری قدر اور ان کے احسان نظر اور حسن ظن کے شکریہ کا پورا احساس ہے۔

---

جامعہ علی گڈھ کے فروری نمبر میں مولانا ابو عبد اللہ السورتی معلم ادبیات عربی (جامعہ ملیہ) کا ایک مختصر و مجمل مضمون سیرۃ نبوی جلد اول (شائع کردہ دار المصنفین) کی تنقید پر شائع ہوا ہے، ہماری دلی تمنا تھی، کہ کوئی صاحب علم سیرت پر خالص علمی نظر سے تنقید لکھتے، مولانا سورتی اپنے ادبی اور رجالی معلومات کی بنا پر بیشک یہ استحقاق رکھتے ہیں، کہ جو کچھ وہ اس پر لکھیں، اس پر پوری توجہ کی جائے، سورتی صاحب نے اپنی اسی قسم کی یادداشت بہت زمانہ ہوا، کہ خود ہمارے پاس بھی بھیجی تھی، موصوف کا یہ مضمون سنہ ۱۳۳۶ھ کا لکھا ہوا ہے، جو اب سنہ ۱۳۴۲ھ میں چھ برس بعد نکلا ہے، اس مضمون میں دو ایک کے سوا باقی تمام تعقبات مطبعی غلطیوں اور سہو کاریوں پر مبنی ہیں، جن کی بحمد اللہ کہ آج سے دو برس پہلے جلد اول کے طبع دوم میں پوری احتیاط کے ساتھ تصحیح کردی گئی ہے، حضرت نقاد اگر ۱۳۳۶ھ کا لکھا ہوا مضمون سنہ ۱۳۴۲ھ میں شائع

کرتے وقت ۱۳۴۰ھ کی چھپی ہوئی سیرت پیش نظر رکھتے تو اس زحمت کے گوارا کرنے کی تکلیف ان کو نہ اٹھانی پڑتی،

والعصمۃ للہ وحدہٗ،

---

ہمارا خیال ہے، کہ سلطنت اور رعایا کے نقطۂ نظر میں ہر حیثیت سے اتحاد تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے یہ قرین صواب نہیں، کہ قومی تعلیم گاہوں پر جو دماغی قویٰ کے آزاد نشو و نما کا مقام ہے، سلطنت کے انتظام و اہتمام کی قید و بند عائد کی جائے، غیر قومی تو غیر قومی، قومی سلطنت بھی سیاسی اہل حل و عقد اور علمی و تعلیمی جماعت کے درمیان بھی غرض و غایت کا اتحاد ناممکن ہے، اس لئے تعلیم گاہوں کا حکمرانوں کے فیض قدم سے محروم ہی رہنا اچھا ہے،

---

قدیم اسلامی درسگاہوں کے نظام اور تاریخ پر جن کی نظر ہے، وہ جانتے ہیں، کہ اہل علم اور اہل تعلیم کس طرح اپنے دامن کو سلطنتوں اور درباروں کے الجھاؤ سے بچاتے تھے، آغاز اسلام سے تین سو برس تک کبھی کسی اسلامی درسگاہ نے کسی سلطنت کا مرہون منت ہونا پسند نہیں کیا، عربوں کے زوال کے بعد جب اہل عجم نے سب سے پہلے نیشاپور وغیرہ میں مساجد کی عمارتوں سے الگ مدارس کی عمارتوں کی بنیادیں ڈالیں، اور بالآخر پانچویں صدی ہجری کے بیچ میں نظامیہ قائم ہوا، تو اہل علم اور اہل سلطنت کے درمیان گوناگوں روابط اور تعلقات پیدا ہوگئے، لیکن آپ کو یہ معلوم ہے کہ آج ہم صدیوں سے جس نظامیہ کے وجود پر فخر کرتے ہیں، جب وہ قائم ہونے لگا، تو اہل علم نے بزم ماتم بپا کی، کہ آج سے علم علم کے لئے نہیں، بلکہ سلطنت اور جاہ پرستی کے لئے پڑھایا جائے گا، یہ خوف بالکل بجا ثابت ہوا، اور دنیا نے دیکھ لیا، کہ حق گو خطیبوں کے منبر تخت شاہی کے سامنے سربسجود اور رند عالموں کی دستاریں تاج شاہی کے آگے خاک آلود ہوگئیں، اور بے باک مفتیوں کے فتوے احکام شاہی کے روبرو تقویم پارینہ بن گئے،

مسلمانوں کی کہنہ اور فرسودہ تاریخ کا ذکر جانے دو، زندہ یورپ کی درسگاہوں کو دیکھو کہ جہاں سلطنت کے کروفر ہیں، وہاں علم کی سادگی نہیں، اور جہاں علم ہے، وہاں سلطنت کو دخل نہیں، لندن یونیورسٹی سرکاری ہے، مگر وہاں علم نہیں، اور آکسفورڈ اور کیمبرج میں علم ہے، تو سلطنت کی نگرانیوں سے آزاد یہی حال دوسرے ترقی یافتہ ممالک کا ہے،

آج یہ دونوں نظریے مجسم ہوکر علی گڑھ کی سرزمین میں نمایاں ہیں، ایک طرف مسلم یونیورسٹی کا ایوان اور دوسری طرف جامعہ ملیہ کا کاشانہ ہے، کروفر، دولت و جاہ، زیبائش و نمائش میں اگر پہلے کو دوسرے سے نسبت نہیں، تو روح حیات معنی اور مقصد میں دوسرے کو پہلے سے نسبت نہیں، اگر یہ سچ ہے، کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، تو ان دونوں درسگاہوں

کی معنوی زندگی کا اندازہ لگانا آسان ہے، دونوں جگہ کے طلبہ کی دماغی محنتوں اور کاوشوں کے ماہانہ نتائج کو ایک سرسری نظر سے بھی دیکھ لو، ایک جگہ سے علی گڑھ میگزین نکلتا ہے، اور دوسری جگہ سے جامعہ، پہلے کے چہرے پر تفریح خاطر، خوشی اور بے فکری کے آثار ہیں، تو دوسرے کے چہرے سے متانت، غور، محنت اور فکرمندی ظاہر ہوتی ہے، پہلا صرف ہنستا ہے، اور دوسرا فقط سوچتا ہے، یہ فرق حال دونوں درسگاہوں کی بنیادی غرض، غایت کے اختلاف کے سوا اور کس کا نتیجہ ہے۔

---

اسی قسم کی غلطی آج کل مصر میں کی جارہی ہے، اہل مصر کو اب سیاسی آزادی ملی ہے، اور ان کا سیاسی رہنما اب ان کی حکومت کا ملکی فرماں روا ہے، اسی اتحاد نے ان کو یہ دھوکا دیا، کہ اس سے پہلے جب حکومت اور ان کی قومی جدوجہد کے مرکز متحد نہ تھے، تو اس وقت جو چیزیں قوم نے اپنی ضرورت اور نقطۂ نظر سے قائم کی تھیں، وہ اب اس اتحاد قوم وحکومت کے بعد متحد کی جارہی ہیں، ان ہی میں مصر کا قومی جامعہ "جامعہ مصریہ" ہے، جو پہلے خالص غیر سرکاری یونیورسٹی تھی، اور اب مصر کی جو سرکاری یونیورسٹی بن رہی ہے، وہ اس میں منضم کی جارہی ہے، اہل مصر کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آج قوم اور حکومت کے مطمح نظر کی سطح جو یکساں معلوم ہوتی ہے، وہ ہمیشہ یکساں نہیں رہ سکتی، اور سعد پاشا زغلول سا آدمی ہمیشہ برسر اقتدار نہیں رہے گا، اور نہ کبھی حکومت کے سیاسی اور تعلیم گاہوں کے علمی اور تعلیمی مقاصد ایک ہوسکتے ہیں، اس لئے جس طرح دار العلوم کے بعد بھی جامع ازہر قائم ہے، جامعہ مصریہ امیریہ کے باوجود بھی جامعہ مصریہ قومیہ قائم رہ سکتا ہے۔

---

ہمارے پاس ہمایوں مرزا بیگم صاحبہ نے حیدر آباد سے ایک استفتاء بھیجا ہے، کہ مسلمان خواتین مردوں کی کانفرنسوں میں، مسجدوں کی جماعتوں میں، لڑائیوں کی صفوں میں شریک ہوسکتی ہیں، یا نہیں غالباً اس سوال کا منشا گذشتہ علی گڈھ ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر عورتوں کو شریک ہونے کی جو اجازت نہیں دی گئی، اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہے، معارف کے صفحات میں یہ حقیقت کئی دفعہ ظاہر کی جاچکی ہے، کہ تقلید فرنگ کے شوق میں نہیں بلکہ اصل اسلامی آداب کے اتباع میں مسلمان عورتیں ان میں سے ہر چیز میں شرکت کرسکتی ہیں، ان میں ہر جماعت اور ہر صف میں مردوں کے پیچھے عورتوں کی جماعت اور صف قائم کی جاسکتی ہے، اڈیٹر معارف کا رسالہ خواتین اسلام کی بہادری گو مختصر ہے، مگر مسلمان خواتین کے پچھلے کارناموں کا اچھا خاصہ مرقع ہے، اس میں خواتین سلف کے طرز عمل کو دیکھئے،

(معارف ماہ مارچ ۱۹۲۴ء)

سیرت نبوی جلد سوم کے ۵۰۴ صفحے چھپ چکے ہیں، اور ابھی سو سوا سو صفحوں کے قریب چھپنا باقی ہے، خیال تھا کہ اپریل تک چھپائی ختم ہو جائے گی، مگر یہ مشکل یہ آن پڑی، کہ سیرت کا کاغذ قسم اول ختم ہو گیا، اور لکھنؤ، بنارس، اور کلکتہ کے کاغذ فروشوں کے پاس ملتا نہیں، ایک مہینہ سے کوشش جاری ہے، مگر اب تک کامیابی نہیں ہوئی، اور کام رکا پڑا ہے،

---

ہمارے مخدوم مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے شاید بیس برس ہوئے، کہ ندوۃ العلماء کے اجلاس میں نابینا علما نام ایک رسالہ لکھ کر پیش کیا تھا، جس میں تاریخ و رجال کے ہزاروں صفحات الٹ کر کچھ ایسے علماء کے حالات فراہم کئے تھے، جو گو نور بصارت سے محروم تھے، مگر ان کے علم و بصیرت کی آنکھیں روشن تھیں، مگر اب حال میں احمد زکی پاشا مصری نے آٹھویں صدی کے ایک مصنف صلاح الدین صفدی کی تصنیف "نکت الہمیان فی نکت العمیان" کا پتہ لگایا، اور اس کو چھاپ کر شائع کیا ہے، یہ پوری کتاب جس کی ضخامت ۳۱۷ صفحات ہے، ۳۲۰ نابینا مشاہیر کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، واقعی حیرت کے ساتھ عربی کی اس ضرب المثل کی تصدیق کرنی ہوتی ہے، کہ کم ترک الاول للآخر یعنی اگلوں نے پچھلوں کے لئے چھوڑا ہی کیا ہے،

---

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن قدیم عربی کتابوں اور خصوصاً حدیث و متعلقات حدیث کی کتابوں کی اشاعت میں جو قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے، ان کا جواب ہندوستان تو کیا مصر و قسطنطنیہ بھی نہیں دے سکتے، اس کی مطبوعات کی تفصیل تو فہرست سے معلوم ہو گی، جو اس رسالہ کے ساتھ ہے، مگر اس وقت اس کی سب سے نئی کتاب مستدرک حاکم کا تذکرہ کرنا ہے، جو علم حدیث کی ہمیشہ ایک نادر تصنیف سمجھی گئی ہے، لیکن عام شائقین علم کا دست طلب کبھی اس تک پہنچ نہ سکتا تھا، دائرہ نے چند سال سے اس کی طرف توجہ کی ہے، اور اس وقت تک اس کی تین جلدیں شائع کر چکا ہے، اب صرف ایک جلد اس کی اور باقی ہے، اس عظیم الشان خدمت کے انجام پر دائرۃ المعارف کو جس قدر مبارکباد دی جائے وہ کم ہے، کہ اس نے اہل علم کے ہاتھوں میں احادیث و اخبار کا ایک بیش بہا ذخیرہ رکھ دیا ہے،

---

اس میں شک نہیں، کہ دائرہ کی چھپائی ٹائپ اور صحت نے ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس میں متعدد چیزوں کی

کمی محسوس ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ کاغذ اس سے اچھا لگنا چاہئے، دوسرے یہ کہ ٹائپ کے ابھرے ہوئے حروف کو برابر اور مسطح کرنے کا آلہ استعمال کرنا چاہئے، تیسری چیز جو سب سے اہم ہے، وہ کتابوں میں مفصل و متنوع فہرستوں کا اضافہ ہے جس کو انگریزی میں انڈکس کہتے ہیں، اور سنا ہے، کہ حیدرآباد کے وضع اصطلاحات کے محکمہ میں اس کا نام کشافچہ رکھا گیا ہے،

---

ہندوستان کی مرکزی حکومت مغلیہ کی تباہی کے بعد حکومت برطانیہ کا یہ احسان واقعی قابل تسلیم ہے، کہ اس نے ہندوستان کے متفرق اجزائے حکومت کو ایک متحدہ مرکزی حکومت کی صورت میں بدل دیا جس سے تمام ہندوستانی ایک قوم اور پورا ہندوستان ایک ملک ہوگیا، لیکن جہاں سیاسی حیثیت سے ہندوستانی ایک قوم اور ہندوستان ایک ملک ہوگیا، وہیں برطانوی طرز حکومت کی یہ ستم ظریفی بھی نہ بھولے گی، کہ اس نے اپنے استقلال و استحکام کیلئے ایک ایک فرقہ کو مستقل قوم اور ایک ایک صوبہ کو مستقل مملکت بنادیا جس کا نتیجہ یہ ہے، کہ آج ہندوستان میں ایک قوم نہیں، سیکڑوں قومیں آباد ہیں، اور یہاں ایک ملک نہیں، بیسیوں ملک قائم ہیں، اب جس راستہ پر صوبوں کے نظم و نسق کی گاڑی چلائی جارہی ہے، اس کا خاص منشا تو یہ ہے، کہ آگے چل کر ہر صوبہ ایک مستقل مملکت اور حکومت بن جائے، تاکہ کبھی متحدہ ہندوستان کا خواب بھی ہندوستان کو نظر نہ آئے، ہر جگہ ایک فرماں روا ہے، اور ہر جگہ الگ الگ اس کے وزرا ہیں، اور ہر صوبے کے الگ الگ حقوق ہیں، ہر صوبہ کے باشندے دوسرے صوبوں کے حقوق سے محروم ہیں، اور اس طرح ایک "پروونشلزم" کی بنیاد ڈالی جارہی ہے، اور یہ عین اس وقت جب یورپ کے مصلحین تمام دنیا کو ایک وطن بنانے کی کوششوں میں لگے ہیں،

---

خیر سیاسی حیثیت سے یہ کاروائی کچھ بھی ہو، لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ ان ہی جذبات کی ترقی اور نشوونما علمی اور تعلیمی صیغوں میں بھی دی جارہی ہے، ہر حلقۂ انتظام میں ایک ایک مستقل یونیورسٹی بنائی گئی ہے، اور یہ قدغن ہے، کہ اس یونیورسٹی کی چہار دیواری کا آدمی دوسری یونیورسٹی کے حدود میں داخل نہ ہونے پائے، صوبہ متحدہ کا باشندہ کلکتہ یونیورسٹی میں نہیں جاسکتا، بنگال کا آدمی پنجاب میں نہیں پڑھ سکتا، (الا بشروط) غرض اسی طرح ہر یونیورسٹی ایک مستقل اور علحدہ مملکت ہے، اب انتہا یہ ہے، کہ لکھنؤ میڈیکل کالج میں بہاری نہیں داخل ہوسکتے، اور بہار انجنیرنگ کالج میں پنجابیوں کو جگہ نہیں دی جاسکتی کیا یہی وہ مرکزی اتحاد ہے، جو برطانوی نظم و نسق کے زیر سایہ ہندوستان کو ملا ہے؟

خبر ہے کہ حضور وایسرائے کم از کم یونیورسٹیوں کی اس باہمی بے تعلقی اور بیگانگی سے بہت متاثر ہیں، اور شملہ کی چوٹیوں پر یونیورسٹی کے نمایندوں کو بلا کر ان کا باہم تعارف کرایا جائے گا، اور اس طرح دکھانے کے لئے دنیا کے سب سے اونچے پہاڑ پر ہندوستان کے علمی و تعلیمی اتحاد کی ایسی نمایشی عمارت کھڑی کی جائے گی، جو نظر تو سب کو آئے گی، مگر وہاں تک کوئی پہنچ نہ سکے گا۔

رحم اور غضب ان دونوں کیفیتوں کا یکجا تماشا دیکھنا ہو تو روس کی مملکت کو دیکھو۔ یہ جذبۂ رحم ہی تھا جس نے اہل روس میں امرا کی حکومت کے بجائے غربا اور مزدوروں کی حکومت کے قائم کرنے کی تحریک کی، مگر اس راہ میں غیظ و غضب، خونریزی و سفاکی، قتل و غارت کی کون سی شکل نمایاں نہیں ہوئی ہے، اس بے رحمی کا آخری منظر یہ ہے، کہ بالشویک روس اپنے ملک کے علما، اور پروفیسروں کی ایک کثیر تعداد کو پھانسی دینے کا حکم جاری کر چکا ہے، جن کا شاید قصور یہ ہوگا، کہ وہ علمی حیثیت سے بالشوزم کے نظریہ کو انسانیت کے لئے مفید نہ جانتے ہوں۔ فرانس کے اہل علم طبقہ نے اس بے رحمی کے خلاف صدا بلند کی ہے، اور چاہتا ہے، کہ دنیا کی تمام علمی برادری اس باب میں روس کے علمی خدمت گذاروں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرے۔

موجودہ تمدن کا یہ حال ہے، کہ سیاست اور پالٹیکس ہر چیز کے اندر داخل ہوگئی ہے، یہاں تک کہ اس کلیہ سے علم بھی مستثنیٰ نہیں، یہ فیصلہ مشکل ہے، کہ روس کی حکومت واقعی اس درجہ بے رحم ہوگئی ہے، یا یہ کہ فرانس دنیا کے علمی طبقہ کے سامنے روسی پروفیسروں کیساتھ رحیمانہ جذبات کی مشتعل کرکے خود اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے۔

دنیا کے کسی گذشتہ واقعہ کا ثبوت صرف شاہدوں اور گواہوں پر مبنی ہے، لیکن اگر گواہ و شاہد سچ نہ بولیں اور اظہار حقیقت پر آمادہ نہ ہوں، تو ان کو کس طرح سچ بولنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے، یا کس طرح ان کے اظہارات کی نسبت یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے، کہ وہ سچ ہیں یا جھوٹ، امریکہ کے موجدوں نے اس حقیقت کی بنا پر کہ انسان خواہ کسی قدر جھوٹا اور دروغ گو ہو جھوٹ بولتے وقت یقیناً اس کی نفسانی کیفیت اندرونی طور سے متاثر ہوتی ہے، جس کو وہ دباتا ہے، اور ابھرنے نہیں دیتا، یہ کوشش کی ہے، کہ کسی آلہ کے ذریعے اس کیفیت کو اس طرح نمایاں کیا جائے، کہ وہ دوسروں کو بھی نظر آجائے، اور معلوم ہو جائے، کہ جھوٹ ہے۔

اس قسم کے متعدد تجربوں کی خبریں آتی رہی ہیں، اب حال میں ڈاکٹر آر، ای، بادس نے دعویٰ کیا ہے، کہ انھوں نے

ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے، کہ جو مجرموں سے خود ان کی زبانی ان کے تمام جرائم کا اقرار کرالے گی، اور اس دوا کا خوف جرائم اور فریب کاریوں کے لئے سد باب ثابت ہوگا، انھوں نے اس دوا کا نام "روح صداقت" رکھا ہے، یہ دوا سوئی کے ذریعے سے مجرم کے بدن میں داخل کی جاتی ہے، جس کے اثر سے مجرم پر نیند غالب آجاتی ہے، لیکن اس کا حافظہ، قوت سمع، اور قوت تکلم، بیدار رہتی ہے، اس سے سوالات کئے جاتے ہیں، اور وہ ان کا صحیح جواب دیتا ہوا چلا جاتا ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس دوا کا مختلف اشخاص پر کامیاب تجربہ بھی کیا ہے،

---

اس خبر کو پڑھ کر بے اختیار ہم کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد آئی،

| | |
|---|---|
| اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یٰس) | آج (قیامت کے دن) ہم ان مجرموں کے منہ پر مہر کر دیں گے، (کہ جھوٹ بول نہ سکیں گے) اور ان کے ہاتھ ہم سے (سچی سچی باتیں) بولیں گے اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، |

---

امریکہ کی اس حیرت انگیز ایجاد پر لوگ بے چون وچرا ایمان لے آتے ہیں، لیکن جب اسی قسم کے ایمان کا مطالبہ ان سے کوئی آسمانی کتاب کرتی ہے، تو اندر سے ان کے دل تکذیب کے لئے بے قرار ہوجاتے ہیں، گراموفون اور فونوگراف کی بے جان لکڑیاں اور دھاتیں، اگر تم سے باتیں کرتی ہیں، تو تم کو یقین نہیں، کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کے ریکارڈ موسیقاء ازل کے ہاتھوں میں ایک دن ساز کی طرح بجیں گے، اور بولیں گے،

---

اس میں شک نہیں، کہ موجودہ تحریک سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کی یہ دلی خواہش تھی، کہ گورنمنٹ اوقاف اسلامی کی نگرانی اپنے ذمہ لے لے، چنانچہ مسلم لیگ نے اس کے لئے کچھ کوششیں بھی کیں، مولوی عزیز مرزا مرحوم کو گورنمنٹ کی طرف سے سنا ہے، اس وقت یہ جواب ملا تھا، کہ گورنمنٹ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی اور علاوہ ازیں پہلے اس کے لئے مسلمانوں کی متفقہ خواہش تو ظاہر ہونا چاہئے، اب یک بیک ۱۹۲۳ء میں ہم کیا دیکھتے ہیں، کہ مذہبی مداخلت کے خطرہ کا اور مسلمانوں کی متفقہ خواہش کے اظہار کا خیال کئے بغیر ایک قانون اوقاف تیار ہے، اور حکومت اپنی غایت کرم اور رعایا پروری سے اس کی نگرانی کو آمادہ ہے، یکایک اس انقلاب حال کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی،

مگر کل ڈاک سے ہمارے پاس علی گڈھ سے ایک مطبوعہ تحریر وصول ہوئی ہے جس میں یہ ہدایت ہے ۔ کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ " ہر جگہ جلسے کر کے گورنمنٹ کو تار دیں کہ اس جگہ کے مسلمان گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں ، کہ ۱۹۲۳ء کے قانون اوقاف کا اس صوبہ میں جلد سے جلد نفاذ شروع کر دیا جائے " ، اس تحریر سے تمام واقعات ہمارے سامنے روشن ہو گئے اور ہم نے " ڈلالوں " کے نام پڑھ کر " کمپنی " کے قیام کے اسباب معلوم کر لئے ، کم از کم اتنا فائدہ تو اس سے ہے کہ اس تدبیر سے حکومت موجودہ اور عام مسلمانوں کے درمیان جو رضامندانہ تعلقات نہیں ، یا ایک بے گانگی سی آگئی ہے ، اس عرض و معروض اور پیام و درخواست اور راز و نیاز کی تقریب سے کچھ نہ کچھ تو اس میں کمی آجائے گی ، اور باہمی حجاب کم ہو گا ، اور اسطرح ٹوٹے ہوئے روابط پھر جڑنے شروع ہو جائیں گے ،

اس میں شک نہیں کہ متولی اوقاف کی آمدنی کو ذاتی اغراض میں صرف کرتے ہیں مگر شاید اس اعتراض سے حکومت بھی بری نہیں خیال کی جائیگی ، جن اوقاف یا کورٹ آف وارڈس کی نگرانی حکومت کے ہاتھ میں ہے ، کیا ان کے محاصل گورنمنٹ پرستوں کی پرورش ، وفاداروں کے انعام و اکرام ، قرض ہائے جنگ اور دیگر ان مدوں میں صرف نہیں کر دی جاتی ، جن کیلئے حکام ضلع یا حکام صوبہ کے سرکاری بجٹ میں رقم نہیں ہوتی ، بصورت اثبات کیا یہ خوف بے محل ہے کہ اس کشادہ دستی کا رقبہ آئندہ وسیع سے وسیع تر نہ ہو جائے گا ، ذرا اس خطرہ کو تو دور کر دیجئے ،

بہر حال چونکہ یہ قانون صوبہ متحدہ کی کونسل میں ۴۵ رایوں کی موافقت سے منظور ہوا ہے ، اور صرف ۸ رائیں اس کی مخالفت میں تھیں ، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے ، کہ ملک کا جذبہ با ایں ہمہ سیاسی مشکلات و عوائق یہ ہے ، کہ وہ اوقاف کی بدنظمیوں سے اس قدر تنگ آگیا ہے ، کہ وہ ان کی نگرانی اور حفاظت کی ہر ممکن کوشش کرنے کے لئے آمادہ ہے ، بعض گوشوں سے اس قانون کی مخالفت کی بھنک بھی آرہی ہے ، مگر یہ وہی گروہ ہے ، جو اس قانون کے رو سے

مدعا علیہ ہے، یعنی متصرفین اوقاف مگر اس کی پروا نہ کرنی چاہیئے،

غریو عربدۂ واعظان تلخ نوا
زمستی است کہ در لقمہائے اوقاف است

(معارف اپریل ۱۹۲۴ء)

## (۵)

ایک انگریز پرست دوست نے لکھنؤ میں اثنائے گفتگو میں اردو اور انگریزی زبان کا باہم مقابلہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ دیکھئے اردو زبان اس قدر ذلیل اور فرومایہ ہے، کہ اسکے ذخیرہ میں گالیوں کا اتنا سرمایہ ہے، کہ شاید ہی کوئی مہذب آدمی اس سے بچ سکے، اس کے برخلاف انگریزی میں گالیوں کے لئے مطلق الفاظ ہی نہیں ہیں، میں نے کہا اس کی وجہ تو یہ ہے کہ آپ ہندوستان میں پیدا ہوئے، انگلستان میں پیدا نہیں ہوئے، آپ نے اردو کی مادری اور انگریزی کی علمی اور کتابی زبان سیکھی، علوم وفنون کی تصنیفات اور اہلِ قلم کی تحریروں میں یہ الفاظ کیونکر آسکتے ہیں، انہوں نے کہا آخر انگریزی ناولوں میں جن میں بازاری بول چال بھی ہوتی ہے، ایسے الفاظ نہیں ملتے، میں نے عرض کی، کاغذوں کی شکل میں جو بازاری بول چال ہے وہ تو پھر بھی اہلِ قلم کے نتائج فکری ہیں، اس بازاری بول چال کو بازاروں ہی میں کھڑے ہوکر سنئے تو فیصلہ کرسکتے، مگر بہرحال وہ میری تقریر سے خاموش نہیں ہوئے، اور مجھے ندامت ہوئی کہ میں ان کے سامنے کوئی مسکت دلیل پیش نہ کرسکا،

اس واقعہ پر کئی مہینے گذر چکے ہیں، کہ یکایک حکم الٰہی ہوا کہ انگلستان کی سب سے بڑی مہذب مجلس یعنی پارلیمنٹ میں لکھنؤ کی خاموش گفتگو کے لئے ثبوت بہم پہنچائے جائیں، چنانچہ اپریل ۱۹۲۴ء کی دو نشستوں میں پارلیمنٹ کے ارکان میں باہم سب وشتم اور گالیوں کا وہ مناظرہ ہوا، کہ اگر اس کی آدھی باتیں بھی ہندوستان کی کسی بڑی مجلس میں ہوتیں،

تو اینگلو انڈین اخبارات میں نیم مہذب ہندوستانیوں کے عدم قابلیت پر بیسیوں مضامین لکھے جاتے ہمارے دوست کو اب نظر آیا ہوگا، کہ انگریزی زبان بھی جو سب سے زیادہ دولت مند قوم کی زبان ہے، اور جس کا دنیا کے بازاروں پر قبضہ ہے، وہ بازاری طرز تخاطب کے سرمایہ سے تہی دست نہیں۔

---

تیسری صدی ہجری کے ایک محدث ابن جارود تھے، انہوں نے حدیث میں ایک مستند لکھی تھی، خیال میں بھی نہ تھا، کہ یہ کتاب ہندوستان میں چھپی ہوگی، لیکن یک بیک ڈاک میں حیدرآباد سے اس کا ایک نسخہ موصول ہوا، جو ۱۳۱۵ھ میں یعنی آج سے ۲۷ برس پہلے حیدرآباد کے ایک مطبع میں چھپا تھا، کتاب نہایت خوشخط با اعراب اور اچھی چھپی ہے، حاشیہ پر اس کی ہر ایک روایت حدیث کی جو دوسری کتابوں میں مذکور ہے، اس کے حوالے بھی ہیں، زیادہ تر اس میں سنن ہیں، اور اس کو درحقیقت سنن ہی کی کتاب سمجھنی چاہیئے، معلوم نہیں، اب تک یہ کتاب کس گوشہ میں پڑی رہی، کہ کسی مصنف اور صاحب علم کے حوالوں میں اسکے مطبوعہ نسخہ کا ذکر نہیں سنا، یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ اس کے اور نسخے موجود ہیں یا نہیں، ہمارے پاس یہ کتاب محکمۂ امور مذہبی سے غالباً آئی ہے،

(معارف ماہ مئی ۱۹۲۴ء)

## (۶)

گذشتہ ماہ کا سب سے بڑا علمی اور تعلیمی حادثہ سر آسوتوش مکرجی کی وفات ہے، بنگال کا یہ سپوت فرزند گو ایک نامور بیرسٹر، ایک قابل جج ہائی کورٹ، ایک بڑا مصنف، ایک مشہور ریاضی داں تھا، تاہم اس کی ناموری، قابلیت، بڑائی اور شہرت کا سب سے بڑا مظہر یہ تھا کہ اس نے تقریباً بیس برس تک ہندوستان کی سب سے بڑی درسگاہ کلکتہ یونیورسٹی پر بحیثیت وائس چانسلر سب سے عمدہ اور بہتر حکمرانی کی، ان کی اس تعلیمی فرماں روائی کا زمانہ

بنگال کی تعلیمی ترقی اور امتحانات کی وسعت اور یونیورسٹی کے انتظامات کی خوبی اور معاملات تعلیمی میں حکومت کے مقابلہ میں پوری قوت کے ساتھ اپنے حقوق کی حفاظت کے لحاظ سے ہندوستان کا تعلیمی عہد زریں کہا جاسکتا ہے، موصوف نے اپنے بست سالہ عہد فرماں روائی میں ثابت کردیا، کہ جہاں تک یونیورسٹی کا تعلق ہے، بنگال حکومت کی بیجا قیدسے آزاد اور خود مختار ہے، ۲۹ مئی سنہ ۱۹۲۴ء ان کی وفات کا دن بنگال کے دائرۂ تعلیم کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے،

---

جواز سود کے مسئلہ پر آج کل ہمارے چہل سالہ اصلاحی تحریکات کے مرکز علیگڈھ سے مسلسل مضامین اور رسائل شائع ہورہے ہیں، اس تحریک کا مرکز لوگ کہتے ہیں، کہ "سلطان جہاں منزل" ہے مگر مضامین رسائل کے عنوانات لوح اس کو "ولایت منزل" ظاہر کرتے ہیں، بہرحال اس پردہ کے پیچھے ہماری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ہے، تو اس کو سامنے آنا چاہیئے اور اگر نہیں ہے، تو اس کو علانیہ اپنی برأت ظاہر کرنی چاہیئے، یہ کیا ہے کہ

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں،

---

بہرحال اس تحریک کا مرکز جو بھی ہو، اور محرک کی نیت خیر محض ہی کیوں نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں، کہ اس کی بنیاد اول ہی کج رکھی جارہی ہے، صحیح صورت یہ تھی کہ محرک لین دین کی جن صورتوں کو ربا نہیں سمجھتے، ان کی پوری تفصیلات لکھ کر علمائے اسلام کے سامنے بطور استفتا کے رکھتے، وہ جو جوابات دیتے، وہ اصلی گرہوں کی کھول دیتے، ۱۳۲۶ھ میں مصر میں بھی یہ بحث ربا کی وبا پھیل تھی، وہاں اس کا علاج یہی کیا گیا، اور مجلس دار العلوم کے زیر اہتمام علماء، اور ارباب تعلیم جدید نے اس مسئلہ پر اچھے اچھے خطبے دیئے، جن کے دو مجموعے چھپ کر شائع ہوچکے ہیں

---

موجودہ سطح خاکی سے ہزاروں فٹ نیچے ایک تاریک دنیا کا پتہ چلا ہے، جہاں آتشیں چشمے، شاداب باغ، تیز دریا، زریں گنبد، اور حسیں تر قوس وقزح موجود ہیں، یہ عجائبات

ایک فرانسیسی حکیم ڈاکٹر ایڈورڈ نویڈ ہربل کی مردانہ کوششوں کے نتائج ہیں، وہ چالیس سالوں سے مسلسل اس اندرونی دنیا کی دریافت واکتشاف میں مشغول تھا، اس کا ایک خطرناک تجربہ فرانس کے دریائے انیل کی زیر آب سیر تھی، جہاں تک علم ہے، کسی انسان نے وہاں تک پہونچنے کی ہمت نہیں کی تھی، اس کے بعد وہ سرزک کے قریب سورنس سیاحت کے لئے روانہ ہوا، اور اسی سلسلے میں چشمۂ آتشی کا پتہ چلا، وہ رسیوں، سیڑھیوں موم بتیوں، دیاسلائیوں، ہتھوڑوں، چھریوں، حرارت نماؤں، بادپیمایوں، گیسوں اور دوسری چیزوں سے مسلح تھا، اپنی گردن کے گرد اس نے ایک ٹیلیفون کا ایک سلسلہ بھی لگا رکھا تھا، تاکہ بالائی دنیا سے خود اس کا سلسلہ منقطع نہ ہوجائے، کیا اب بھی ہم کو وما یعلم جنود ربک الا ھو، خدا کی مخلوقات کی فوج کو کوئی نہیں جانتا کا یقین آیا یا نہیں،

خواتین مجلس معلومات نے جو اعداد وشمار عورتوں کے کاموں اور پیشوں کے متعلق حاصل کئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے، کہ عورتیں نہایت ہی تیزی سے اب ان میدانوں میں بھی اتر رہی ہیں، جو صرف مردوں کے لئے مخصوص تھے، گذشتہ دس سالوں میں باربرداری کے پیشہ میں ان کی تعداد دگنی ہوگئی ہے، محرروں، مختصر نویسوں، ٹائپ کرنے والیوں، دائیوں اور ٹیلیفون پر کام کرنے والی عورتوں میں ان کی ۵۰۰۰۰ ہم جنسوں کا اضافہ ہوا ہے، تجارت صنعت، حرفت فن عمارت وغیرہ میں انہوں نے خاصی ترقی کی ہے، اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں بھی ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۱۰ء میں ان کی تعداد ۲۷۵ تھی، اور سنہ ۱۹۲۰ء میں ۶۵۲ ہوگئی، سرکاری رپورٹ مظہر ہے، کہ اس وقت ۸ ہوا باز، ۵۷ موجد، ۱۴۱ انجنیر ۱۳۷ پیمائش کرنے والی، ۲۰ حکام جنگلات اور ۲۵ مختلف فرائض ادا کرنے والی عورتیں موجود ہیں، یہ سچ ہے، کہ ان طریقوں سے ان خواتین کو دولت کا کچھ سرمایہ ہاتھ آیا، لیکن معلوم نہیں ان کو معصوم خانگی خوشیوں کا سرمایہ بھی ملا یا نہیں،

ریاست بڑودہ نے لازمی تعلیم کے جو خوشگوار نتائج حاصل کئے ہیں، وہ حکومت اور

ماہرین تعلیم دونوں کے لئے قابلِ غور و فکر ہیں۔ بڑودہ اور کاٹھیاواڑ ۱۲٫۷، غیر بڑودی کاٹھیاواڑ ۱۳ ا برطانوی گجرات ۱۵٫۶ اور ریاستوں کو نکال کر عام صوبہ کے تعلیمی اعداد ۹٫۷ ہیں۔ ریاست میں لازمی تعلیم صرف ۱۷ برس سے عالم وجود میں آئی ہے، اور ذیل کے اعداد اس کی مسلسل ترقی کے ثبوت ہیں،

| ریاست بڑودہ | | برطانوی گجرات | |
|---|---|---|---|
| سنہ | تعداد | سنہ | تعداد |
| سنہ ۱۹۰۱ء | ۹٫۸ | سنہ ۱۹۰۱ | ۱۲٫۵ |
| سنہ ۱۹۱۱ء | ۱۱٫۹ | سنہ ۱۹۱۱ | ۱۳٫۷ |
| سنہ ۱۹۲۱ء | ۱۴٫۷ | سنہ ۱۹۲۱ | ۱۵٫۶ |

یہ بڑودہ کی ۱۷ برس کی ترقی ہے، اس کا مقابلہ ہندوستان کی ڈیڑھ سو برس کی برطانوی حکومت سے کرو،

انسانی دماغ پر عجیب ترین تجربہ ان دنوں امریکہ کے بحری ہوائی اسکول میں کیا جا رہا ہے، اور اس تجربہ کے نتائج بھی جو کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہیں، کامیاب صورت میں حاصل ہو رہے ہیں، نوجوانوں کو لاسلکی طریقہ سے تعلیم دی جاتی ہے، وہ ریسیور کو کانوں سے لگا کر سو جاتے ہیں، اور ریڈیو کے ذریعہ ان کے اسباق ان کے دماغوں میں پہنچتے رہتے ہیں، صبح کو جب وہ بیدار ہوتے ہیں، تو ان کے اسباق ان کو مکمل طور سے یاد ہوتے ہیں، اس ایجاد نے اب صورت حال یہ پیدا کر دی ہے، کہ طلبہ اپنے کمروں میں آرام سے میٹھی نیند کے مزے لوٹتے ہوں گے، ریسیور ان کے کانوں میں لگے ہوں گے، اور پروفیسر اپنے لکچر ناقابل فراموش طریقہ سے ذہن نشین کرا رہے ہوں گے،

---

لیکن یہ کس قدر عجیب ہے، کہ ہم اس دنیا میں جب اپنا یہ سبق اس طرح پڑھا کریں گے، تو ہم کو کوئی تعجب نہ ہوگا، لیکن جب امتحان گاہ آخرت میں عمر بھر کا سبق دہرانا پڑے گا، اور سب

غلطیاں نگاہوں کے سامنے آجائیں گی،

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا
مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ
صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا
يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

(کہف - ۵)

اور اعمال نامہ کا کاغذ ہاتھوں میں دیا جائے گا، تو دیکھو گے، کہ مجرم جو کچھ اس میں لکھا ہے، اس سے ترساں اور لرزاں ہوں گے، اور کہیں گے، کہ اے خرابی ہماری! کیا ہے یہ لکھا، جس نے کوئی چھوٹی یا بڑی بات نہ چھوڑی، جس کو اس نے گھیر نہیں لیا ہے، اور دنیا میں جو کچھ کیا تھا، وہ وہاں سامنے پائیں گے، اور تیرا پرودگار کسی پر ظلم نہیں کرتا،

اور اس وقت اپنی دنیاوی غفلت کے عالم میں جو کچھ کیا دھرا ہوگا، وہ بھی حرف حرف یاد آجائے گا، تو اس کے لئے ابھی سے ہم کو منکرانہ تعجب ہے ،

(معارف ماہ جون ۱۹۲۴ء)

## (۷)

گذشتہ پرچہ میں علی گڈھ کی تحریک "جواز سود" کے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کیساتھ تعلق کا بعض لوگوں کی طرف جس شبہہ کا ذکر کیا تھا، اور جس سے مقصود صرف یہی تھا کہ کانفرنس اس سے تعلق یا عدم تعلق کا اعلان کردے، ہم کو خوشی ہے، کہ جناب نواب صدریار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی جنرل سکریٹری ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کے متعلق ہم کو حسب ذیل عنایت نامہ مرحمت فرمایا ہے،

> جواز سود کی بحث کے متعلق (معارف کا) نوٹ پڑھ کر افسوس ہے، جس چیز کا ثبوت بیانیے نہ ہو، اس کو زیرِ بحث لانے اور موردِ طعن بنانے کے لئے قیاسات سے کام لینا کہاں تک درست ہے، واقعہ یہ ہے، کہ جواز سود کی تائید یا اثبات سے کانفرنس یا سلطان جہاں منزل کو نہ کوئی تعلق ہے، نہ کبھی رہا، نہ مسئلہ کبھی کانفرنس میں زیرِ بحث آیا نہ آسکتا ہے، اس لئے کہ اس پر بحث کرنا شرع کا منصب ہے، نہ ایک تعلیمی کانفرنس کا، بہرحال جن رسائل وغیرہ کی اشاعت کا ذکر مذکورۂ بالا نوٹ میں ہے، ان سے کانفرنس کا کوئی تعلق نہیں، کانفرنس گزٹ میں بعض مضامین اس کی تائید میں ضرور چھپے ہیں، مگر وہ کانفرنس کی تجاویز یا آرا نہیں، بلکہ شخصی مضامین ہیں، اسی طرح مخالف مضامین بھی چھپیں گے، میں مولوی عبدالسلام صاحب کو لکھ چکا ہوں، حرمت سود میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں

میجر بی، ڈی باسو آئی، ایم، ایس نے ہندوستان خصوصاً بنگال میں یورپ کی عیسائی طاقتوں کے داخلہ، طرق کار، اور بالآخر نشو اور ترقی و استیلا کی ایک تاریخ انگریزی میں لکھی ہے[۱]، اس میں نہایت خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے، کہ یورپ نے ہندوستان کو طاقت و قوت اور ایماندارانہ فتوحات کے ذریعہ سے نہیں لیا، بلکہ چالاکی، ہشیاری، بدعہدی اور فریب سے اس مرغ زریں بال کو اپنے دام میں گرفتار کیا ہے، انگریز مورخین اور اہلِ قلم نے اپنی تبلیغی تاریخ نویسی کی تصویروں میں انگریزوں کو جس قدر ان کوششوں میں معصوم،

---

[۱] ایم، سی، سرکار اینڈ سنس پبلشرز کلکتہ سے ملے گی، قیمت صہ، کتاب کا نام یہ ہے،
"Riseof the christian power inindia"

نیک نیت، ایماندار، باوفا دکھانے کی کوشش کی ہے، وہ تمامتر مصنوعی رنگ آمیزی ہے، ٹائمز آف انڈیا بمبئی نے اپنی ۲۷ر جون کی اشاعت میں اس کتاب پر ایک بسیط تنقید شائع کر کے الزامات کی تردید کرنی چاہی ہے،

---

اس بحث کے متعلق دنیا کی حکومتوں کی تاریخوں کو نظر میں رکھ کر صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں، کہ انگلستان کے قبضۂ ہندوستان کی اصلی تاریخ وہ نہیں ہے، جو کل لکھی جاچکی، بلکہ وہ ہے، جو کل لکھی جائے گی، اور اس عکاسی میں وہی سب مسالہ استعمال ہوگا، جو انگریز مورخین نے تیموری سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان کی تاریخ کے ترتیب دینے میں استعمال کیا ہے، اگر یہ سچ ہے کہ عہد عالمگیری کی تاریخ اس لئے معتبر نہیں، کہ عالمگیر نے اپنے دربار میں تاریخ کا محکمہ توڑ دیا تھا، تو کیا یہ کہنا سچ نہیں کہ آج کی تاریخ بھی اس لئے معتبر نہیں کہ موجودہ حکومت کے قواعد طبع واشاعت کی ہمہ گیری میں اس عہد کی صحیح تاریخ ممکن نہیں، تاہم جیسے جیسے مورخین کا قلم زیادہ آزاد ہوتا جائے گا، عہد ماضی وحال کی تاریخی تصویر زیادہ روشن ہوتی جائے گی، اور مستقبل تاریخ کے محکمۂ عدالت میں سب گنہ گار برابر ٹھہریں گے، اور میجر باسو اس لئے قابلِ قدر ہیں، کہ انہوں نے اس محکمہ کے افتتاح کا آغاز کر دیا ہے،

---

پنجاب نے اردو کتابوں کی تصنیف وتالیف اور طبع واشاعت کے کام میں جو وسعت اور شہرت حاصل کی ہے، اگر اس کا قابلِ اعتراض حصہ حذف بھی کر دیا جائے، تو بھی اتنا کچھ باقی رہ جائے گا، جس کا جواب دوسرے صوبے نہیں دے سکتے، الہ آباد اور دہلی کے صوبے کہنے کو تو اردو کے مولد اور گہوارہ ہیں، لیکن اگر جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہو جائے، کہ اس ادعا کی عملی دلیل بمنزلہ صفر کے ہے، پنجاب کی اس ادبی ترقی کی کوششوں میں بڑا حصہ وہاں کی یونیورسٹی کا ہے، حالی اور آزاد کی ادبی کوششیں وہیں سے سرسبز ہوئیں، اردو تصنیفات پر انعام اور صلہ افزائی کا سلسلہ بھی وہاں برابر جاری ہے، انتہا یہ کہ مولانا شبلی کی شعرالعجم لکھی گئی لکھنؤ میں اور چھاپی گئی آگرے میں اور انعام ملا

## بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ابھی حال میں پنجاب یونیورسٹی نے سال رواں کی جن تصنیفات پر مصنفین کو انعامات دیئے ہیں، ان سے علاوہ ان کی بجا ہمت افزائی کے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ مستحق کتابوں کے انتخاب میں دیدہ وری اور ہنر شناسی کا پورا ثبوت دیا گیا ہے، مثلاً

| نام مصنف | نام کتاب | انعام |
|---|---|---|
| منشی محمد خلیل الرحمٰن صاحب لاہور | اخبار الاندلس (۳ جلدیں) | ایک ہزار روپیہ |
| پروفیسر برکت علی و پروفیسر منہاج الدین (اسلامیہ کالج پشاور) | ہیئت جدید (۳ جلدیں) | ایک ہزار روپیہ |
| ڈاکٹر حکیم غلام جیلانی صاحب لاہور | مخزن الجواہر | پانچ سو روپیہ |
| لالہ سدرشن | ایک ہندی ڈراما | پانچ سو روپیہ |

ان کتابوں پر معارف میں وقتاً فوقتاً تقریظ و تنقید ہو چکی ہے، اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ بالکل بجا انتخاب ہے،

سیرت جلد سوم کی اشاعت میں تاخیر کا باعث کاغذ کی کمیابی تھی، الحمدللہ کہ اب کاغذ دستیاب ہو گیا ہے، کتاب کی ضخامت ۶۰۰ صفحوں سے کم نہ ہوگی، ۵۰۰ صفحے چھپ چکے ہیں، اور اب سو صفحے باقی ہیں، امید ہے کہ ہم کتاب مذکور جلد از جلد شائقین تک پہونچا سکیں گے،

اب تک دار المصنفین کا پریس ہاتھ سے چلایا جاتا تھا، اور اب ناظرین یہ سن کر خوش ہوں گے، کہ مطبع نے اس حد تک ترقی کی ہے، کہ اس کی مشینیں اب انجن کی طاقت سے چلنی شروع ہو گئی ہیں، امید ہے کہ اس سے معارف اور کتابوں کی چھپائی میں زیادہ عجلت کی جا سکے گی،

دھولیا (خاندیس) کے اردو اسکول نمبر ۲ کے ایک مدرس مولوی شمس الدین نامی نے علامہ شبلی مرحوم کے رسالہ جزیہ کا مرہٹی ترجمہ، ایک مرہٹی رسالہ "مراہٹی شکشک" میں شائع کرایا تھا، اس کے جواب میں بیڑیکر صاحب ایک مرہٹہ نے ایک مضمون تحریر کیا ہے، مجیب نے

یہ دکھایا ہے کہ "جزیہ مسلمانوں کا ایک قابلِ نفرت فعل ہے" اور اس کے مقابلے میں "چھترپتی سیواجی مہاراج نے جو ممالک مفتوحہ پر چوتھ لگائی تھی۔ وہ قابلِ اعتراض نہیں" اگر بیڑیکر صاحب ممالک مفتوحہ کے بجائے "ممالک مغصوبہ" کا لفظ استعمال کریں تو ہم کو ان کے نظریہ کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، کیونکہ جو اپنے پیشہ کے لحاظ سے کل کا حقدار ہوچکا ہو، اگر وہ چوتھا حصہ لیکر ۳/۴ حصہ انسانوں کو بخش دیں وہ یقیناً قابلِ نفرت نہیں،

بیڑیکر صاحب نے اپنے اس مضمون میں لکھا ہے، کہ سیواجی نے عالمگیر کو ایک خط لکھکر جزیہ کے نقائص سے آگاہ کیا تھا، اور اس واقعہ کے لئے حوالہ "مسلمانی ریاست" نام ایک کتاب (ص۶۴۳ و ۱۱۷ مطبوعہ ۱۹۱۰ء) کا دیا ہے کیا ہمارے ناظرین میں مرہٹی داں اصحاب اس کتاب کی قدر و قیمت سے ہمیں آگاہ کریں گے؟

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے اس عرصہ میں دو نئی کتابیں شائع ہوئی ہیں، ایک مستدرک حاکم کی تیسری جلد جو تمام تر مغازی اور صحابۂ کرام کے سوانح، تراجم اور مناقب پر مشتمل ہے، صحابہؓ کے حالات میں ابن سعد کے سوا کوئی اور اساسی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی، الحمدللہ کہ اب یہ دوسرا ماخذ بھی سرکار نظام کی قدردانی کی بدولت چھپ کر منظرِ عام پر آگیا۔

دوسری کتاب ابن درید کی المجتنیٰ ہے، یہ گو حجم میں کم مگر ایک خاص لحاظ سے نہایت نادر ہے، کتب محاضرات المستطرف وغیرہ میں اقوال و امثال کا جواب ہے، تقریباً ان سب کا ماخذ یہی کتاب معلوم ہوتی ہے، مشہور ادیب و نحوی ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ نے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم خلفائے راشدین کے اقوال ماثورہ، حکمائے اسلام کے مواعظ اور حکمائے یونان کے حکم جمع کئے ہیں، چھوٹے چھوٹے فقرے موتیوں کی طرح جڑے ہیں، بہتر ہو اگر یہ کتاب عربی مدارس کی ابتدائی ادبی کتابوں کے نصاب میں داخل کرلی جائے، شکر ہے کہ اس کتاب کے شروع میں مصحح مولوی سید ہاشم صاحب ندوی کی طرف سے مصنف کی مختصر سوانح عمری بھی شامل ہے،

مگر ابھی تک ہماری ان گذارشوں پر پوری توجہ مبذول نہیں ہوئی، جو ہم نے گذشتہ پرچہ میں دائرۃ المعارف کی مطبوعات کی نسبت پیش کی تھیں، ضرورت ہے کہ کاغذ اور چھپائی کی عمدگی کے ساتھ دائرہ کے مطبوعات کے معنوی محاسن میں بھی ترقی کی جائے، جن میں حسب ذیل چیزیں نہایت ضروری ہیں، انڈکس، مختلف نسخوں کی بہم رسانی، اور مقابلہ، نسخۂ مطبوعہ کی کیفیت اور اسکی ضروری خصوصیت کا اظہار، جہاں جہاں نسخہ ناقص ہو، اس کا وہیں حاشیہ میں اظہار یا بیاض چھوڑنا، مصنف کی سوانح عمری اور اس کی دیگر تصنیفات کا ذکر،

ہمارے ان مشوروں کے حق بجانب ہونے کے متعلق ابھی چند عملی شواہد بھی ہم کو ہاتھ آگئے ہیں، سیر کے تعلق سے آج کل کتب دلائل و معجزات زیر نظر ہیں، علامہ سیوطی نے خصائص میں اکثر ابونعیم کے دلائل کے حوالے دیئے ہیں، لیکن جب دلائل ابی نعیم مطبوعہ دائرۃ المعارف میں ان کو تلاش کیا، تو کہیں بھی نہیں ملے، سخت سرگردانی رہی، بالآخر اس مطبوعہ نسخہ کے خاتمۃ الطبع نسخہ کی چند سرسری سطروں پر نظر پڑی، تو اس میں تسلیم کیا گیا تھا، کہ اس کا اصلی نسخہ جابجا سے ناقص تھا، حالانکہ یہ اس قدر اہم بات تھی، کہ کہیں لوح پر یا ابتدائی دیباچہ میں نمایاں طور سے اس کی تصریح ہونی چاہیئے تھی،

اسی طرح سنہ ۱۹۱۴ء میں دائرہ کی طرف سے ایک نادر کتاب کتاب الازمنہ والامکنہ شائع ہوئی ہے، اس میں اس کے مصنف کا نام نہیں، صرف کنیت اور سال تصنیف سنہ ۴۵۳ مذکور ہے، مصنف یا نسخہ کے متعلق اور کوئی تخصیصی تذکرہ کہیں ثبت نہیں کیا گیا ہے، آخر میں جو تقریظ ہے وہ طویل حمد و نعت، توصیف و تعریف اور حاجی خلیفہ پر ایک لغو اعتراض پر مشتمل ہے، اور بس، چند مہینے ہوئے کہ حیفا (شام) کے ایک فاضل عبداللہ مخلص نے دمشق کے علمی رسالہ المجمع العلمی العربی میں دائرہ کے اس مطبوعہ نسخہ پر ایک تقریظ لکھی، اور اس پر طنز کیا، کہ مطبوعہ نسخہ کے ناشر و مصحح نے مصنف کا نام تک بھی نہیں لکھا، اس پر پروفیسر بروکلمن (مصنف تاریخ ادبیات عرب) نے لکھا، کہ یہ مصنف غیر معروف نہیں ہے، اس کا نام احمد بن محمد بن حسن مرزوقی ہے، اور اسکا حال

یاقوت نے معجم الادبار (جلد ۲ ص ۱۰۳) میں لکھا ہے، اور اس کی تین اور کتابیں موجود ہیں، ایک شرح حماسہ جس کے نسخے برلن، لندن، قاہرہ، اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں ہیں، دوسری شرح مفضلیات، اس کا نسخہ صرف برلن میں ہے۔

لیکن مشکل یہ آن پڑتی ہے، کہ احمد بن محمد بن حسن ابو علی مرزوقی اصبہانی کی تاریخ وفات یاقوت نے ۴۲۱ھ لکھی ہے، ایسی حالت میں ۴۵۳ھ تصنیف کی تاریخ کیونکر ہو سکتی ہے، یہ تاریخ اسی نسخۂ مذکور کے خاتمہ سے منقول ہے، جو حسب ذیل ہے، میں نے اس سے پنجشنبہ کے روز دوپہر کے وقت ۱۳ر جمادی الآخرہ ۴۵۳ھ کو فراغت پائی، اب یا تو یہ طے کیا جائے، کہ یہ خاتمہ کی عبارت مصنف کی نہیں، ناسخ کی ہے، جو تصنیف سے فراغت کی تاریخ نہیں، بلکہ اس کی نقل سے فراغت کی تاریخ ہے، یا یہ کہا جائے، کہ یاقوت نے ابوزکریا۔ یحییٰ بن مندہ کی روایت سے مرزوقی کی جو تاریخ وفات نقل کی ہے، وہ غلط ہے، ایک شامی فاضل کی رائے ہے، کہ یاقوت کی کتاب میں جو ۴۲۱ چھپا ہے، یہ شاید ۴۶۱ ہے، ۶ الٹ کر ۲ چھپ گیا ہے، بہرحال دائرہ کے نسخہ پر اس وقت مناظرہ دائر ہے،

دار المصنفین کے قیام کو نواں سال ہے، اس نے اس مدت میں ملک وقوم اور علم وفن کی جو کچھ خدمت کی، اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں، لیکن اتنا ہر شخص کو معلوم ہے، کہ یہ بھی منجملہ قومی خدمتوں کے ان مرکزوں کے ہے جو ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہیں، اس وقت ملک میں جس قدر جماعتی قومی کام ہیں، وہ سب قومی چندوں سے چل رہے ہیں، لیکن الحمدللہ کہ دار المصنفین ایک ایسا قومی مرکز ہے، جس نے کبھی عام چندوں کے لئے ہاتھ نہیں پھیلایا، اس وقت اس کے مطبع، دار التصنیف، دار الاشاعۃ، تعمیرات، کتب خانہ وغیرہ شعبوں پر تقریباً چالیس ہزار سالانہ کا خرچ ہے، جن میں سے تین ہزار چھ سو سرکار نظام اور دو ہزار چار سو سرکار عالیہ بھوپال سے سالانہ مرحمت ہوتے ہیں، باقی ۳۴ ہزار سالانہ کے اخراجات دار المصنفین خود اپنے ہاتھ سے پیدا کرتا ہے، لیکن چونکہ ہر سال مصارف کی ترقی اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے

کاغذی سرمایہ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس لئے اب ضرورت پیش آئی ہے، کہ ہم اپنے قدردانوں اور علم و فن کے جوہر شناسوں کے سامنے اپنا دردِ دل پیش کریں، لیکن اسکے علاج کے لئے یہ نسخہ مطلوب نہیں کہ آپ چندوں سے ہماری مدد کریں، بلکہ جو کچھ ہم آپ سے چاہتے ہیں، وہ صرف یہ ہے کہ آپ معارف کے خریداروں کے اضافہ اور دار المصنفین کے مطبوعات کی اشاعت اور خریداری کی طرف اپنے حلقۂ احباب کو متوجہ کریں، کہ یہ علم و فن کی اشاعت اور ایک قومی مرکز کی اعانت ہے، فہرست مطبوعات صرف ۱ر کے ٹکٹ موصول ہونے پر مرسل ہو سکتی ہے

(معارف ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۴ء)

## (۸)

مولوی راشد الخیری صاحب نے جن کی زنانہ مسائل و اصطلاحات کے ساتھ دلچسپی قابلِ تحسین و آفریں ہے، اخبارات میں "خلع اور ارتداد" کے عنوان سے ایک ضروری بحث سامنے کر دی ہے، ہم نے معارف سنہ ۱۹۱۷ء میں "ہندوستان میں مسلمانوں کے امور مذہبی کی تنظیم" پر ایک مقالہ لکھا تھا، جس میں دکھایا تھا، کہ ان ضرورتوں کے پورا کرنے کی صُورت بجز اس کے کچھ نہیں، کہ ہندوستان میں عہد برطانی کے قبل صدارت کے نام سے جو عہدہ تھا، اور نیز دیگر اسلامی ملکوں میں آج تک خواہ وہ خود مختار ہوں، یا کسی دوسری مسیحی سلطنت کے ماتحت مشیخۃ اسلامیہ کے نام سے جو عہدہ ہے، اس کو ہندوستان میں قائم کیا جائے، مگر اس وقت چونکہ ترک موالات کی خلیج بیچ میں حائل نہ تھی، اس لئے اس کی تنفیذی قوت (اکزکیٹو پاور) کے لئے حکومت موجودہ کی اعانت اور توثیق کی خواہش کی گئی تھی، اب اگر حالات میں کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے، اور مسلمان اس فرق کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، تو خود انکا اخلاقی، اور معاشرتی دباؤ، اس کی تنفیذی قوت کا کام دے سکتا ہے،

---

خلع کا مفہوم یہ ہے، کہ اگر عورت کسی سبب مناسب سے شوہر سے علحدگی چاہتی ہے،

تو وہ قاضی کے روبرو اپنے مقدمہ کو پیش کرے، اور شوہر کا کل دین مہر یا اس کا کچھ حصہ جو طرفین کی باہمی رضامندی سے طے پا جائے، واپس کرکے آزادی حاصل کر سکتی ہے، اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ خلع کا دباؤ آج قرون اولیٰ سے زیادہ مسلمان شوہروں کو عدل وانصاف پر آمادہ کر سکتا ہے، پہلے اول تو دین مہر کی مقدار اس قدر زیادہ نہیں ہوتی تھی، دوم عموماً شوہر اپنے اس فرض کو فی الفور ادا بھی کر دیتے تھے، اس لئے وہ نسبتہً خلع کا معاملہ پڑنے پر ہلکے رہتے تھے، اور اب دین مہر کی تعداد عموماً ایسی ہوتی ہے، کہ جس کا ادا کرنا ..... مشکل ہوتا ہے، اور وہ مہر معجل بھی نہیں ہوتا، اس لئے اب اگر مسلمان عورت خلع کا دعوی کرے تو شوہروں کو اس سے عہدہ برآ ہونا سخت مشکل ہوگا، اور اس لئے وہ اس سے عدل وانصاف پر زیادہ مجبور ہو سکتے ہیں، کہ پہلے ان کو دین مہر ادا کرنا ہوگا، اس کے بعد وہ اس کو پورا یا اس میں سے کچھ واپس لے سکتے ہیں، ممکن ہے کہ پہلے مہر ادا کر دینے کی شرط پر بعض علماء اختلاف کریں، اس لئے اس کو بھی صاف کر لینا چاہئے۔

اس مسئلہ کے ضمن میں تنظیم کا خیال بھی آیا، ہم نے ابھی معارف کے جس مضمون کا حوالہ دیا، اس کو پڑھنے سے معلوم ہوگا، کہ اس کے لکھنے کا زیادہ تر محرک مسلمان عورتوں کی اسی مظلومیت کا مسئلہ تھا، کہ عورت اگر فسخ نکاح کا دعویٰ کرنا چاہے، تو وہ کیا کرے کس کی عدالت میں جائے، کس قاضی کے سامنے اپنے مقدمہ کو پیش کرے، غیر مسلم عدالتوں میں رجوع کرنے سے رہی، کوئی اسلامی طاقت ہمارے ہاتھ میں نہیں، ایسی حالت میں سوائے مسلمانوں کی تنظیمی قوت کو مضبوط کرنے اور اس کی عدالت کو با اختیار و صاحب تنفیذ بنانے کے چارہ کیا ہے۔

آج کل مجلس خلافت کی طرف سے تنظیم کی تحریک جاری ہے، اور پنجاب میں ہمارے دوست ڈاکٹر سیف الدین کچلو اس کے متعلق کچھ کر بھی رہے ہیں، اور اسی لئے انہوں نے امرتسر سے روزانہ تنظیم نامی ایک اخبار بھی شائع کیا ہے، لیکن جیسا کہ اس اخبار میں شائع شدہ خط کے اندر ہم نے لکھا ہے، کہ تنظیم کا تخیل اور دائرہ بھی ابھی کچھ اور اونچا ہونا چاہیے،

سب سے پہلی بات یہ ہے، کہ مسلمان کسی ایک شخص یا ایک مجلس کی اطاعت کا حلف اٹھائیں اور اس طرح خلافت کی اصل روح کو زندہ کریں۔ اسی سے تنظیم کا ہر شعبہ درست ہو سکتا ہے، اور خلع اور فسخ نکاح اور طلاق اور عدم ادائے نفقہ اور اوقاف اور مکاتب اور تحصیل زکوٰۃ کا تمام نظام پورا ہو سکتا ہے۔ اور مسلمان اس ملک میں ایک منظم طاقت بن سکتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ آل انڈیا کا تخیل چھوڑ کر پہلے ایک صوبہ میں اس کام کو شروع کیا جائے۔ پنجاب سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم صوبہ ہے، کیا ہم امید کریں کہ وہ پہلے صرف اپنے.... کو کسی ایک شخصیت یا جمعیت کے ہاتھ میں دے کر اور خود کو اس طرح منظم کر کے۔ دوسکر صوبوں کے لئے نمونہ پیش کرے گا،

---

صوبہ بہار میں کئی سال سے امارت شرعیہ اسی اسلوب پر قائم ہے۔ اور ہم خوش ہیں، کہ اگرچہ وہ اب تک اپنے منتہائے مقصد کو نہیں پہونچی ہے، تاہم اس کی بدولت بہار کی اسلامیت پہلے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور مسلمانوں میں کچھ ان کے مذہبی احکام رواج پا رہے ہیں، مگر ضرورت ہے کہ عام مسلمان اور زیادہ اس کی اطاعت کا ثبوت دیں۔ اور امارت کے اولو الامر اپنی نظر میں اور زیادہ وسعت اور رواداری پیدا کریں،

---

مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہے وہ اطاعت کی کمیابی ہے، اور اسی سے ہمارا تمام نظام درہم برہم ہے، حالانکہ ہم ہی کو یہ حکم تھا کہ اپنے افسروں کی سنو اور اطاعت کرو، وَلَوْکَانَ عبداً حبشیا (اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو) دریا کو قطرہ قطرہ کر دو تو دریا فنا ہو جائے گا، پھول کی ایک ایک پنکھڑی نوچ ڈالو تو گلدستہ نہ ہو گا۔ جانور تک اپنے گلے اور غول رکھتے ہیں، پر حیف ہے انسان پر کہ اس کی کوئی جمعیت اور تنظیم نہ ہو،

---

یہ صحیح ہے کہ اسلام نے شخصیت پرستی کو فنا کیا ہے اور جمہوریت کی بنا ڈالی ہے؛ مگر غلطی نہیں کرنی چاہیئے، کہ اسلام کی ریاست نہ آزاد جمہوریت اور نہ مطلق العنان شخصیت ہے

بلکہ "مقید شخصی جمہوریت" ہے، ایک شخص کے انتخاب میں تم پوری آزادی سے رائے دو اور اس کا انتخاب کرو، اس کے بعد اس کے ہاتھ میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ دے دو، کہ وہ اس کے مطابق چلے، اور تم کو چلائے، جہاں کتاب و سنت واضح نہ ہوں، قیاس و اجماع و شوریٰ سے اس کو طے کرے، اس کی غلطیوں پر تم کو ٹوکنے کا حق ہے، لیکن اس کے ایسے فرمان سے جو کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں، تم کو سرتابی کا حق نہیں، یہی "مقید شخصی جمہوریت" ہے۔

---

کس قدر افسوس کا مقام ہے، کہ شدھی اور سنگھٹن سے لڑتے لڑتے اب علماء بھی آپس میں لڑنے لگے، اور چار پانچ برس کی خاموشی کے بعد اب پھر وہی "ستیز ازلی" عود کر رہی ہے، ایک طرف بمبئی سے آواز آتی ہے، کہ یہ وہابی ہے، اور یہ مقلد ہے، اور یہ غیر مقلد ہے، فلاں انجمن تبلیغ وہابیت پھیلا رہی ہے، اور فلاں حنفیت مٹا رہی ہے، "تقویۃ الایمان" نام کتاب کی اخبار میں تعریف کیوں ہوئی، یہ تو کفر اور بد عقیدگی کی تعلیم دیتی ہے، اور مردوں کو پکارنا، قبروں سے حاجت مانگنا، نذر و نیاز و فاتحہ کرنا اور غیر خدا کا توسل، سب کو شرک و کفر بناتی ہے،

---

ادھر تو یہ تنگی ہے، ادھر پنجاب میں یہ وسعت ہے، کہ غیر محتاط اہلحدیث ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی جائز رکھتے ہیں، آگے بڑھ کر اہل القرآن نام کا امت مسلمہ کا فرقہ زندہ ہوا ہے جو انبیاؑ و صحابہؓ کو بھی نادان و نافہم بنا رہا ہے، اور چودہ سو برس کے عمل متواتر اور علم یقین کو خرافات کہہ رہا ہے، احمدی تحریک نبوت کا خاکہ اڑا رہی ہے، اب ایک "مشرقی نژاد" امرتسر میں پیدا ہوئے ہیں، جو عقائد قلب اور ایمانیات سے قطع نظر صرف چند اعمال تنظیم اطاعت امیر، تحصیل علوم وغیرہ کو اسلام صحیح و کامل بتاتے ہیں، اور فرائض کی ایسی تاویل کرتے ہیں، جس سے نماز اور روزہ کی بھی تکلیف نہیں رہتی۔ انا للہ

---

مشرقی صاحب نے جو مشرقی اور مغربی دونوں علوم کے علامہ ہیں،

اپنے عقائد کی تشریح میں تذکرہ نام ایک کتاب کی پہلی جلد بہت دھوم دھام اور تزک و احتشام سے شائع کی ہے، اور دھمکی دی ہے، کہ یہ کتاب دس جلدوں میں لکھوں گا، شروع میں ڈیڑھ سو صفحوں کا عربی مقدمہ ہے، جس کی زبان نہایت غلط، سلط، اور مضحکہ انگیز ہے، معلوم نہیں جب عربی پر قدرت نہیں تھی، تو اس میں لکھنے کی حاجت کیا تھی، اردو صفحات بھی خاصے ضخیم ہیں، فلسکیپ سائز کے کئی سو صفحے ہیں، مگر عبارت زیادہ تر غیر مفہوم، مکرر اور حشو و زوائد سے پر معمولی سی بات کو صفحوں میں ادا کیا ہے۔

مشرقی صاحب کی تحقیقات عالیہ کا ایک نیا شگوفہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے جس جنت کا وعدہ کیا ہے، اور جس دوزخ کی وعید کی ہے، ان سے مقصد اسی دنیا کی جنت اور اسی دنیا کی دوزخ ہے، ترقی، فلاح، سلطنت اور حکومت یہ تو یہاں کی جنت ہے، اور تنزل غربت مفلسی یہ یہاں کی دوزخ ہے، اس میں شک نہیں، کہ اس دنیا کے فوائد اور نقصانات بھی ہمارے اعمال کے نتائج اور عواقب ہو سکتے ہیں، اور ہیں، اور قرآن پاک میں اس کی تصریحات ہیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں، کہ قرآن پاک کی صریح تحریف کر کے ہم یہ عقیدہ ثابت کریں، کہ جنت و دوزخ کے وہ تمام اوصاف جو قرآن پاک میں آخرت اور بعد موت کے واقعات کی حیثیت سے مذکور ہیں، وہ اسی دنیا میں ہیں، اور وہ سب یہیں موجود ہیں،

اگر یہیں یہ جنت ہوتی، تو صحابۂ کرام اپنی جانیں دے کر کیا اس کو کھوتے یا پاتے، جب انسان نے آنکھیں بند کر لیں، تو اس دنیا کی جنت اس کے کیا کام آسکتی ہے، جس کے حصول کیلئے وہ سعی و کوشش کرتے، اعمال انسانی میں خلوص اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا، جبتک مابعد الموت کی سزا و جزاء پر اس کو یقین کامل نہ ہو، چودہ سو برس سے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے اور آج اس کے خلاف ایک مغربی التعلیم مشرقی کی زبان سے آواز بلند ہوتی ہے،

اصل یہ ہے کہ ہم اہل ایشیا یورپ کی قوت و طاقت، سلطنت و حکومت، اور عیش و آرام سے اس قدر مرعوب اور مبہوت ہو گئے ہیں، کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کہ ہم کیوں کر ان کو حاصل کریں، اور سمجھنے لگے ہیں، کہ یہی ان کی جنت ارضی یعنی مضبوط سلطنت، وسیع مستعمرات،

آراستہ مکانات، خوبصورت سامان، قیمتی لباس، امیرانہ سواریاں، لذیذ الوان نعمت، یہی اصل چیزیں ہیں، انہی کے حصول کے لئے ہم پر قرآن نازل کیا گیا ہے، نمازیں فرض کی گئی ہیں، روزے واجب ہوئے ہیں، اعمالِ نیک کی تاکید کی گئی ہے، یہ اگر نہیں تو کچھ نہیں، افسوس ہے کہ ان پر جو فانی کی تلاش میں باقی کو بھول جاتے ہیں،

ہمیں اس سے انکار نہیں، اور نہ اس سے کسی مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے، کہ تعلیمات قرآنی پر صحیح طور پر عمل کرنے سے اس دنیا کی نیکیوں کے ساتھ ہم کو اس دنیا کی نیکیاں بھی ملیں گی، مگر اس کا مطلب نہیں، کہ یہی دنیاوی زندگی تمامتر ابدی زندگی ہے، اور اسی کے عیش و آرام کے لئے سب کچھ کرنا چاہیئے،

## فانیٰ توفکون

یہ کتاب مطبع روزنامہ وکیل امرتسر میں بہت حسن و خوبی کے ساتھ طبع ہوئی ہے، ایک زمانہ تھا، کہ وکیل امرتسر اور اس کا مطبع پنجاب میں اسلام کے صدق و حقیقت کے داعی تھے، آج یہ کیا ہے کہ چھپائی کے چند روپیوں کے منافع کے لئے ایسی گمراہ کن کتاب جس کے نتائج خدا جانے مسلمانوں میں کیا کیا پیدا ہوں گے، چھاپ دی جاتی ہے، کیا ولا تعاونوا علے الاثم والعدوان (گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو) کا یہی مطلب ہے،

اسلام کی سیزدہ سالہ زندگی میں سینکڑوں باطل فرقے پیدا ہوئے، جن کے ناموں کی تفصیل سے کتب ملل و نحل بھری پڑی ہیں، ان کے بانی مصنف تذکرہ سے بھی زیادہ اپنے اپنے وقت کے حکیم اور فلسفی تھے، مگر آج ناموں کے سوا ان کے کاموں کا کوئی حصہ اور ان کا کوئی عملی وجود باقی نہیں، اسی طرح یہ نیا مذہب بھی اس سے زیادہ ثابت نہ ہوگا، جس قدر سمندر کی سطح پر حباب اما الزبد فیذہب جفاءً۔

اور ہاں اس جدید فرقہ مشرقیہ کی ایک نئی تحقیق اور بھی قابل ذکر ہے، اس کو بہت

زور سے ثابت کیا ہے، کہ اصلی مسلمان اہلِ یورپ ہیں، جن میں قومی ہمدردی، تحصیل علوم کا شوق اور حسن تمدن وغیرہ، وہ تمام اصول عشرہ پائے جاتے ہیں، جو دنیاوی ترقی کے لئے ضروری ہیں، اور جو اصل اسلام ہیں، باقی جن قوموں میں یہ رسمی اسلام یعنی صرف توحید وغیرہ ایمانیات اور ظاہری اعمال، نماز، روزہ وغیرہ کا وجود ہے، یہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں،

اس کتاب میں سب سے زیادہ غیظ وغضب کا اظہار طبقۂ علماء پر کیا گیا ہے، اور ان کو ہر عیب اور عمل شنیع کا مورد قرار دیا گیا ہے، اور یہ شاید اس لئے کہ بانی مشرقیت کو اگر اپنے جھوٹے دعووں کی تکذیب کا خوف تھا، تو اسی جماعت حقہ سے،

مشرقی صاحب سے سوال یہ ہے، کہ جن اصول عشرہ کو وہ اصل اسلام جانتے ہیں، کیا وہ ایمانیات اور عبادات اور دیگر اعمال صالحہ کیساتھ جمع ہو سکتے ہیں، اگر ہو سکتے ہیں تو ان کی نفی وانکار کی حاجت کیا تھی، اور اگر جمع نہیں ہو سکتے، تو مسلمانوں کی اس ترقی وسعادت کے عہد میں جس کو آپ سعادت وترقی سمجھے ہیں، کیا مسلمان ان ایمانیات وعبادات و اعمال صالحہ سے خالی تھے،

بات یہ ہے، کہ اس مشرقیت کی ایجاد تمامتر موجودہ یورپ کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے، انہوں نے دیکھا کہ اہلِ یورپ آج تمام دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور دولت مند اقوام ہیں، بااینہمہ وہ ایمان کے لحاظ سے تمامتر ملحد اور عمل کے لحاظ سے ذاتی اعمال صالحہ اور عبادات سے خالی ہیں، تاہم ان کی ترقی، تمول، عیش کوشی غرض جنت ارضی کے حصول میں یہ چیزیں انکی ہارج نہیں، اس کا سبب ان کو یہ نظر آیا، کہ اس ایمانی وعملی الحاد کے باوجود ان میں چند باتیں عموماً پائی جاتی ہیں، یعنی یہ کہ ان میں باہمی محبت، اطاعت قومی، سائنس اور حکمیات وغیرہ علوم کا شوق اور بعض اصول ان میں پائے جاتے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوا، کہ یہی چند اصول اسلام کے دفعات ہیں، باقی ہیچ،

اگر یہ منطق صحیح ہے، تو ہمارا دعویٰ یہ ہے، کہ چونکہ اہل یورپ کوٹ پتلون پہنتے، اور ہیٹ لگاتے ہیں، کتوں کو چومتے اور چاٹتے ہیں، ازالۂ نجاست کے بغیر حوض میں غسل کرتے ہیں، منہ نہیں دھوتے، دانت نہیں صاف کرتے، کھانے کے بعد کلی نہیں کرتے، کوچہ و بازار، باغ و چمن، سقف و در پر ہر جگہ حیا سوز اعمال میں مصروف پھرتے، اور شراب میں مخمور رہتے ہیں، اپنے سے ضعیف اقوام سے مکر و کید اور بدعہدی ان کا شیوہ اور اپنی ماتحت اقوام سے غرور، تکبر اور اظہار فخر ان کا خلق ہے، اور حصول زر کے لئے ہر قسم کا حیلہ و فن ان کے یہاں جائز ہے، اس بنا پر حسب حصول مشرقیہ معلوم ہوا کہ یہی طرز لباس، یہی طریقۂ عمل، یہی نمونۂ اخلاق، جو ہر جگہ تمام اہل یورپ میں مساوی نظر آتا ہے، ان کی ان ظاہری ترقیات کے اصلی اسباب ہیں، جن کی تقلید ہر ترقی خواہ مسلمان پر واجب ہے،

ہم نے جدید طبقۂ تعلیم کے بعینہٖ ایسے افراد کو دیکھا، لیکن یہ تو نظر نہیں آیا، کہ وہ اپنے دنیاوی آقاؤں کے ذرہ بھی ہم رتبہ ثابت ہو سکے، اور نہ یہ نظر آیا، کہ انہوں نے جنت ارضی کی کیا کیا سعادتیں حاصل کیں، اور اس "فردوس زمین"، کی کیا کیا نعمتیں ان کو ملیں، ان سے زیادہ بڑھ کر تو اس جنت ارضی کے مالک اور اس فردوس زمین کے وارث ہم نے بمبئی و کلکتہ و کراچی کے مسلمان تاجروں کو پایا، جو اس الحاد قلبی و عملی سے تمامتر پاک اور صاف ہیں،

کہتے ہیں کہ تاریخ اپنا آپ اعادہ کرتی ہے، جس طرح یونانی فلسفہ و حکمیات نے باطنیہ کو پیدا کیا تھا، آج ٹھیک اسی طرح یوروپین فلسفہ و حکمیات جدید باطنیہ کو پیدا کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو مذہب میں اپنی تسلی نہ پاکر اس کے حدود و قیود کی زنجیروں کو اپنے پاؤں سے کاٹنا چاہتے ہیں، مگر چونکہ تن تنہا اگر اس آزادی کی آب و ہوا میں آجائیں، تو "یوسف بے کارواں" کی مثل صادق آتی ہے، اس لئے ایک جماعت کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ضرورت ہوئی، کہ مذہب کی آڑ پکڑ کر اور اس کے قالب میں اپنی اصلی روح کو چھپا کر دوسروں کو دعوت دیں، اور کامیابی کا انتظار کریں،

باطنیۂ قدیم یعنی اسماعیلیہ، باطنیہ ایران جدید، یعنی بابیہ و بہابیہ اور باطنیۂ ہند جنکا ابھی کوئی نام نہیں، سب اسی ایک اصل کے فروع ہیں، کہ اپنے اصل الحاد فلسفیانہ کو مذہب کے پردہ میں چھپا کر خلق کو ضلالت و گمراہی، کی دعوت دیتے ہیں، کبھی نماز کے اوقات کم کئے جاتے ہیں، کبھی ارکان نماز میں تخفیف کی جاتی ہے۔ کبھی نماز و صلوٰۃ کے معنی کی تحریف کی جاتی ہے، کہ اس سے مقصود محض امام و امیر کی اطاعت ہے، روزہ نام امام و امیر کے اسرار کی حفاظت کا ہے، زکوٰۃ نام امام و امیر کی مالی خدمت کا ہے، حج نام امام و امیر کے محل اقامت کی زیارت کا ہے، انبیاءؑ نے محض عوام کی خاطر مصالح کو پیش نظر رکھ کر اصل حقیقت کو ظاہر نہیں کیا اور مقدس جھوٹ کے وہ مرتکب ہوئے، ورنہ اصل حقیقت وہی ہے، جو افلاطون و ارسطو اور یا اس عہد کے حکمائے زمانہ نے ظاہر کی ہے،

اگر دراصل مذہب کی یہی حقیقت ہے، اور مذہب کے ظاہری قیود اسی قدر بے معنی ہیں، اور ایمانیات اسی درجہ فضول ہیں، تو خدا، قرآن، کتاب الٰہی، نبوت اور مذہب کا پردہ ہی کیوں رکھا جاتا ہے، صاف صاف اور کھلم کھلا مسٹر ظریف کی طرح الحاد، بے دینی، اور مذاہب کی بیخ کنی ہی کا وعظ کیوں نہ کیا جائے، آج ہارون و مہدی یا ملک شاہ و سنجر کی تلوار نہیں، جس کا خوف کیا جائے، آزادی کا دور ہے، محتسب کا ڈر نہیں، عدل برطانی کسی مذہب میں دخل انداز نہیں، پھر تستر اور تقیہ اور تبدیل ہیئت کی ضرورت کیا داعی ہے،

## جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج

---

اخبارات میں ہمارے دوست مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے یا معارف میں بعض ارکان دار المصنفین کے جو مضامین سود پر نکل رہے ہیں، ان کے متعلق اخبار مدینہ کا یہ مشورہ ہے، کہ جب ان سے کسی ایک مسلمان نے بھی سود لینا نہیں چھوڑا، تو ان تحریروں سے فائدہ کیا، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں، کہ مدینہ کے ارکان ادارت کو یہ علم غیب کیوں کر حاصل ہوا؟ کہ ان تحریروں کا اس بدبخت گروہ پر کوئی اثر نہ ہوا، اور ایک بھی بھولا بھٹکا مسلمان اس سے

ہدایت یاب نہ ہوا، اور نہ کسی نے ان کو پڑھ کر اپنے خیالات تبدیل کئے، کیا وہ یہ چاہتے تھے، کہ ایسے تمام مسلمان جنہوں نے ان تحریروں سے کچھ بھی فائدہ اٹھایا ہو، وہ اپنے خیالات کی اطلاع مدینہ کی ادارت میں بھیجدیتے، اور چونکہ ایسا نہیں ہوا، اس لئے یہ حقیقت بھی صحیح نہیں،

---

اور اگر فرض کریجئے، کہ ایک بھی سود خوار مسلمان نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا، تو کیا صرف اس لئے کہ کوئی ان نصیحتوں کو قبول نہیں کرتا، آج سے نصیحتوں کا دروازہ بند کر دیا جائے، اگر یہ صحیح ہے، تو پھر ان تمام اخبارات کو بند کر دینا چاہیئے، جن کی صحیح دعوتوں پر قوم لبیک نہیں کہتی ہے، آج سے سچائی کا وعظ اس لئے چھوڑ دینا چاہیئے، کہ عدالتوں میں اس کی سنوائی نہیں، سوراج کی پکار اس لئے بند کر دینی چاہیئے کہ معتدلین پر وہ موثر نہیں، تعلیم کی دعوت ایجوکیشنل کانفرنس کو روک دینا چاہیئے، کہ جہلائے قوم اس کی طرف ملتفت نہیں، غرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ یک قلم آج سے موقوف کر دینا چاہیئے،

(معارف ماہ اگست سنہ ۱۹۲۴ء)

## (۹)

ابھی گذشتہ مہینہ کے معارف میں ہم نے حضرت امیر شریعت صوبہ بہار اور امارت شرعیہ صوبہ بہار کا تذکرہ کیا تھا، خیال میں بھی نہ تھا، کہ اس کے ایک ہی مہینہ کے بعد ہم کو حضرت ممدوح کی دائمی مفارقت کا ماتم کرنا پڑے گا، حضرت مولانا شاہ بدرالدین سجادہ نشین پھلواری شریف اس عہد کے جنید وشبلی تھے، ان کا زہد وورع نزاہت واتقا، علم وعمل، صورت وسیرت ہر چیز نمونۂ سلف تھی، کم وبیش چالیس برس تک یہ علم وعرفاں کی شمع صوبہ بہار میں روشن رہی، اور اس کی روشنی دور دور تک پھیلتی رہی،

ان کے شب و روز کے ۲۴ گھنٹے ذکر و فکر اور مطالعۂ کتب کے سوا اور مشاغل میں کمتر صرف ہوتے تھے، اور ان کی نشست گاہ ایک کتب خانہ تھی، ان کے چاروں طرف کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا، اور اس کے بیچ میں یہ زندہ کتب خانہ جلوہ فرما رہتا تھا، اس عہد میں یہی ایک ہستی تھی، جو ظاہر و باطن، علم اور معرفت، حقیقت و شریعت کا مجمع البحرین تھی، اور جس سے ہزاروں اور لاکھوں علم اور معرفت کے پیاسے سیراب ہوتے رہتے تھے، پھلواری کا سجادہ اس بزرگ ذات کی رونق افروزی سے چشمۂ خورشید تھا، افسوس کہ یہ آفتاب اب ہمیشہ کیلئے ڈوب گیا،

خدا جانے ہندوستان کے گوشوں میں ہمارے اسلاف کے کتنے جواہر ریزے ناقدری اور کس مپرسی کی خاک میں دبے پڑے ہیں، جب کبھی کسی گمنام شخصی کتابوں کا بوسیدہ انبار نگاہوں کے سامنے سے گذر جاتا ہے، تو ہم انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، عبدالرحمٰن صوفی کی تصنیف صور الکواکب جس نے علم ہیئت میں مسلمانوں کی ترقی کا راز افشا کیا تھا. اور بطلیموس کے دریافت کردہ ستاروں میں بعض نئے ستاروں کا اضافہ کیا تھا، اس کے دیدار سے ہم اپنے کو دائمی محروم سمجھ چکے تھے، گو فرانس کے خوش قسمت کتب خانہ قومی میں اوس کا ایک نسخہ موجود ہے، مگر ہندوستان میں اس کبریت احمر کا پتہ ہم کو معلوم نہیں، دفعتًہ مشرقی اضلاع کے ایک گمنام مقام میں اس کا ایک نسخہ جو ایک نہایت ہی قدیم نسخہ مکتوبہ سنہ ۴۲۱ھ کی نقل ہے، نکل آیا، اور اس وقت وہ ہمارے پیش نظر ہے، اس قدیم اصلی نسخہ کی نسبت اس کے آخر میں بیان ہے کہ وہ مصنف کے زمانہ میں لکھا گیا تھا، اور اس سے مقابلہ کیا گیا ہے، اور وہ مصر میں سنہ ۴۲۱ھ میں لکھا گیا تھا، جا بجا اس میں کواکب کی عمدہ تصویریں ہیں، کل کتاب تقریبًا چار سو صفحوں پر مشتمل ہوگی افسوس ہے کہ اس کے بعض بعض اوراق بوسیدہ ہو کر فنا ہو چکے ہیں،

علاوہ اس کے اس وقت حلیۃ الاولیاء ابو نعیم، تاریخ الحکماء فارسی (جو کسی نامعلوم مصنف نے چھٹی صدی کے بعد لکھی ہے ) اور ایک فارسی تاریخ بہارستان جس میں

منتخب تاریخی وقائع وغرائب ونوادر جمع کئے گئے ہیں، پیش نظر ہیں، بہارستان میں ؁۹۱۶ تک کے واقعات اور نام آتے ہیں، آخر میں مصنف نے اپنے ماخذوں کا ذکر کیا ہے، جس میں تقریباً تیس چالیس تاریخی کتابوں کے نام ہیں،

بہارستان کے آخری صفحے جن میں کتابوں کے نام ہیں، نیچے سے پھٹ گیے ہیں تاہم جن کتابوں کے نام باقی رہ گیے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

تاریخ منتظم ابن جوزی (یہاں سے دس کتابوں کے نام غائب ہیں) تاریخ گزیدہ نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی وصایائے خواجہ نظام الملک، تاریخ قوام ملکی ابرقوہی، فردوس التواریخ مولانا خسرو ابرقوہی، طبقات ناصری منہاج سراج، تاریخ وصاف عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی، تاریخ فخر الدین داؤد دفناکتی، مجمع النوادر نظامی عروضی سمرقندی، ظفرنامہ ومقدمہ ملا شرف الدین علی یزدی، تاریخ جہاں کشائے خواجہ عطاء الملک جوینی، مجموعہ تالیف رومی، فتوحات میران شاہی، تالیف مولانا سعد الدین کرمانی، مسالک ممالک مولانا عبدالرحیم مشہدی (یہاں سے پھر نام غائب ہیں) دولت شاہ بن بختیشاہ (غالباً تذکرۃ الشعراء ہوگا) مجالس النفائس امیر علی شاہ!

تاریخ الحکماء مذکور کا نام " درۃ الاخبار ولمعۃ الانوار" ہے، کشف الظنون میں یہ مذکور نہیں، یہ سلطان غیاث الحق والدین محمد کے عہد میں لکھی گئی، مقدمہ میں ہے، کہ "یہ تاریخ الحکماء ساختہ پرداختہ امام محقق ظہیر الدین بیہقی کا ترجمہ ہے، اس میں پہلا حال حنین بن اسحاق اور سب سے آخری محقق نصیر الدین طوسی کا ہے، تراجم میں شیعیت کا رنگ ہے، اسکندریہ کے مشہور یحیی نحوی کو اس میں حضرت علیؑ سے ملایا گیا ہے، کتاب ڈیڑھ سو صفحوں میں تمام ہے،

حافظ ابو نعیم پانچویں صدی ہجری کے مشہور صوفی محدث ہیں، ؁۴۳۰ میں انہوں نے وفات پائی، ان کی کتاب حیلۃ الاولیا ناپید نہیں، مگر کمیاب ہے، اس میں

پہلے وہ حدیثیں اپنی سند سے درج کی ہیں، جن میں اولیاء اللہ کے مناقب ہیں، اور احوال صوفیانہ کی جن سے تشریح اور احوال روحانی کی توضیح ہوتی ہے، اور تصوف کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، اور اس کے بعد خلفائے راشدین اور بقیہ عشرہ مبشرہ اور صوفی صحابۂ کرام کے وہ حالات لکھے ہیں، جن سے ان کے صوفیانہ مدارج ظاہر ہوتے ہیں، اور بعد ازیں دیگر بزرگوں کے بلاترتیب احوال ہیں، اور ہر واقعہ کو بسند بیان کیا ہے، صحیح تصوف کا قدیم نقشہ اس میں نظر آتا ہے، کتاب دو جلدوں میں منقسم ہے، اور ضخیم ہے،

آہ یہ ایک دردناک نظارہ ہے، کہ عثمانی سلاطین کی شوکت و امارت کی تمام تاریخی یادگاریں بکھرتی جاتی ہیں، انہی میں سے ایک مس کی پلیٹ کلکتہ کی ایک خاتون مس متر نمبر ۴۱ پارک اسٹریٹ کلکتہ کے پاس پہنچ گئی ہے..........

..................

یہ پلیٹ[1] نہایت اعلیٰ درجہ کی مذہب اور گلکاریوں سے مرصع و منقش ہے، سلطان احمد چہارم جس کا نام عبد الحمید بھی ہے، اور جو احمد سیوم کا لڑکا تھا، اس نے اس کو اپنے لئے بنوایا تھا، یہ سلطان عبد الحمید ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء میں اپنے بھائی سلطان مصطفےٰ الله اسیوم کے بعد ترکی کا بادشاہ ہوا تھا، پندرہ ۱۵ سالوں کی حکومت کے بعد ۱۲۹۳ھ ۱۷۸۹ء میں اس نے وفات پائی تھی، اسٹیٹسمین نے اپنی ۱۲؍ اگست کے پرچہ میں اس پلیٹ کا فوٹو اور اس کی متعلقہ تحقیقات شائع کی ہیں، لیکن اس نے یہ غلطی کی ہے، کہ سلطان مصطفےٰ اسیوم کو جو سلطان احمد چہارم مذکور کا بھائی تھا، باپ لکھدیا ہے،

اس پلیٹ کے چار گوشوں میں چار عربی جملے ہیں، تین گوشوں میں تین پر نصیحت فقرے ہیں، اور چوتھے گوشہ میں مہمان کو تکلیف فرمانے کی دعوت ہے، التانی سلامۃ

---

[1] ہمارے پاس اس یادگار کی یہ کیفیت اسد الزماں صاحب متعلم تھرڈ ایر کلاس پریزیڈنسی کالج کلکتہ نے لکھ کر بھیجی ہے۔

( غور و متانت میں سلامتی ہے ) العجز ندامۃ ( عاجزی میں ندامت ہے ) القناعۃ غنی (قناعت تونگری ہے ) تفضل یا سیدی ( جناب مہربانی کیجئے ) ان فقروں کو استعمالی ظروف پر منقش کرانے سے غالباً سلاطین کا مقصد یہ ہوگا، کہ ہمیشہ یہ عاقلانہ فقرے نگاہوں کے سامنے رہیں، ان بلند فقروں کے مقابلہ میں جو قدیم تمدن کی یادگار ہیں، ان فقروں کو رکھو، جو جدید تمدن کی لطافت پسند نگاہوں کو چینی ظروف اور چائے کی پیالیوں پر نظر آتے ہیں، مثلاً I LOVE YOU "میں تم سے محبت کرتا ہوں" وغیرہ ان دونوں قسم کے فقروں کو سامنے رکھنے سے دونوں تمدنوں کے درمیان جو اخلاقی بلندی اور پستی کی نسبت ہے، وہ صاف نمایاں ہے،

---

مذہب اور سائنس کے باہمی معرکے کو ہم اہل نقل تو مصنوعی جنگ سمجھتے ہیں، مگر مدعیان عقل و خرد اس کو حقیقی اور دائمی جنگ یقین کرتے ہیں، جس میں سائنس ہمیشہ فاتح اور مذہب ہمیشہ مفتوح رہے گا، اس نتیجہ کا اظہار درحقیقت اس یقین پر مبنی ہے، کہ عقل انسانی اور تجربہ بشری جو کچھ دریافت کرتا ہے، وہ ناقابل تکذیب واقعیت ہے، اور اس لئے اس کے مقابلہ میں اگر مذہب اپنے الہامی اطلاعات کے ذریعہ سے کوئی ایسی بات کہتا ہے، جس سے اس واقعیت کو صدمہ پہونچتا ہے، تو یقیناً وہی الہامی اطلاعات غلط اور بے بنیاد ہیں، اہل مذہب نے اس کے مقابلہ میں دکھایا کہ خود سائنس کے تجربی اطلاعات کس طرح ہر روز بدلتے رہتے ہیں، تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے، کہ وہ قدیم حکمیات کے مسائل تھے، جدید حکمیات تجربہ و امتحان پر مبنی ہیں، اس لئے وہ غیر متبدل ہیں، لیکن آؤ دیکھیں کہ خود یہ جواب کہاں تک واقعیت پر مبنی ہے،

---

جدید سائنس اور حکمیات کی شریعت میں بتاؤ یہ عقائد کہ زمین میں کشش ہے، آواز ایک ہوائی تموج ہے، ایتھر تمام کائنات کی بنیاد ہے، کس درجہ یقینی تھے، اگر مذہب کی الہامی اطلاعات اس کے خلاف ہوتے، تو وہ عقل و خرد کے ان اجارہ داروں کی بارگاہ میں کس قدر

قابل مضحکہ سمجھے جاتے، مگر آج پروفیسر کالون کی ان تحقیقات کو پڑھو، جنہوں نے اس بارگاہ علم وعرفان کے عقائد مذکورہ میں ایک تلاطم برپا کر دیا ہے: اس تلاطم کی کیفیت ایک سائنٹفک رسالہ کی اس خبر میں پوشیدہ ہے۔

پروفیسر کلون (CLAVIN) نے متعدد علمی نظریوں کو غلط ثابت کر دیا ہے اور اسی بنا پر انہوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے، ان کی کتاب REX.TAELI FERTOM کو سویڈن کی شاہی مجلس نے دنیا کی بہترین کتاب کی حیثیت سے منتخب کیا ہے، انتخاب کنندہ جماعت اس کے منطقیانہ دلائل اور نظریوں کی مدح وستایش میں رطب اللسان ہے، اور اس کا خیال ہے کہ اس کے نظریے سائنس کی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیں گے، ان میں سے بعض نظریے یہ ہیں،

| | |
|---|---|
| ریڈیو | ایک رنگ ہے |
| آواز | ایک روشنی ہے |
| کشش ارضی | کوئی چیز نہیں ہے |
| ایتھر | " |
| محور ارضی | مدور ہیں |

سیاسی واقتصادی حیثیت سے بالشویکوں نے روس میں جو کچھ بھی غلط کاریاں کی ہوں، جس قسم کے مظالم بھی روا رکھے ہوں، اور وہاں کی رعایا اور غربا کی جو حالت بھی ہو، لیکن حال کے واپس آنے والے ایک سیاح کی زبانی ایک عجیب حقیقت کا انکشاف ہوا ہے، کہ وہاں کی علمی زندگی نے حیرت انگیز طریقہ پر کامیابی حاصل کی ہے، سیاح کا بیان ہے، "اگر یہ کہا جائے، کہ پیٹرو گراڈ میں ہر تیسری دکان" ایک کتاب کی دکان ہے" تو یقیناً کوئی مبالغہ نہ ہوگا، اس شہر میں جو حال تک قحط کا شکار ہو رہا تھا، ادبیات نے حقیقی طور پر ترقی ووسعت حاصل کی ہے، تو کیا یہ سچ ہے، کہ بھوکوں اور مظلوموں کی کتابوں میں ہی کھانا اور انصاف

ملتا ہے، اور حضرت مسیحؑ کے اس قول کا کہ انسان صرف روٹی ہی سے زندہ نہیں رہتا، یہی مطلب ہے،

قحط کے اسباب میں اکثر بتایا گیا ہے، کہ ہندوستان کی کثرت آبادی بھی ایک بڑا سبب ہے، اور یہاں کی غربت کی بھی یہی وجہ ہے، لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ دوسرے ممالک اپنے رقبہ کے لحاظ سے اس سے زیادہ آباد ہیں، مجلس اقتصادیات ہند کے رسالہ کے اعداد ہمارے اس بیان کی تصدیق کریں گے، ہر ملک کے مربع میل میں مندرجۂ ذیل نفوس آباد ہیں،

| نام ملک | مردم شماری سنہ ۱۹۰۰ء | مردم شماری سنہ ۱۹۱۰ء |
|---|---|---|
| بلجیم | ۵۸۹ | ۶۶۱ |
| ہالینڈ وغیرہ | ۴۱۶ | ۶۱۵ |
| حکومت متحدہ (انگلستان) | ۳۴۴ | ۴۷۴ |
| جاپان | ۲۹۶ | ۳۴۴ |
| اطالیہ | ۲۹۴ | ۳۱۳ |
| جرمنی | ۲۷۰ | ۳۱۱ |
| آسٹریا | ۲۲۶ | ۲۲۵ |
| سوئیٹزرلینڈ | ۲۰۷ | ۲۳۵ |
| فرانس | ۱۸۸ | ۱۹۱ |
| ہندوستان | ۱۶۷ | ۱۷۸ |
| اسپین | ۹۷ | ۱۰۰ |
| ریاستہائے امریکہ | ۲۵ | ۳۰۰ |
| کناڈا | ۱۷۵۵ | ۱٫۹۰ |

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بھی اس آبادی میں اختلاف ہے، برما میں سب سے کم ۵۳ نفوس اور بنگال میں سب سے زیادہ یعنی ۵۵۱ ہیں،

تعصبات واغراض نفس بعض دفعہ انسان کو بدیہیات تک سے انکار کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں، آلۂ تعلیم مادری زبان کا ہونا ایک ایسی کھلی حقیقت ہے، جس میں بظاہر کسی اختلاف کی گنجائش نہیں، لیکن ہندوستان کی بدقسمتی سے ہمارے یہاں یہ مسئلہ بھی مایہ النزاع بن گیا ہے، انگریزی قوم اور انگریزی زبان سے مرعوبیت کا یہ نتیجہ ہے، کہ کالج کی اعلیٰ تعلیم کا ذکر نہیں، میٹریکولیشن تک کے لئے (جس پر ثانوی تعلیم کا اطلاق ہوتا ہے) انگریزی کے بجائے، ملک کی مادری زبان کو آلۂ تعلیم بنانا ہمارے خدایان تعلیم کو گوارا نہیں ہوتا، اور جب کبھی ایسی تجویز پیش کی جاتی ہے، تو ارباب حل وعقد انگریزی کی حمایت اور ملکی زبان کی مخالفت میں جان لڑا دیتے ہیں،

---

نومبر ۱۹۲۰ء میں یہ تجویز پٹنہ یونیورسٹی کے سامنے پیش ہوئی تو ایک ہنگامۂ مخالفت برپا ہو گیا، آخر بڑے مباحثہ ومناقشہ کے بعد ایک عام اصول وکلیہ کی صورت میں یہ تجویز منظور ہوئی، اپریل ۱۹۲۱ء میں جب دوبارہ یہ مسئلہ پیش ہوا، تو یونیورسٹی ہال ایک بار پھر اختلافات وترمیمات کی صداؤں سے گونج اٹھا، خدا خدا کرکے یہ ترمیم شدہ تجویز منظور ہوئی، کہ ۱۹۲۳ء کے بعد سے طلبہ ملکی زبان کو بطور ذریعۂ تعلیم کے اپنے اختیار وانتخاب سے لے سکیں گے، اور ۱۹۲۸ء کے بعد سے یہ لازمی آلۂ تعلیم قرار پا جائے گی، کچھ دن ہوئے کلکتہ یونیورسٹی کے سامنے بھی یہ تجویز پیش ہوئی، اور یہاں چونکہ آنجہانی سر آشوتوش مکرجی جیسے زبردست وذی اثر وائس چانسلر کی شخصیت موجود تھی، اس لئے منظور ہو گئی، ۲۸ مارچ سنہ گذشتہ میں بمبئی یونیورسٹی کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا، ہندو یونیورسٹی بنارس میں ہندی کی تعلیم کے لئے خاص کوشش عمل میں آرہی ہے، اور وہ دن دور نہیں، جب وہاں کی تعلیم ہندی زبان میں ہو جائے گی، کیا ہماری مسلم یونیورسٹی اپنی مادری زبان کے

ذریعہ تعلیم کے امکان پر غور کرے گی،

(معارف ماہ ستمبر ۱۹۲۳ء)

## (۱۰)

ستمبر کے آخر ہفتہ میں دہلی میں جو مجلس اتحاد منعقد ہوئی اس نے اپنے جانتے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو نزاعی امور پیدا ہیں، ان پر پوری طرح غور کیا، اور ان کے متعلق فیصلے صادر کئے، لیکن ہم نے جلسہ کے اندر اور باہر بھی جہاں تک غور کیا، تمام رہنمایان ملک کے خیالات ان نزاعات کے صرف ظاہری اور سطحی اسباب پر مشتمل پائے، شاید اسلئے کہ زخم میں زیادہ گہرا نشتر نہ دیا جائے، جو تکلیف کا موجب ہو، صرف اوپر کی جلد کا صاف کر دینا کافی سمجھا گیا۔ لیکن یہ خیال نہیں کیا گیا، کہ اوپرے زخم اس طرح مندمل بھی ہو جائے گا، تو ڈر ہے، کہ اندر اندر موجودہ محدود زخم آیندہ تمام جسم کو اپنے زہر سے پُر مواد نہ کر دے،

ہمارے نزدیک ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی نزاعات اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتے، جب تک کہ دونوں قومیں ہمیشہ کے لیے اپنے فاتحانہ اور مفتوحانہ جذبات . . . . . . کو ختم نہ کر دیں، اور ۱۸۵۷ء . . . . سے اپنی تاریخ کا نیا دور نہ شروع کر دیں، جس میں گذشتہ آٹھ صدیوں کے تلخ واقعات کی یاد قطعاً موقوف کر دی جائے، اور مستقبل کی اصلاح و درستی کی خاطر حال کو ماضی کی تکرار میں برباد نہ کیا جائے،

ہر قوم کی حکومت کی تاریخ میں اچھے اور برے، منصفانہ اور ظالمانہ دونوں قسم کے واقعات ملتے ہیں، اس کلیہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی تاریخ بھی خالی نہیں، مگر ملک کی بھلائی اس میں نہیں ہے، کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کی حکومتوں کی کچھ واقعی اور کچھ گڑھ گڑھ کر برائیاں اور افسانے یکجا کئے جائیں، اور وہ انجمنوں کے جلسوں میں،

لڑکوں کے مدرسوں میں، مطالعہ کی کتابوں میں، اخبارات کے کالموں میں، روز مرّہ کی گفتگوؤں میں کھیل کود اور تماشے کے ناٹکوں میں اس طرح بار بار دہرائے جائیں، کہ وہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جائیں، دونوں قوموں کے درمیان ایک غیر مختتم تلخی اور ناگواری اور بدگمانی اور عداوت راسخ ہو جائے۔

واقعات کی حیثیت سے نظر کیجئے تو معلوم ہوگا، کہ ہندو اکابر نے اپنی قوم کو جنبش اور حرکت میں لانے کے لئے یہ ضروری سمجھا، کہ قوم کی نفرت اور عداوت کے جذبات کو مشتعل کیا جائے، اور اس کے لئے مسلمانوں کو منتخب کیا، ان کا فاتحانہ جرم اقدام اسکے لئے بہترین مسالہ پیدا کر سکتا تھا، اس طرح مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے مواد یکجا کیا گیا، اور اس کو تمام ملک میں ہندوؤں کے درمیان پھیلایا گیا، مذہبی حیثیت سے سوامی دیانندجی نے اور سیاسی حیثیت سے تلک مہاراج نے مسلمانوں کے خلاف ایک جہاد عظیم کا سامان فراہم کیا، تمام ملک میں دیانندجی کی ستیارتھ پرکاش کی تبلیغ کی گئی، جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر ممکن دلیل سے ہندو قوم کو آمادۂ جنگ کیا گیا ہے، بڑے بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے قریوں تک میں آریہ سماج کا جال پھیلایا گیا، ان کے ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ جلسوں میں مقررین کا بہترین موضوع اسلام اور مسلمانوں کو بُرا بھلا کہنا، مسلمان سلاطین کے جھوٹے مظالم گنانا، اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکانا قرار دیا گیا، ان کے اخبارات، رسائل اور کتابوں میں باقاعدہ اسلام، بزرگانِ اسلام انبیائے اسلام، اور سلاطین اسلام کے خلاف سب و شتم کا سلسلہ قائم کیا گیا، اور اس طرح ملک کے طول و عرض میں مسلمانوں کے خلاف ایک وسیع تنظیم کھڑی کی گئی۔

تلک مہاراج نے عام ہندوؤں اور خصوصاً مہاراشٹر کے بہادروں کے مردہ جذبات میں نئی امنگ پیدا کرنے کے لئے سیواجی اور عالمگیر کی مری ہوئی ہڈیوں کو اکھاڑنا شروع کیا، سیواجی کو قومی ہیرو بنایا گیا، اس کے مقابل میں عالمگیر کو ہر ظلم اور برائی کا مصدر ٹھہرایا گیا، واقعات

گھڑے گئے، تاریخیں بنائی گئیں، جعلی تحریریں بنانے کے کارخانے قائم کئے گئے، جھوٹے افسانے، ناٹک اور ناول لکھے گئے، ان کے دار الاشاعۃ قائم ہوئے، تھیٹروں اور تماشا گاہوں میں ان کی نقلیں دکھائی گئیں، اور یہ سلسلہ مرہٹی زبان سے شروع ہو کر گجراتی اور بنگالی زبانوں تک میں پھیل گیا، اور اس زہریلے لٹریچر نے تمام ہندو نوجوانوں کے دل و دماغ کو مسموم کر دیا، اور اس طرح ملک میں اب تک یہ نظام عمل پوری طرح قائم اور جاری ہے،

اس سے بڑھ کر یہ کہ بڑے بڑے ہندو اہلِ قلم نے قصداً ایسی کتابیں اور تحریریں لکھیں، اور اب تک لکھ رہے ہیں، اور اس کام میں انگریز اہلِ قلم نے بھی ان کی پوری مدد کی، بلکہ رہنمائی کی، جن میں مسلمانوں کے عہدِ حکومت کو ہر طرح بدنام کرنے کی کوشش کی، اور مسلمان سلاطین پر غلط الزامات قائم کئے، اور ہندوؤں پر ان کے ان گنت مظالم کو سلیقہ کیساتھ اوراق میں ترتیب دے کر ان کو مدارس کے نصابِ تعلیم میں داخل کیا گیا، جس کے ذریعہ سے تعلیم یافتہ ہندو نوجوان کے خیالات مسلمانوں کی طرف سے ہمیشہ کے لئے خراب کر دیئے گئے،

ہندوستان کی ان دونوں قوموں میں نفاق ڈالنے کی کوشش گو تیسری قوم کی طرف سے شروع کی گئی، مگر بہت جلد دوسری قوم نے اس کو اپنا کام بنالیا، اور اسطرح اے، بی، سی، ڈی کے آغاز سے آخر تعلیم تک ایک ہندو نوجوان کو مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کے خلاف ایسی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، جس سے پاک و صاف رہ کر اگر اب بھی کچھ تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کے خواہاں ہیں، تو یہ صرف فطری صلاحیت کی پکار ہے، ورنہ ماحول کا یہ اقتضا تو ہرگز نہیں،

اب ہمارا سوال ہے، کہ ان حالات میں جب مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے آریہ سماج کا پورا نظام قائم ہے اور اس قسم کے لٹریچر کی کم از کم تیس چالیس برس سے عام اشاعت ہے، ناٹکوں اور افسانوں، سنجیدہ مضامین

اور مصنفین کی کتابوں کے ذریعہ سے ان کی تبلیغ ہے، کیا مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا نظام سلسلۂ کتب، دار الاشاعۃ، مقررین کا گروہ ہے، انجمنوں کی تنظیم، اہلِ قلم کی کوششیں ناٹک اور افسانے، مدارس و مکاتب کے نصاب تعلیم کوئی چیز ایسی موجود ہے، جس کا مقصد مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرف سے نفرت اور عداوت کے جذبات کی باقاعدہ پرورش اور نشو و نما ہو، مسلمانوں کی طرف سے جو کچھ ہے مدافعانہ ہے۔

---

فروری سنہ ۱۹۲۰ء میں جب وفدِ خلافت یورپ جا رہا تھا، تو اتفاق سے پہلے جنم کے مشہور آریہ سماجی لیڈر لالہ جپت رائے چھ سات برس کے بعد امریکہ سے ہندوستان آرہے تھے، مصوع کے افریقی بندرگاہ میں ہم دونوں کا اجتماع ہوا، اور ہندوستان کی موجودہ صورت حال یعنی ہندو مسلمانوں کے روز افزوں اتحاد کا ذکر آیا، میں نے کہا کہ اب ہندوستان میں آریہ سماجی تحریک کی گذشتہ روش (پالیسی) میں انقلاب کی ضرورت ہے، تاکہ ہندوؤں میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت اور عداوت پھیلانے کی سرگرمیوں کی جگہ مصالحت اور اتحاد کی اشاعت ہو سکے، لالہ جی نے اس خیال کی تائید کی مگر اخیر اکتوبر کی مجلس اتحاد میں جب مالوی جی کے اشارہ سے لالہ جی نے اپنی مشہور ترمیم متعلق اعلان حقوق (یعنی ہر شخص کو مذہبی آزادی ہو، مسلمان جس جانور کو جہاں چاہیں ذبح کر سکیں وغیرہ) کو تعویق میں ڈالنے کی غرض سے پیش کی، تو اس وقت ان کا وہ خیال جو مصوع میں ظاہر کیا گیا تھا، معلوم ہوتا تھا، کہ ان کے ساتھ سمندر پار سے ہندوستان نہ آسکا۔

---

اس تفصیل سے اب یہ واضح ہو گیا ہو گا، کہ اگر ہم ہندو مسلمانوں کے نزاعات کا واقعی خاتمہ کرنا چاہتے ہیں، اور اس بدنصیب ملک میں خون کی ندیوں کے بدلے جوئے محبت بہانا چاہتے ہیں، تو اس کا اصلی علاج یہ ہے، کہ آریہ سماجی روش میں تبدیلی کی جائے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو تبلیغ اور پروپیگنڈا پورے نظام کے ساتھ تقریروں، تحریروں، کتابوں

رسالوں، اخباروں، تماشوں، ناٹکوں، افسانوں، اور تاریخوں کے ذریعہ پھیلایا جا رہا ہے، ان کو یک قلم بند کیا جائے، اسی کے ساتھ لازماً مسلمانوں کی مدافعانہ کوششیں بھی خودبخود بند ہو جائیں گی، ۲) یہ سماجی مقررین، اور محررین، اپنے بیانوں اور گفتگوؤں کا موضوع اپنے مذہب کی خوبیوں اور بھلائیوں کو ترقی دیں اور دوسرے مذاہب کو اپنے سب وشتم کا نشانہ نہ بنائیں اور اسی طرح ہندو اور مسلمان اہلِ قلم تاریخِ ہند کے اسلامی دور کے وہ واقعات تلاش اور یکجا کریں، جن سے دونوں میں مصالحانہ روح کی ترقی ہو،

ہم نے اپنی کسی گذشتہ اشاعت میں مرہٹی کتاب "مسلمانی ریاست" کا ذکر کیا تھا، اور مرہٹی داں دوستوں سے اس پر تنقید کی خواہش کی تھی، اسکے متعلق ہمارے پاس متعدد مرہٹی داں مسلمان دوستوں نے کافی مواد بہم پہنچایا ہے، اور سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے، کہ ہمارے فاضل دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر ایم، اے الفنسٹن کالج بمبئی نے اس پر پوری تنقید لکھنے کا وعدہ کیا ہے، یہ کتاب بڑودہ کے ایک ممتاز ہندو اہلِ قلم کی تصنیف ہے، جس کے استناد کا یہ حال ہے، کہ اس میں ایک ناول کے حوالہ سے واقعات لے کر سیواجی کی مداحی اور عالمگیر کی برائی کی ایک پوری داستان گھڑ کر کھڑی کی گئی ہے، یہ کتاب نصابِ تعلیم میں داخل ہے، کیا ایسی ہی کتابوں سے آپ ہندو مسلمان اتحاد کا خواب پورا کر سکتے ہیں،

ہمارے گذشتہ اکابر کی تنہا یادگار نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی جو اپنی پیری اور دیرینہ سالی کے باعث دماغی کاموں سے ایک حد تک معذور ہیں وہ بھی ہندو اہلِ قلم کی ان کوششوں سے اس قدر متاثر ہیں، کہ انہوں نے اپنے ایک عطوفت نامہ کے ساتھ ٹائمز آف انڈیا بمبئی کا ایک ٹکڑا کاٹ کر بھیجا ہے، جس میں مسلمانوں کے خلاف "دبینکر" کے نام سے ایک نہایت سخت لیکن فاضلانہ مضمون "ذہن کشادہ نامور اور مسلمانوں کی ذہنی کیفیت" کے عنوان سے مندرج ہے، نواب صاحب ممدوح خط میں لکھتے ہیں،

> ایک کاغذ ملفوف ہے، اس کو ملاحظہ فرمایئے، اس کی اشاعت سے ہم مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچے گا، میری رائے ناقص میں اس کا پورا پورا جواب لکھوا کر شائع کرنا چاہیئے اور تمام دنیا کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ یہ سراسر غلط ہے، اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے، لکھنے والے نے ہندوؤں کو برانگیختہ کرنے کی غرض سے اس کو شائع کیا ہے، ایک ایک لفظ اس کا جھوٹ اور بہتان ہے، اگر میری صحت درست ہوتی، اور مجھ میں طاقت ہوتی، اور بینائی کمزور نہ ہوتی، تو میں خود اس کا جواب قلم بند کرتا،

ممدوح کا اس پیرانہ سالی میں یہ عزم و ارادہ اور حوصلہ خود قابل ستایش اور سزاوارِ مبارکباد ہے، افسوس کہ ہماری قوم میں اب ایسے غیور علم دوست اکابر کا وجود بظاہر نظر نہیں آتا،

---

ٹائمز کے مضمون مذکور میں پہلے یہ دکھایا گیا ہے، کہ موجودہ فسادات مسلمانوں کے قومی و مذہبی خصائص کے محض مظاہر ہیں، سلطان محمود اور اورنگ زیب کی نفسیات ایک سچے مسلمان کی نفسانیت ہے، اس لئے موجودہ فسادات اور مندروں کے انہدام کے اسباب و علل کی تلاش کی حاجت نہیں ہے، پھر محترم محمد علی، سیف الدین کچلو، اور ایک مولانا (نام نہیں لکھا ہے) جو جمعیۃ العلماء کے سربرآوردہ رکن ہیں، کے اقوال سے ثابت کیا ہے، کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، یہ جمعیۃ العلماء کے کھلے اور مجلس خلافت کے پوشیدہ ہتھکنڈوں کے نتائج ہیں، اور اس کا مقصد دارالحرب ہند کو دوبارہ دارالاسلام بنانا ہے، مسٹر بینکر نے اس مضمون کے ذریعہ سے مسلمانوں کی قومی و مذہبی ذہنیت و نفسیات کی تحقیق و انکشاف میں بے فائدہ محنت کی، اگر یہ سچ ہے کہ معلول سے علت کا وجود مقدم ہوتا ہے، تو ان کو تحقیق

کرنا چاہیئے، کہ واقعات کے تقدم و تاخر کی کیا صورت ہے، اس مضمون سے خود ہمسایہ قوم کی نفسیات و ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، کہ وہ اب تک سلطان محمود اور اورنگ زیب کو نہیں بھولی ہے، اس لئے جو کچھ اس وقت ہو رہا ہے، وہ تلافی مافات نہیں، بلکہ سابق کی انتقام طلبی کے مظاہر ہیں، اور اس طرح قیامت تک ہندو مسلم اتحاد کی عمارت کی تعمیر نہیں ہوسکتی، اس کی تعبیر کی صرف ایک ہی صورت ہے، کہ گذشتہ عہد کی فاتح و مفتوح دونوں قومیں اپنے موجودہ عہد کی یکساں مفتوحیت کو سامنے رکھکر پرانے جذبات کو فراموش کریں، اور نئے عہد کے نئے جذبات کا آغاز کریں،

تذکرہ اور فتنہ مشرقیہ کی نسبت ہم نے پچھلے شذرات میں جو کچھ لکھا تھا، اس پر حریف مقابل کی طرف سے ہم پر سخت مواخذہ قائم ہے، اس فتنہ کے متعلق علمائے دیوبند، جمعیۃ العلماء اور بعض دیگر اصحاب نے اپنے مخالفانہ خیالات ظاہر کئے، جن میں سب سے بہتر مضمون چودھری محمد حسین صاحب لاہور کا تھا، جو زمیندار میں شائع ہوا، مگر تعجب ہے، کہ جواب و باز پرس اور مواخذہ کے لئے صرف ہمارا ہی وجود کیوں منتخب ہوا، شاید اس لئے کہ معارف کے شذرات کے تیر و نشتر میں تیزی زیادہ تھی، اور اسکا حملہ ہاتھ پانوں کے بجائے حساس شہرگ پر تھا، اس جدید فتنہ پر جس کے رو سے اسلام کا اصلی منشا چودہ سو برس کے بعد ایک مغربی الخیال مشرقی کے سینہ میں منکشف ہوا ہے، ایک مبسوط تبصرہ عنقریب شائع ہوگا جس سے معلوم ہوگا، کہ "امت مسلمہ" کے ایک مامور کی "براہین احمدیہ" کی کیا علمی اور فکری حیثیت ہے،

گذشتہ تین چار برسوں میں نئی پرجوش انجمنوں اور مجلسوں نے ہماری پرانی متین و سنجیدہ اور سکون پسند انجمنوں کو بالکل بے رونق اور سرد کر دیا تھا، ملک و ملت کی عارضی و فوری ضرورتوں کا خیال کرکے ان کے کارکنوں نے بھی عزلت گزینی اور خلوت نشینی مناسب سمجھی کہ مذہبی و قومی مقاصد میں تصادم نہ واقع ہو، اور اس کی مثال یہ تھی، کہ ایک دائم المریض پر اچانک اگر کسی جدید ناگہانی بیماری کا شدید و تیز حملہ ہو جائے، تو ہر طبیب کا فرض ہوگا

کہ پہلے اس ناگہانی اور شدید حملہ کو دفع کرے، اور بعد ازیں دائم المریض کے قدیم امراض کا رفتہ رفتہ سکون کے ساتھ علاج کرے، بنابریں ٹرکی و مقامات مقدسہ کے ناگہانی اور فوری مسائل نے اس درجہ منہمک کرلیا، کہ مسلمانوں کے دیرینہ قومی امراض کے علاج کا معاملہ چند دنوں کے لئے پس پشت ڈال دیا گیا، اب حالات نے نیا رخ پلٹا ہے، اور نئی صورتیں بہ روئے کار آگئی ہیں،

---

ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس اسی بنا پر تین چار سالوں سے موقوف ہے، حالانکہ جن مقاصد اور ضرورتوں کے لئے وہ تیس سال پہلے قائم کیا گیا تھا وہ اب پہلے سے بھی زیادہ اہم ہیں، اسی لئے ارکان نے تجویز کیا ہے، کہ امسال اس کا سالانہ جلسہ مارچ یا اپریل میں خود لکھنؤ میں منعقد ہو،

معارف ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء

## (۱۱)

## آہ! ابوالحسنات ندوی

ہمارے لئے یہ کتنا غم ناک سانحہ ہے، کہ آج ہمارا قلم اس کا ماتم کرے، جس کا قلم کل تک قوم و ملت کا ماتم گسار تھا، ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ کا واقعہ ہے، کہ مولوی ابوالحسنات ندوی نے اس عالم آب و گل کو خیرباد کہا، وہ ہماری کوششوں اور ندوہ اور دارالمصنفین کی تعلیم و تربیت کی سب سے بڑی کمائی تھے، ان کی موت نے ہماری محدود علمی مجلس کو وہ صدمہ پہونچایا ہے، جس کی تلافی شاید آخر وقت تک نہ ہوسکے، اب جب دن آئے تھے، کہ وہ ملک و قوم کی دماغی و ذہنی رہبری کرسکیں، تو یک بیک دست قضا نے ہم سے ان کو چھین لیا، جن سے ہم بڑی توقعات رکھتے تھے،

---

مولوی ابوالحسنات ایک نہایت ہی ذہین، طباع، اور بلند حوصلہ نوجوان تھے،

ندوہ کی تعلیم کے بعد سنہ ۱۹۱۸ء میں وہ یہاں آئے، اور آخر دم تک ان کا رشتہ اسی علمی مجلس سے بندھا رہا، یہاں رہ کر جو انہوں نے علمی و تاریخی مضامین لکھے ہیں، وہ ہمیشہ کیلئے یادگار اور قابلِ مطالعہ رہیں گے، تحریک خلافت کے سلسلہ میں ان کے مضامین نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی، اور وہ "ترک اور خلافت" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو گئے تھے، اس کے علاوہ ہندوستان کے اسلامی مدارس پر ایک پُر از معلومات مبسوط مضمون لکھا تھا جسے وکیل امرتسر شائع کرنے والا ہے، اسی کے ساتھ ہی اورنگ زیب کے خطوط کی ترتیب کا کام بھی شروع کیا تھا، لیکن پانچ سال کی مسلسل علالت نے ان کی امیدوں کے بر آنے کا موقع نہ دیا، اور وہ ان کی حسرت اپنے ساتھ لے گئے، زمانۂ علالت ہی میں انہوں نے جمال الدین افغانی کی سوانح عمری کے لئے مواد بھی جمع کرنا شروع کیا تھا، مگر افسوس کہ زمانہ نے ان کو کچھ کرنے کی مہلت نہ دی، انہوں نے شاعرانہ طبیعت پائی تھی، فارسی کا خاص ذوق تھا، اور ان کی فارسی اور اردو کی غزلیں، قصائد، اور ترکیب بند عرصہ تک پڑھنے والوں کے دلوں کو گرم رکھیں گے،

---

مرحوم پانچ سال سے مسلسل بیمار تھے، ابتدا میں پانوں میں درد ہوا، وہ درد زخم ہوا، اور زخم نے ناسور کی صورت اختیار کر لی، اس کے ساتھ ہی بخار رہنے لگا، علاج کیلئے انہوں نے کلکتہ، لکھنؤ وغیرہ کے طویل سفر کئے اسی سلسلہ میں وہ راجگیر (بہار) کے پہاڑی مقام پر گئے ہوئے تھے، کہ وہاں کی خاک نے اس قیمتی گوہر کو ۱۲ ربیع الثانی کو ہمیشہ کے لئے اپنے آغوش میں لے لیا، ان کا وطن بہار تھا، وہیں پیدا ہوئے، اور وہیں سپرد خاک بھی ہوئے، خاندان میں صرف ایک بھائی ہیں، خداوند تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، کہ ہمارے پاس دعا کے سوا اور کیا ہے،

---

گذشتہ ماہ میں صوبہ متحدہ کے ایک شہر میں ہندی کی ترویج کے لئے جو انجمن قائم ہے اسکا اجلاس ہوا، اور اس کے شرکا میں ہم کو اہلِ علم اصحاب کے علاوہ بعض اُمراء

ریاست کے نام بھی ملتے ہیں، جلسہ کی روداد بتاتی ہے، کہ فدائیان ہندی اسکی توسیع وترویج میں ہر ممکن کوشش کررہے ہیں، اور اگر یہی لیل ونہار رہے، تو شاید وہ دن دور نہیں، جب اردو کو اپنی جگہ چھوڑ کر ہندی کو دے دینی پڑے، قدردانان ہندی نے تمام ہندوستان میں اس کی شاخیں قائم کردی ہیں، اور ہر ضلع اور ہر صوبہ کی شاخ اپنے کام میں مشغول ہے، مدارس میں، دفاتر میں، عدالتوں میں، مجالس میں ہر جگہ اس کی مقبولیت کی کوشش کی جارہی ہے، ہمارے سامنے ایسے صوبے بھی ہیں، جہاں ہندی کو کوئی جانتا بھی نہیں، لیکن وہاں کی عدالتی زبان میں ہندی کا نام پائیں گے، صوبہ متوسط کی عدالتی زبان ہندی ہے، بنگال میں بھی اس کو دخل ہے، بہار پر اس کا قبضہ ہے، اودھ آگرہ اور پنجاب میں یہ مساویانہ حقوق سے زیادہ حق رکھتی ہیں، اور یہ کوشش خاموش طریقہ سے جاری ہے، کہ ہر جگہ اسی کو اصل زبان قرار دے دیا جائے، مدراس میں ہندی کی تعلیم کے لئے خاص خاص مدارس قائم کئے گئے ہیں، اور حال میں بنارس کے ایک قوم پرور ہندو رئیس نے تو اس کی ترویج کے لئے دس لاکھ کی جائداد وقف کردی ہے،

اردو لغت کا سب کو رونا ہے، مگر اب تک کچھ نہ ہوا، امیر اللغات نواب صاحب رام پور پر صدقہ ہوگئی، محسن کاکوروی مرحوم کے لائق صاحبزادے اور جانشین مولوی نورالحسن بی، اے، نوراللغات نام اردو کا ایک مبسوط لغت لکھ رہے ہیں، اور غالباً دس بارہ برس سے وہ اس کام کے لئے کسی سرپرست کے طالب ہیں، مگر نہیں ملتا، اور ادھر زیادہ عرصہ ابھی نہیں ہوا، کہ ملک کے سامنے ہندی کے مبسوط لغت شائع کرنے کی تحریک ہوئی، تو ہندو امراء تو الگ رہے، خود حکومتِ ہند اور ہندوستان کے مختلف صوبوں نے جو گرانقدر رقمیں پیش کیں، ان کی تفصیل یہ ہے،

| | | | |
|---|---|---|---|
| حکومت ہند | ۵۰۰۰ روپئے | مہاراجہ کشمیر | ۱۰۰۰ روپئے |
| ممالک متحدہ | ۱۳۰۰۰ " | بردوان | ۱۰۰۰ " |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| صوبہ متوسط | ۸۰۰ | روپئے | اور | ۱۰۰۰ | روپئے |
| مہاراجہ بیکانیر | ۱۵۰۰ | " | مہاراجہ دربھنگہ | ۱۰۰۰ | " |
| چھتر پور | ۱۵۰۰ | " | ریواں | ۸۰۰ | " |
| گوالیار | ۱۰۰۰ | " | بھاؤنگر | ۵۰۰ | " |
| اندور | ۵۰۰ | روپئے | | | |

کیا ہندوستان کی حکومت اور مالیات میں اردو بولنے والوں کا حصہ نہیں ہے ، مگر اردو بولنے والوں میں کوئی معزز سائل نہیں ، مسلمان امرا میں غور کیجئے ، توحقیقت یہ ہے ، کہ اگر ہم سرکار نظام اور بیگم صاحبہ بھوپال کی حیات بخش زرریزیوں کو نکال دیں تو نہ صرف اردو کی ترقی کا درخت بلکہ ہمارا تمام علمی باغ خشک ہو کر رہ جائے ، مگر صرف دو دریاؤں کی فیاضی سات سمندروں کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے ، کیا دیگر مسلمان امراء اپنے رقیب راجاؤں کے ان کارناموں کا جواب دیں گے ،

مادہ پرست یورپ نے گذشتہ جنگ کے تلخ تجربوں کے بعد روحانیت کیطرف خاص توجہ کی ہے ، عام براعظم میں بیداری کے لئے مختلف مجالس قائم کی گئی ہیں ، اور ان سے تسکین قلب کا مداوا تلاش کیا جا رہا ہے ، حال ہی میں انگلستان کی مذہبی جماعت کے اکابر نے طبی مجالس سے سوال کیا تھا ، کہ کیا انسان روحانی طریقوں سے صحت وسکون حاصل کر سکتا ہے ، جراثیم پرست ڈاکٹروں نے جواب دیا کہ نہیں ، اس جواب نے مذہبی حلقوں میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے ، اور ہر طرف سے روحانی قوت کے حامی چلا اٹھے ، کہ یہ فیصلہ غلط ہے ، چنانچہ گذشتہ اکتوبر میں انگلستان میں مذہبی رہنماؤں کی ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی ، اور اس نے زبانی اور عملی دونوں صورتوں سے ان مادہ پرستوں کی تکذیب کی ، اور بتایا کہ درحقیقت صحت اور اطمینان اور سکون صرف روح کی طمانیت کا نام ہے ، اس مقدس مجلس کے ایک رکن مسٹر ہکسن نے کہا ۔

"جسمانی صحت تم کو سکون و اطمینان نہیں دے سکتی، جب تک انسانی روح کو تسکین نہ ہو، کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو، اس کے پاس کتنے ہی قیمتی جواہرات ہوں، اور وہ کتنی ہی بڑی ریاست کا مالک ہو، حقیقی مسرت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا،

تو کیا یورپ اب مادیت سے روحانیت کی طرف کفر و الحاد سے حق و ایمان کی طرف آرہا ہے، اور کیا ایک مرتبہ پھر تمام دنیا خدا کی حکومت میں داخل ہو جائے گی، بدبخت مسلمان اس روحانیت کو چھوڑ کر مادیت میں اپنے درد کا درماں تلاش کرنا چاہتے ہیں، آج وہ جس یورپ کی پیروی و تقلید کو اپنا بہترین نصب العین سمجھ رہے ہیں، وہ خود اپنی ظاہری نمایش و عریانی سے تنگ آگیا ہے، اور اسی گوشہ میں آکر پناہ لینا چاہتا ہے جسے دنیا گوشۂ روحانیت کے نام سے یاد کرتی ہے، ہم کو اغیار کی تقلید نے برباد کر رکھا ہے اور اگر ہم اپنی رسم دیرینہ ہی کے پابند رہیں، تو ہماری نجات اسی میں ہے،

ڈاکٹر ای، جی، براؤن سے ناظرین معارف اچھی طرح واقف ہیں، گذشتہ ماہ میں ان کے سلسلۂ ادبیات ایران کی آخری کڑی بھی ہمارے سامنے آگئی ہے، ڈاکٹر براؤن نے ۱۸۸ء سے فارسی سیکھنا شروع کی، اور جیسا کہ ان کا بیان ہے، اسی وقت سے ان کا خیال تھا، کہ وہ فارسی ادبیات کی تاریخ لکھیں، چنانچہ ۲۲- سالوں کی مسلسل کوششوں کے بعد ہم کو یہ چار جلدوں کا بیش بہا مجموعہ ملا ہے، اس سلسلہ کی پہلی جلد جو ابتدائے عہد سے فردوسی تک کے حالات پر مشتمل ہے، ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی، دوسری جلد جو مغل حملوں تک کے حالات پر تھی، ۱۹۰۶ء میں ہمارے سامنے آئی، اس کے بعد وہ ایران سے واپس چلے آئے اور کیمبرج کے سر ٹامس آدم کے عطا کردہ وظیفہ سے علوم مشرقی کی جو تعلیم دی جاتی ہے، اس کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس اثنا میں انہوں نے ایران، ایران کی شاعری پر کتابیں لکھیں، اور گب میموریل کی مختلف کتابوں کو ایڈٹ اور ترجمہ کیا، اس کے ساتھ ہی یہ سلسلہ جاری رہا، اور ٹھیک ۱۴ سالوں کے بعد دور مغلیہ

کی تیسری جلد کیمبرج کے مطبع سے شائع ہو کر سنہ ۱۹۲۰ء میں ہم تک پہنچی، اس جلد میں سنہ ۱۲۶۵ء سے سنہ ۱۵۰۲ء تک کے علمی کارناموں کا تذکرہ ہے، اور آج اسکے چار سال بعد اسی جامعہ کے مطبع نے اس کی چوتھی جلد جو سنہ ۱۵۰۰ء سے سنہ ۱۹۲۴ء تک کے علمی و تاریخی معلومات پر مشتمل ہے، دنیا کے سامنے رکھدی ہے ہم اس علمی کارنامہ پر خوش ہیں، لیکن ہم کو ماتم کرنا چاہیئے کہ وہ کام جو ہمارے کرنے کا تھا، وہ ہم نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے انجام دے رہے ہیں،

اسی سلسلہ میں ہم کو اپنے مشہور فرانسیسی مستشرق دوست ایم، مسینیاں کا ذکر بھی کرنا چاہیئے، فرانس میں اسلامی علوم و تاریخ کی تجدید کا کام نہایت خاموشی و استغراق کے ساتھ کر رہے ہیں، اور وقتاً فوقتاً اپنی تصانیف ہم کو بھیجتے رہتے ہیں، ہم نے ان کی تصنیف متعلق حلاج بن منصورؒ کا گذشتہ معارف میں تذکرہ کیا تھا، اور آج ان کی ایک اور جدید تصنیف کا جو انہوں نے گذشتہ ماہ میں ہمارے پاس بھیجی ہے، ذکر کرنا چاہتے ہیں، اس کتاب میں انہوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے حالات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں، اور موجودہ اسلامی ممالک کے جغرافیائی حالات انکی عام آبادی اس سے اسلامی آبادی کا تناسب، علمی، تعلیمی، مذہبی، سیاسی، تجارتی، معاشی حالات نہایت وضاحت سے بیان کئے ہیں، غرض یہ کتاب ایک ڈائرکٹری کا کام دے سکتی ہے ان کے ساتھ ہی جن ممالک میں اسلامی حکومتیں رہ چکی ہیں، ان کا مختصر تاریخی حال بھی ہے، دنیائے اسلام کے متعلق جدید ترین معلومات پر یہ بہترین تصنیف ہے،

متمدن شہنشاہی پرست یورپ تعلیم کے ذریعہ جس طرح دو قوموں میں منافرت و عداوت کی اشاعت کرتا رہتا ہے، اس کی بہترین مثال اس کی سب سے بڑی جمہوریت پسند آزاد حکومت، فرانس کی اس کتاب سے ملتی ہے، جو ابتدائی مدارس کے نصاب میں داخل ہے، اور جس میں جرمنوں کے خلاف معصوم دلوں میں ابتدا ہی سے دشمنی کے بیج بونے کی کوششیں کی گئی ہیں، دست و پا بریدہ لڑکوں کا مدرسوں میں مظاہرہ کیا

جاتا ہے، اور پھر ان کو یہ الفاظ پڑھائے جاتے ہیں، ان معصوم بچوں نے ایسا کون سا قصور کیا تھا، جس کے بدلہ میں اتنی سخت سزائیں دی گئی ہیں، آہ! بدبخت جرمنی، فرانس کی آئندہ نسلیں تجھ کو ہمیشہ اس کے لئے کوستی رہیں گی، اسی طرح ایک سپاہی جرمن لباس میں آتا ہے، اور ایک فرانسیسی ہفت سالہ بچہ کو گولی کا نشانہ بناتا ہے، اس پر استادیہ زہر سے بجھے ہوئے فقرے لڑکوں کو سناتا ہے،

"آہ!" جرمن سپاہیو! کتنا بڑا جرم، کتنی بڑی بزدلی، کیا جرمنی میں ایک بھی باپ ایسا نہیں ہے، جس کو اپنی اولاد سے محبت ہو، "یہ مختصر کتاب اس حتمی وعدہ پر ختم ہوتی ہے جو بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے،

"ماں (اپنی آنکھیں بچوں کی آنکھوں میں ڈال کر کہتی ہے)" میرے لال! وعدہ کرو، کہ تم جرمنی کے ان مظالم کو فراموش نہ کروگے"،

بچہ "ماں"! میں وعدہ کرتا ہوں۔

اے امن اور سلامتی کے شہزادو! تم دنیا کو کب تک بے وقوف بناتے اور مشرق کو کب تک اپنے فلسفۂ امن وسکون کا وعظ سناتے رہوگے،

(معارف نومبر ۱۹۲۳ء)

## (۱۲)

آج چار برس کے بعد پھر ناظرین معارف سے جدا ہو رہا ہوں، پہلے اگر یورپ کے ایوان وقصور کی زیارت سفر کا باعث تھی، تو آج ملک عرب کے ریگستان وکوہستان کا شوق دامن گیر ہے، یہ سفر حجاز ونجد تک جاکر اگر ختم ہوگیا، تو امید ہے، کہ یہ دوری تین ماہ سے زیادہ اپنے ناظرین سے دوبارہ ملنے کے لئے بے قرار نہ رکھے گی، اور اگر مصر وشام وغیرہ اسلامی ممالک نے اپنی طرف کھینچا، تو اس بعد وفراق کا زمانہ چھ ماہ تک

قائم رہے گا، اس اثنا میں معارف کی ادارت اور جمع و ترتیب ہمارے نوجوان رفقائے دارالمصنفین کے ہاتھوں میں ہوگی، دعا ہے کہ خدا ان ناآزمودہ کار بازوؤں کو اس بوجھ کے اٹھانے کی پوری قوت عطا فرمائے،

سیرۃ النبیؐ کا تیسرا حصہ چھپ کر تیار ہے، صرف اس غلط کار کے غلط ناموں کی ترتیب و طبع باقی ہے، سیرۃ کی دوسری جلد جب چھپ کر نکلی، تو اس کا جامع سات سمندر پار دیار فرنگ میں تھا، اب جب اس کی تیسری جلد کی اشاعت کا وقت آیا، تو بھی وہ ہندوستان سے دور ریگستانوں اور پہاڑوں میں ہوگا، اس طرح اس کی اشاعت کے افتتاح کی خوشی دیکھنے سے محروم رہے گا، تاہم اب کی یہ توقع ہے، کہ سیرت کے ہیرو کی خاک وطن، اس بینا کی آنکھوں کا سرمہ ہو سکے،

افغانی حکام اور افسروں سے جب کبھی ملنے یا مراسلت کرنے کا موقع ملا، ہم نے ان کو کابل میں جدید طرز پر، نئے اسلوب و نصاب کے مطابق ایک دینی عربی درسگاہ و جامعۂ عظمیٰ کے قائم کرنے کا مشورہ دیا، آج سے شاید دو سال پہلے ہم نے معارف میں ایک افغانی سفیر کا خط شائع کیا تھا، جس میں انہوں نے اس قسم کی درسگاہ کے قیام کی تجویز کی تائید کر کے یہ خوشخبری سنائی تھی، کہ عنقریب یہ تحریک خیال سے عمل میں آئے گی، اور پایۂ تخت کابل میں ایک بڑا عربی مدرسہ قائم ہوگا، پچھلے ماہ ستمبر میں دلّی میں جب سابق وزیر خارجہ افغانستان آقا محمود طرزی سے ملاقات ہوئی، تو دورانِ گفتگو میں انہیں پھر ادھر متوجہ کیا، انہوں نے وعدہ کیا، کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق ضروری مراسلت کریں گے، ان اخبارات سے یہ خبر سنکر نہایت خوشی ہوئی، کہ آخر اس تجویز کے عمل میں آنے کا وقت آگیا، اور ایک عربی مذہبی درسگاہ اعلیٰ وہاں قائم ہوگی، خدا کرے کہ یہ جامع عربیہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کا جامع ازہر اور جامع زیتون ثابت ہو، اور تمام وسطی مشرق کے مسلمانوں میں علوم دینیہ، ادبیات عربیہ، تمدن اسلامی، اور احساسات

قومی وملی کے بیدار کرنے کا ذریعہ ووسیلہ ہو ،

اسی سلسلہ میں ہم کو ایک اور حقیقت کا علم ہو کر نہایت خوشی ہوئی ، کون نہیں جانتا کہ یورپ جا کر انسان خدا کو بھول جاتا ہے ، اور اس ہستی کو بھول جانا ہی وہاں کی وضعداری اور شرافت ہے ، اس کا اثر ان مسلمان طلبہ پر جو مختلف اسلامی ممالک سے یورپ میں تعلیم کے لئے جاتے ہیں ، یکساں پڑتا ہے ، اس اثر میں ٹرکی ، مصر ، اور ہندوستان کے مسلمان طلبہ سب برابر ہیں ، لیکن افغانستان جس نے ابھی ابھی اس راہ میں قدم رکھا ہے ، اور اپنے نوجوانوں کو بغرضِ تعلیم یورپ بھیجنے کا آغاز کیا ہے ، اس نے دوسرے اسلامی ممالک کے گذشتہ وموجودہ تجربوں سے عبرت حاصل کر کے اس کی سخت کوشش کی ہے ، کہ طلبہ کی ہر جماعت کے ساتھ ان کی اخلاقی ومذہبی حالت کی نگرانی وترقی کے لئے ایک ایک اتالیق مقرر کئے ہیں ، جو ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں ،

مرزا خداداد خاں سفارت افغان متعینہ پیرس کے سرکاتب ابھی حال میں پیرس سے کابل واپس آئے ہیں ، وہ افغان بچوں کے متعلق اپنے چشمِ دید حالات بیان کرتے ہیں ،

> اسوقت یورپ میں شام ، ایران اور مصر وغیرہ تمام اسلامی ملکوں کے طلبہ تعلیم کی غرض سے یورپ میں مقیم ہیں لیکن خدا جسکو ہدایت دے ، اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا ، اور جس کو وہ ہدایت نہ دے ، اس کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا ، ہمارے بچے بحمد اللہ کہ یورپ میں رہ کر بھی پکے مسلمان اور نماز پنجگانہ اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں ، اور ممنوعات ومحرمات سے بالکل پاک وصاف ہیں ، اور ان میں ایسی باہم مساوات اور برادرانہ ہے ، کہ شہزادہ اور عام

> بچہ ہیں کوئی تمیز نہیں معلوم ہوتی، ہم سپیدریش بڈھوں سے
> کبھی کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے، مگر ان کم سن
> معصوموں کی نماز قضا نہیں ہوتی، اپنے قوم و ملک کی
> محبت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے، فالحمد للہ!

دار المصنفین نے اپنے قیام کی اس تھوڑی سی مدت میں جس قسم کی علمی و مذہبی خدمات انجام دی ہیں، ان کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، کہ اس کا ناظم دو مرتبہ اہم ترین اسلامی وفود میں مذہبی حیثیت سے یورپ اور عرب گیا، پہلے سفر میں اگر دار المصنفین کو مستشرقین یورپ سے علمی برادری قائم کرنے کا موقع ملا تھا، تو اس مرتبہ شاید اسے علمائے اسلام سے علمی مواخات کی سعادت نصیب ہو گی،

نہایت خوشی کی بات ہے کہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کی مجلس انتظامیہ نے اپنی ایک مخصوص صحبت میں یہ تجویز منظور کی ہے، کہ اس کی مطبوعات کا ایک ایک نسخہ دار المصنفین کو تنقید و تقریظ کے لئے دیا جائے، اور اس کی پہلی قسط مستدرک جلد ۴، کی صورت میں ہم کو موصول ہوئی ہے، اب مباحث مشرقیہ کی طباعت ہو رہی ہے، اور اس کے بعد ابن درید کے جمہرہ کی باری ہے، جسکے لئے خاص طور سے نئے حروف بنائے جا رہے ہیں،

مولوی ابو ظفر صاحب ندوی گجرات کی قومی یونیورسٹی کے السنۃ اسلامی کے استاد ہیں، اب جامعہ نے ان سے درخواست کی ہے، کہ وہ گجرات کی اسلامی تاریخ مرتب کریں اسی سلسلہ میں ان کو عبد القادر حضرمی کی النور السافر، بہادر شاہی، ملالی، تاریخ محمود شاہی، تاریخ احمد شاہی، تاریخ مظفر شاہی کی ضرورت ہے، اگر ناظرین معارف میں سے کسی صاحب کے پاس ان میں سے کوئی کتاب ہو تو مطلع فرمائیں،

مسلمانوں نے قرآن شریف کی حفاظت، اس کے بقاء، اس کی کتابت، اسکی

تحریر کی زیبائش و رنگینی کی طرف جتنی توجہ ابتدا سے اس وقت تک کی ہے ، اس کی مثال شاید دوسرے مذاہب میں نہ مل سکے ، عہد اسلام میں بہترین کاتبوں کا فرض اولیں یہ ہوتا تھا کہ وہ قرآن شریف لکھیں ، عام مسلمانوں سے لے کر سلاطین و امراء تک قرآن لکھنا باعثِ سعادت سمجھتے تھے ۔ اور عہد جدید میں فن طباعت کی ابتدا سے اس وقت تک نہ معلوم کتنے قسم کے نسخے اس میں شائع ہو چکے ہیں ، ہمارے محترم دوست حافظ نذیر احمد صاحب اپنے ایک خط میں قرآن کے دو عجیب نسخوں کا جو حال میں لندن میں فروخت ہوئے ہیں ، ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں ۔

اخبار اسٹیمین کلکتہ مورخہ ۲۳ ر نومبر ۱۹۲۴ء میں یہ خبر شائع ہوئی ہے ،

لندن میں ساؤتھ بے ( south Bey ) کے نیلام میں دو قرآن شریف ہدیے کے لئے ، پیش کئے گئے تھے ،

(۱) ایک بہت بڑی تقطیع کا قرآن جو طول میں ۴ ۔ فٹ ، عرض میں اڑھائی فٹ حجم میں ایک فٹ اور جلد لکڑی کی ہے ،

ہر صفحہ میں ۱۰ ر سطریں ہیں ، اور ہر حرف کی لمبائی ۴ ر انچ ہے ، اور تحریر کا ڈھانچا اگر پورا پورا خط ثلث میں نہیں ہے ، تو نصف ثلث میں ہے ، حاشیہ نہایت اعلیٰ درجہ کے گل کاری وغیرہ سے منقش و مزین اور سنہری اور طلاکاری سے مرصع اور مطلا و مذہب ہے جزو دان پر بھی قلم کاریاں ہیں ، وزنی اور بھاری اس قدر ہے کہ دو شخصوں کو اٹھانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے ۔"

ایک ہندوستان نے ڈاک کے ہفتہ میں نیلام میں دو سو پونڈ میں اس بڑے قرآن شریف کو خریدا ہے ،

(۲) دوسرا بہت چھوٹی تقطیع کا قرآن شریف جو طول میں ڈیڑھ انچ اور عرض میں بھی ڈیڑھ انچ ہے ، اس بڑے قرآن شریف کے مقابلہ میں پیش کیا گیا تھا ، یہ خیال

کیا جاتا ہے، کہ اس پیمایش کا قرآن شریف بڑا ہو یا چھوٹا، دنیا میں وہ عدیم النظیر ہے۔"

اسی گرامی نامہ میں وہ ہم کو امید دلاتے ہیں کہ،

"فقیر کا ارادہ ہے کہ ان تمام بیش بہا قرآن شریفوں کو جن کی زیارت ہندوستان کے کتبخانوں میں کی، یا تو تواریخ و فہرست کتب میں ان کا حال پڑھا ہے، مثلاً دکن کے ایک کتب خانہ میں، داراشکوہ کا لکھا ہوا قرآن خط نسخ میں، انڈیا آفس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا قرآن جو اکبر کے کتب خانہ میں تھا، اور اس پر اکبر کی مہر ہے یا نذر محمد خاں والی بلخ کے کتب خانہ کا قرآن جسے تیمور کے پوتے کی لڑکی شاہ ملک خانم نے خط ریحان میں نہایت کمال و حسن لطافت سے لکھا تھا، اور تربیت خاں نے شاہ بلخ کے یہاں سے لا کر شاہجہاں بادشاہ کے کتبخانہ میں نذر دیا تھا۔ اور شاہجہاں اسے دیکھ کر نہایت خوش ہوا تھا، ایسے ایسے قرآن شریف پر ایک خاص مضمون انشاء اللہ جنوری میں معارف کے قائین کرام کی خدمت میں پیش کروں گا، جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا، پہلے ارادہ تھا، کہ ہر کتب خانہ کے ضمن میں اس کے قرآن شریف وغیرہ کا ذکر کروں، مگر غور کرتا ہوں تو ان کا ایک جگہ ہونا بہتر ہوگا، اب اکٹھا کر رہا ہوں۔

ممالکِ اسلامی میں مصر خاص اہمیت اور امتیاز رکھتا ہے، عام حیثیت سے وہ صرف اپنی اندرونی آزادی کی مساعی کے لئے ممتاز ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کی حریت و آزادی کی تمام ذہنی و اقتصادی برکات بھی حاصل ہو رہی ہیں، تعلیمی حیثیت سے وہاں انقلاب ہو گیا ہے، نئے مدارس قائم ہو رہے ہیں، اور علمی تصانیف کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، اسی قسم کی ایک تصنیف ڈاکٹر ذکی مبارک کی کتاب الاخلاق عند الغزالی ہے، جس پر مصر کی یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند عطا کی ہے۔

یہ کتاب ۴۵۴ صفحہ کی ہے، مؤلف نے اپنے اس میں امام غزالی کے زمانہ کے حالات لکھے ہیں، اس کے بعد ان کی سوانح ہے، پھر فلسفۂ غزالی کے ماخذ بتائے ہیں، اسکے بعد ارادہ و جبر، صدق، صبر، مزاج اور عدت وغیرہ کے عنوانوں کے تحت امام غزالی کی رائے سے بحث کی ہے اور بعض یورپین فلسفیوں سے مقابلہ کیا ہے،

آج سے ربع صدی پہلے ہندوستان کے عالم نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی، لیکن ملک نے اس کا جس طریقہ سے خیر مقدم کیا، وہ ملک کے علمی مذاق کے لئے افسوسناک ہے۔ (معارف ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء)

# اشاریہ

## شذرات سلیمانی (حصہ اول)

”شذرات“ کے اشاریے کی ترتیب حسب ذیل اصولوں پر مبنی ہیں:

(۱) اشاریے تین قسم پر منقسم کیے گئے ہیں (الف) اشخاص کے نام (ب) کتابوں کے نام (ج) موضوعات

(۲) حتی الامکان اشخاص کے پورے معروف نام لیے گئے ہیں۔ جن صفحات پر ان کے ذکر مختصر نام سے ملتے ہیں ان کے حوالے بھی پورے نام کے تحت درج ہیں۔ مثلاً پہلی بار ”(مولانا) شبلی نعمانی“ دیا گیا اس کے بعد جہاں جہاں صرف ”شبلی“ آیا ان سب کے صفحات کے حوالے ”(مولانا) شبلی نعمانی“ کے تحت درج ہیں۔

(۳) مولانا، سید، شیخ، امام، پروفیسر، ڈاکٹر، خواجہ، پنڈت وغیرہ القاب یا خطابات مثلاً سر، نظام الملک وغیرہ قوسین میں درج کر کے حروف تہجی کے اعتبار سے صرف نام کا اندراج کیا گیا ہے۔

(۴) کتابوں اور موضوعات کی فہرست بھی حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہے“

# اشخاص

(الف)

ابراہیم فواد (ڈاکٹر) ۲۷۷
ابن بیطار ۶۹
ابن جارود (محدث) ۲۹۴
ابن جوزی ۱۸۵
ابن خلدون ۴۶
ابن درید ۳۰۲
ابن رشد ۲۷۹
ابن طاہر ۱۸۵
ابن عباسؓ (حضرت) ۲۷۲
ابن ماجہ ۱۳۱
ابن ہشیم ۳
ابن یحییٰ بن عیسیٰ ۶۹
ابن یمین ۷۷
ابواسحاق شیرازی ۷۷
ابوبکر صدیقؓ ۱۹۴
ابوبکر محمد شیث (جونپوری) ۲۱۱، ۲۳۸
ابوتمام ۱۹۶
ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسی ۳۰۲
ابوزکریا ۳۰۴
ابوظفر ندوی (مولانا) ۲۳۸
ابوعبداللہ سورتی ۲۸۵
ابوعبیدہؓ بن جراح ۱۹۴
ابوالرشید ۲۷۲
ابوالحسنات ندوی ۶۱، ۳۲۹
ابوالفضل عبدالحق بنارسی ۲۳۸
ابوالکلام آزاد ۱۰، ۳۸، ۷۹، ۲۳۴
ابوالمحاسن محمد سجاد ۶۰
ابوالنصر سید احمد ۲۴۳
ابومسلم اصفہانی (امام) ۱۱، ۱۴۴
ابونصر سراج ۲۰۵
ابونعیم (حافظ) ۳۰۳، ۳۱۴، ۳۱۶
ابوہریرہؓ ۱۹۴
اثر (میر) ۲۴
اجمل خاں (حکیم) ۲۳۴، ۲۳۷

احمد (سید) مولف فرہنگ آصفیہ) ۵۵
احمد چہارم (سلطان ترکی) ۳۱۷
احمد علی (مولانا لاہوری) ۷۵
احمد بن محمد حسن مرزوقی ۳۰۳، ۲۰۴
آر۔ ای۔ اوس (ڈاکٹر) ۲۹۰
آرچلیبڈ ریڈ (سر) ۱۲۳
آزاد بلگرامی ۲۳۳
آزاد سبحانی (مولانا) ۲۵۲
اسپنسر (دیکھو ہربرٹ اسپنسر)
اسٹوری (ڈاکٹر) ۸۸
اسرارالزماں (حاشیہ) ۳۱۷
استقان ۱۳۹
اسلم جیراجپوری (مولانا) ۲۳۴
اسماعیل (شہید) (مولانا) ۲۳۲
آسوتوش مکرجی ۲۹۴
آصف فیضی ۲۱۲
آفتاب احمد خاں (صاحبزادہ) ۱۷۵، ۳۲۵، ۲۰۳
اقبال (ڈاکٹر) ۷۹، ۱۱۳، ۲۷۸، ۲۲۹
اقبال (پروفیسر) ۲۸۵
اکبر (شہنشاہ) ۹
اکبر الہ آبادی ۷۹، ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۳۷
اکرام اللہ خاں ندوی ۴۴
آگسٹ کومٹ ۹۵
المستعصم باللہ ۲۰۲
امامی ۷۷
آمدی (علامہ) ۲۳۴
امیر علی (سید) ۱۰۵، ۱۴۸
امیر علی شاہ ۲۱۶
انس بن مالکؓ ۱۹۴
انگ (ڈین) ۸۰
انوارالحق (مفتی) ۷۵
انیس (میر) ۷۹
اورنگ زیب عالمگیر ۲۶، ۲۶۸، ۳۲۲، ۳۲۷، ۳۲۸
اے جے بالفراس ۹۸
ایچ۔ جی۔ ویلس ۱۶۵
ایڈورڈ (مس) ۹۳
ایڈورڈ جی براؤن (پروفیسر) ۷۶، ۸۰، ۱۳۲، ۱۵۵، ۲۷۸، ۳۳۳
ایڈورڈ لوئل ہربل ۲۹۶
ایڈورڈ ہشتم ۱۴۱
ایڈورڈ ہولڈن ۲۷
ایسکوتھ ۱۸۰

ایلن ٹیری (مس) ۱۸۶
ایم مہدی حسن ۱۳۷، ۱۶۳، ۲۶۹
ایم نیینان ۳۳۴
اینی بیسنٹ (مسز) ۳۹، ۱۳۸

(ب)

بابر ۲۷
بارٹلی (مسز) ۱۲۶، ۱۲۸
بٹلر ۱۳۹
بحر العلوم (ملا) ۶۹
بڈیکر ۳۰۱
براؤن (پروفیسر) دیکھو ایڈورڈ جی براؤن
برگسان ۱۱۲
بروکلمن (پروفیسر) ۳۰۲
بسمارک ۱۱۳
بشیر الحق ۲۴
بشیر الدین ۹
بشیر حسین زیدی ۱۱۸
بندو شاہ ۵۶
بنڈیکٹ پانزدھم (پوپ) ۱۵۴
بوس (ڈاکٹر) ۱۰۵
بھگوان داس ۱۰۵
بیدل ۳۴۳، ۲۵۳
بیکر (ڈاکٹر) ۱۹۴
بیکس ۲۵۴
بیگم صاحبہ بھوپال ۲۲۴
بینکر ۲۲۶

(ت)

تصدق احمد شیروانی ۲۳۴
تلک ۳۲۳
تمیمی ۱۸۵

(ث)

ثناء اللہ پانی پتی (قاضی) ۲۸۴

(ٹ)

ٹاڈ ۹۰
ٹیگور (دیکھو ربندر ناتھ ٹیگور)

(ج)

جادو ناتھ سرکار (سر) ۲۶۷
جارج (لارڈ) ۱۱۳
جان اڈیمسن (پروفیسر) ۱۵۶
جان ڈین ۲۳۹
جان نیعت ۲۴۴
جبرتی (علامہ) ۵۰

جسونت سنگھ ۲۶۸
جمال الدین افغانی (سید) ۲۱۹
جونس (پروفیسر) ۱۸۶
جہاں آرا ۲۶۳
جے۔ اے او۔ میلے ۲۷۶
جے۔ پاے یورک ۱۹۹
جینٹل پرس رام کراچی ۲۵۴

(چ)

چارلس ادمین (سر) ۱۵۲
چنگیز ۱۳۴

(ح)

حاجی خلیفہ ۳۰۳
حافظ شیرازی ۷۷، ۱۳۱، ۱۶۱
حاکم (صاحب مستدرک) ۲۰۲
حالی (مولانا) ۲۰، ۳۰، ۷۹، ۱۳۰، ۱۹۱، ۳۱۶
حبیب الرحمن (حکیم) ۳۳
حبیب الرحمن خاں شروانی ۹، ۲۴، ۳۰، ۵۲، ۵۶، ۵۸، ۱۹۵، ۲۰۲/۳، ۲۳۳، ۲۸۸
حسن نظامی (خواجہ) ۲۵
حسین بلگرامی (سید) دیکھو عماد الملک
حسین کاظم (آقا) ۲۰۱
حسین بن منصور حلاج ۲۰۰، ۲۳۴
حسین محدث ۲۳۲
حکم چند کمار (پروفیسر) ۲۵۴
حمد اللہ مستوفی ۳۱۶
حمید الدین فراہی (مولانا) ۳۱، ۴۴، ۲۳۲
حنین بن اسحاق ۳۱۶

(خ)

خالد بن ولید ۱۹۴
خسرو ۷۷
خسرو ابرقوی ۳۱۶
خطابی (صاحب معالم السنن) ۲۱۱
خلیل خالد ۸۸
خنساء ۲۶۴
خواجو ۷۷

(د)

دبیر ۷۹
درد (میر) ۷۹
دلپت ۲۵۴
دولت شاہ بن بختیشاہ ۳۱۶
دیانند (سوامی) ۳۲۳
دیوس ۱۰۰

(ذ)

ذکی مبارک ۳۳۰

(ڈ)

ڈریپر ۳۸۴
ڈی تماسی ۱۳۹
ڈیکارٹ ۱۱۳
ڈین ۲۴۴

(ر)

رابندرناتھ ٹیگور ۱۱۲، ۱۴۱، ۱۴۳
رادھا کمل مکرجی ۱۳۹
رائڈر ہیگرڈ ۱۶۶
رازی (امام) ۱۱
راشد الخیری ۳۰۵
رام چندر جی ۹۰
رچرڈسن ۱۳۹
رشید احمد سالم انصاری ۲۰۴
رشید احمد صدیقی ۲۸۱
رشید رضا (سید) ۲۱۱
رضیہ (سلطانہ) ۲۶۳
روشن آرا ۲۶۷
ریڈنگ (لارڈ) ۱۰۰

(ز)

زبیدہ ۲۶۳
زرنوجی (برہان الاسلام) ۱۰۴
زکی (شیخ) ۲۴۰
زکی پاشا ۶۳
زمخشری (علامہ) ۱۰
زویمر (پادری) ۱۳۲
زیب النساء ۲۶۳
زین الدین (شہید ثانی) ۲۰۲

(س)

سالار جنگ (نواب) ۶۸
سخاؤ (پروفیسر) ۱۹۴
سروجنی نائیڈو (مسز) ۳۶، ۱۳۱
سری کرشن ۹۰
سعد الدین کرمانی ۳۱۶
سعد بن وقاص رضؓ ۱۹۴
سعد پاشا زغلول ۲۸۷
سعدی ۷۷، ۱۳۰، ۱۴۴، ۱۶۱
سعید انصاری (دیکھو محمد سعید انصاری)
سعید بن ہبۃ اللہ ۵۰
سعید بحیری ۲۳۸
سلامت علی حذاقت خاں ۲۴۸
سلمان ساؤجی ۷۷

سلیمان (پھلواروی) ۵۱
سلیمان عبد الملک ۲۴
سلیمان ندوی (سید) ۱۱، ۲۲، ۲۳، ۶۶
سواجی (دیکھو شواجی)
ستیبو (جج) ۲۰۳
سید احمد خاں (سر) ۵۱، ۷۶، ۸۱، ۱۷۵، ۲۲۲،
سیف الدین کچلو ۳۰۶، ۳۲۷
سیوطی (جلال الدین) ۳۰۳

(ش)

شاٹویل (ڈاکٹر) ۱۵۴
شاطبی (علامہ) ۲۴۴
شاہجہاں ۳۴۰
شبستری ۷۷
شبلی نعمانی (مولانا) ۲۰، ۲۳، ۳۰، ۵۶، ۷۹، ۱۳۷، ۱۹۲
۲۷۰
شردھانند (سوامی) ۲۵۴
شرف الدین علی یزدی ۳۱۶
شریف (سید) ۶۹
شعرانی (امام) ۵۶
شمرو فرانسیسی ۱۴۰
شمس الدین (مولوی۔ ناھی) ۳۰۱
شواجی ۲۶۷، ۳۲۳
شوکانی (قاضی) ۲۳۸
شوکت علی (مولانا) ۵۴
شوکت میرٹھی (مولانا) ۲۳۹
شہرستانی (علامہ) ۹۲
شیکسپیئر ۱۱۳، ۱۳۹

(ص)

صلاح الدین صفدی ۲۸۸

(ض)

ضیاء الحسن علوی ۷
ضیاء الدین (ڈاکٹر) ۲۳۴

(ط)

طومار ۱۴۰

(ظ)

ظفر علی خاں ۸
ظفریاب بہادر خاں ۱۴۰
ظہیر الدین بیہقی ۳۱۶
ظہیر الدین حیدرآبادی ۲۴۰

(ع)

عائشہ صدیقہؓ (حضرت) ۲۶۳
عبادی (دیکھو عبد الباری ندوی)

عبدالباری ندوی ۲۲، ۵۸، ۷۸

عبدالباری فلسفی (دیکھو عبدالباری ندوی)

عبدالحق (مولوی) ۸، ۲۲۵

عبدالحق دہلوی (شیخ) ۵۰

عبدالحلیم شرر ۱۴۸

عبدالحمید (سلطان) ۳۱۷

عبدالحیٔ (حکیم سید) ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۷۸، ۲۷۹

عبدالحیٔ فرنگی محلی (مولانا) ۲۳۲

عبدالرحمٰن بجنوری ۶۴

عبدالرحمٰن جامی ۲۷

عبدالرحمٰن صوفی ۳۱۵

عبدالرحیم (جبش) ۱۴۸

عبدالرحیم مشہدی ۳۱۶

عبدالسبحان (سید) ۲۷

عبدالسلام ندوی (مولانا) ۲۶، ۶۴، ۶۶، ۱۵۵

عبدالعزیز (سلطان) ۱۰

عبدالعزیز شاویش (شیخ) ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۴۷، ۲۵۶

عبدالعلی (ڈاکٹر) ۲۳۳

عبدالغنی وارثی استھانوی ۵۶

عبدالقادر سرفراز (شیخ) ۲۱۹، ۲۲۶

عبدالقاہر بغدادی (امام) ۹۲

عبدالقیوم (ملک) ۸۸

عبدالماجد دریا بادی ۳۷، ۴۸، ۵۶، ۶۶، ۶۸، ۷۰، ۱۰۴، ۲۳۲، ۳۱۳

عبدالمجید (خواجہ) ۱۵۲، ۲۳۴

عبدالمحی ۸۸

عبداللہ مخلص ۳۰۲

عبداللہؓ ابن عباس ۱۹۴

عبداللہؓ بن عمر ۱۹۴

عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی ۳۱۶

عبداللہ بنگالی ۵۴

عبداللہؓ بن مسعود ۱۹۴

عبداللہ عمادی ۸

عبداللہ غازیپوری (مولانا) ۶۴

عبیداللہ احرار (خواجہ) ۷۷

عبیداللہ خاں بھوپالی (حافظ) ۲۴۳

عراقی ۷۷

عزیز مرزا ۵۶، ۲۹۱

عطاء الملک جوینی (خواجہ) ۳۱۶

علی اصغر بلگرامی (سید) ۲۰۲

علی بخش (مولوی) ۱۸۵

علی بلگرامی (سید) ۵۸

علی حسن خاں (نواب حسام الملک) ۴۰

علی رضا بے ۸۸
علی صاحب (حافظ، سنگاپور) ۶۹
علی ہجویری (شیخ ابوالحسن) ۲۰۵
عمادالملک بلگرامی (نواب) ۳۱، ۳۳، ۴۴، ۵۸، ۱۳۰، ۳۲۶
عمر خیام ۲۷۸
عمرؓ بن عبدالعزیز ۲۴
عمرؓ فاروق (حضرت) ۱۹۲
عمروؓ بن العاص ۱۹۴
عیاض (قاضی) ۲۳۸

(غ)

غالب (مرزا) ۷۹، ۲۲۵
غزالی (امام) ۳۴۰
غلام جیلانی (مولانا) ۵۰
غلام علی آزاد (بلگرامی) ۷۰
غلام محمد بھرگری ۲۵۴
غنی (کشمیری) ۲۲۳
غنیمت ۲۴۳

(ف)

فرانسس بیکن ۱۱۳
فری بین (پروفیسر) ۱۵۴
فضل الحق ۶۵
فیض الحسن سہارنپوری (مولانا) ۷۵
فیلن ۱۳۹

(ق)

قاسم خاں (سید) ۲۴۸
قتیل ۲۴۲
قدری بے ۸۸
قطب الدین شیرازی ۱۸۵
قلیچ بیگ (مرزا) ۲۵۴
قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی ۳۳

(ک)

کالیداس ۱۱۳
کانٹ (کینٹ) ۱۱۳
کبیرداس ۲۵۵
کرامت حسین (سید) ۲۳
کرشن پرشاد شاد (سر) ۶۸
کشن پرشاد کول ۲۸
کمار سرکار ۱۹۵
کمال خجندی ۷۷
کلادن (پروفیسر) ۲۱۹
کینکر (دیکھو دینک کینکر)

(گ)

گاندھی (موہن داس کرم چند) ۵۱، ۷۲، ۱۲۵، ۱۴۳
گلنار بیگم ۲۶۸
گوتم بدھ ۹۰
گیانند ناتھ چکرورتی ۱۴۴
گیٹے ۱۱۴

(ل)

لاجپت رائے (لالہ) ۳۲۵
لاٹینر ۱۳۹
لطیف (شاہ) ۲۵۲
لوئی (مبینا) ۲۰۰
لیبان (موسیو) ۶۶
لیوچیخ ۱۳۲

(م)

مارگولیتھ (پروفیسر) ۸۹
مالکؒ (امام) ۲۲
مامون رشید (خلیفہ) ۲۲۸
مامون سہروردی ۳۷
مائیکل ایڈورڈ (سر) ۲۶۰
متھرا (مس) ۳۱۷
مجدالدین فیروزآبادی ۲۲۷
محسن کاکوروی ۳۳۱
محسن الملک (نواب) ۲۰، ۳۱، ۱۷۵، ۲۲۳
محمد اشرف خاں (خان بہادر) ۲۲۳
محمد امان قادری گورکھپوری ۶۴
محمد اسماعیل میرٹھی ۴۱
محمد امین (منشی، بھوپال) ۲۸، ۶۱، ۲۳۹
محمد باقر مجلسی ۲۰۲
محمد بن علقمی (وزیر) ۲۰۲
محمد بن عمران مقدسی ۵۰
محمد بن مکی ۲۰۲
محمد بن موسیٰ خوارزمی ۲۳۷
محمد حسین (چودھری) ۳۲۸
محمد حسین آزاد ۲۴، ۷۰، ۱۳۰
محمد خاں (بلخ) ۳۴۰
محمد سعید انصاری ۱۱
محمد سورتی ۲۲۴
محمد شاہ رنگیلے ۱۰، ۱۸۶
محمد کرد علے ۲۳۰، ۲۷۵
محمد عبداللہ ٹونکی (مفتی) ۷۵
محمد علی جوہر (مولانا) ۳۸، ۵۴، ۹۱، ۱۳۱، ۳۲۷
محمد علی (بمبئی) ۲۷۲

محمد علی خاں (راجہ محمدآباد) ۶۸
محمد علی مونگیری (مولانا) ۲۳۲
محمد نعیم فرنگی محلی ۲۲۲
محمد یامین میرٹھی (سید) ۳۸۲
محمد یونس انصاری (فرنگی محلی) ۶۶، ۲۱۷
محمود (ڈاکٹر۔ سید) ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۳۴
محمود (سلطان) ۳۲۷، ۳۲۸
محمود الحسن (مولانا) ۵۵
محمود طرزی (آقا) ۳۳۶
مختار احمد انصاری (ڈاکٹر) ۶۵، ۲۳۴
مدن موہن مالویہ (پنڈت) ۱۰۹، ۱۷۵، ۱۸۴، ۲۲۵
مرزا جان (ملا) ۶۹
مسعود علی ندوی ۲۶
مسیح (حضرت عیسیٰؑ) ۹۰
مشرقی (عنایت اللہ، علامہ) ۳۰۸
مشیر حسین قدوائی ۳۳، ۶۰
مصطفیٰ سوم (سلطان) ۲۱۷
مصطفیٰ کمال ۲۶۵
مظہر الحق ۵۱
معظم علی (شیخ) ۲۳۴، ۲۵۲
معین الدین انصاری ۲۴۲، ۲۶۳
معین الدین چشتی (خواجہ) ۱۲۲، ۲۵۵
معین الدین قدوائی ۱۰
معین الدین ندوی (حاجی) ۴۱، ۵۷
معین الملک (نواب) ۲۳۹
مغربی ۷۷
مل ۹۵، ۱۰۴
ملک خانم (شاہ) ۳۴۰
منٹو (لارڈ) ۳۳
منیر عالم (شاہ) ۱۸۴
مومن خاں (حکیم) ۷۹
مہر النساء ۲۶۷
میکلائن (مسٹر) ۹۳

(ن)

نانک ۲۵۵
نجم الدین شیرازی ۱۳۲
نذیر احمد (حافظ) ۲۰، ۳۷، ۶۹، ۱۳۰
نصیر (شاہ) ۱۳۰
نصیر الدین طوسی ۲۳، ۲۴۳، ۳۱۶
نصیر حسین خیال (نواب) ۱۱۸
نظامت جنگ ۱۴
نظام دکن ۵۷، ۶۴، ۹۶

نظام الدین دہلوی (شیخ) ۲۵۵
نظامی عروضی سمرقندی ۳۱۶
نکلسن (پروفیسر) ۲۰۵، ۲۲۹، ۲۴۲
نورالحسن ۳۳۱
نیپولین ۱۱۳

(و)

واجد علی شاہ ۱۸۶
والر ۱۴۰
والمیک ۱۱۳
وجری (پروفیسر) ۱۲
وقار الملک (نواب) ۳۱، ۱۷۵، ۲۳۰
ولسن (پریسیڈنٹ) ۸۴، ۱۱۳
ولیم وینو (سر) ۲۰۹
وینک کیٹنگر ۴۹، ۱۲۲

(ہ)

ہادی حسن (سید) ۲۳۴
ہاروینز (ڈاکٹر) ۸۸
ہاشم ندوی (سید) ۳۰۲
ہالرائڈ ۱۳۹
ہچنسن ۱۷۶
ہربرٹ اسپنسر ۹۵، ۱۰۳، ۱۸۶، ۲۰۵
ہریندرناتھ چٹوپادھیہ ۱۳۱
ہرنرائن شاستری ودیاساگر ۱۰۶
ہکسلے (پروفیسر) ۴۵، ۱۰۳
ہکسن ۳۳۲
ہلاکو خاں ۱۳۴
ہمایوں مرزا (بیگم) ۲۸۷
ہنٹر (ڈاکٹر) ۳۴
ہنری اروِنگ ۱۸۶
ہومر ۱۱۳، ۱۳۵
ہیگل ۲۶۲
ہیم چندر رائے ۲۶۸

(ے)

یافعی (امام) ۲۰۲
یاقوت (حموی) ۲۰۳
یعقوب بخش راغب جیلانی ۱۸۵
یوسف شامی ۱۸۵

# کتب و رسائل

(الف)
اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر (الشوکانی) ۲۳۸
اختبار (مولوی سلامت علی خاں) ۲۳۸
"اردو" (رسالہ) ۲۸۳
اردو انسائیکلوپیڈیا ۱۳، ۱۹، ۲۱، ۲۵، ۳۸، ۹۲، ۱۳۲
ارض القرآن ۳۸، ۶۱
اسپرٹ آف اسلام ۱۰۵
استبصار (طوسی) ۲۰۲
اسرار خودی (ترجمہ نکلسن) ۷۹
اعلام السنن (خطابی) ۲۱۱، ۲۳۸
افادات مہدی ۲۰۰
الاحکام (آمدی) ۲۴۴
الاقناع (سعید بن ھبۃ اللہ) ۵۰
البلاغ (مولانا آزاد) ۱۰
الحاوی فی علم التداوی (نجم الدین شیرازی) ۱۳۲
الزیادۃ (امام محمد) ۵۰
العمدہ فی الجراحات ۱۷۴
الفاروق (علامہ شبلیؒ) ۳۴
الفرق بین الفرق (بغدادی) ۹۲
الف لیلہ ۵۶
الفوائد فی اصول البحر والقواعد (ابن ماجد) ۱۳۱
القول السدید فی بیان دین التوحید ۲۵۶
الکلم الروحانیہ فی الحکم الیونانیہ ۵۶
المتفق والمفترق ۱۸۵
المجتنیٰ (ابن درید) ۳۰۲
المجمع العلمی العربی ۳۰۳
المدینۃ والاسلام ۲۰۳
المرأۃ (سید کرامت حسین) ۲۳
المقتبس ۲۳۰
الموافقات (شاطبی) ۲۴۴
الناظر (ظفر الملک) ۲۵، ۲۸۳
النصرانیۃ والاسلام ۲۰۴
انقلاب الامم ۲۲، ۲۶
ایران شہر (رسالہ) ۲۰۰
النور السافر (حضرمی) ۲۳۸

(ب)

برکلے اور اسکا فلسفہ ۵۵
براھین احمدیہ ۳۲۸
بوذاسف و بلوہر ۵۶
بوستان خیال ۱۵۴
بہادر شاہی ۳۳۸
بہارستان ۳۱۵ - ۳۱۶

(ت)

تاریخ احمد شاہی ۳۳۸
تاریخ ادبیات ایران ۷۶
تاریخ الاسلام ۲۵۶
تاریخ الحکماء ۳۱۵، ۳۱۶
تاریخ جہاں کشائے (جوینی) ۳۱۶
تاریخ فخر الدین داؤد فناکتی ۳۱۶
تاریخ فلسفہ اسلام ۲۵۶
تاریخ محمود شاہی ۳۳۸
تاریخ قوام ملکی ابرقوہی ۳۱۶
تاریخ مظفر شاہی ۳۳
تاریخ منتظم (ابن جوزی) ۳۱۶
تاریخ وصاف (شیرازی) ۳۱۶
تذکرہ خیالی ۲۳۲
تذکرہ (مشرقی) ۳۰۹
تذکرۃ الاولیاء (عطار) ۲۰۵
تذکرہ فرح بخش ۱۴۰
ترک اور خلافت (ابو الحسنات ندوی) ۳۳۰
تفسیر طوسی ۲۰۲
تفسیر کبیر (امام رازی) ۱۱
تفسیر مظہری ۲۸۱
تمدن عرب (بلگرامی) ۵۸، ۲۵۳
تمدن ہند " ۲۵۳
تنظیم (روزنامہ) ۳۰۶
تہذیب الاحکام (طوسی) ۲۰۲

(ج)

جامع الاصول ۲۷
جزیہ (علامہ شبلی) ۳۰۱

(ح)

حاشیہ شرح عقائد جلالی ۶۹
حیات جاوید ۱۹۶
حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم) ۳۱۶

(خ)

خواتین اسلام کی بہادری (مولانا سید سلیمان) ۲۷۷

(د)
داستان امیر حمزہ ۱۵۴
درۃ الاخبار و لمعۃ الانوار ۳۱۶
دریائے لطافت ۳۳
دلگداز (شرر) ۲۸۴
دیوان سودا ۱۹۵
دیوان شمس تبریز ۲۰۵
دہ مجلس ۷۰
(ڈ)
ڈسکوری (میگزین) ۱۰۱
(ر)
روح الاجتماع ۶۲، ۲۱۸
(ز)
زبدۃ الطب ۵۰
(س)
سادھن ۱۱۳
سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (شیخ شامی) ۱۸۵
ستیارتھ پرکاش ۲۲۳
سفینہ ۲۳۲
سنن کبیر بیہقی ۵۰
سیرۃ النبی ۱۹، ۲۱، ۳۰، ۳۲، ۳۸، ۵۷، ۶۰، ۶۹، ۹۲، ۱۳۱، ۱۵۵، ۲۶۹، ۲۸۸، ۳۰۱
سیر الصحابہ ۱۹، ۳۴، ۵۷، ۱۳۱، ۱۵۵
سیرۃ صلاح الدین ایوبی ۵۶
سیرۃ عائشہ ۶۶
سیرت عمر بن عبد العزیز ۶۶
(ش)
شرح حکمۃ العین ۲۹
شرح حماسہ ۳۰۴
شرح قصیدہ نشوان حمیری ۲۳۸
شرح مختصر ابن حاجب ۱۸۵
شرح مفضلیات ۳۰۴
شعر العجم ۶۳، ۷۷، ۷۸، ۲۷۸، ۲۸۴، ۲۸۵
شعر الہند ۲۳۰
شمائل ترمذی ۱۸۵
شمس البیان ۲۰۳
(ص)
صحیح بخاری ۲۳۷
صحیحین (بخاری و مسلم) ۴۳
صور الکواکب ۳۱۵
(ط)
طب عربی (براؤن) ۱۳۲
طبقات ناصری ۳۱۶

طلسم ہوشربا ۱۵۴

(ظ)

ظفرنامہ و مقدمہ ۳۱۶

(ع)

عروۃ الوثقیٰ (رسالہ افغانی) ۲۱۹
علم البحریہ ۵۰
علم کلام جدید ۲۵۶
علی گڈھ میگزین ۲۸۷
عمر خیام ۲۸۵

(ف)

فتح الباری (ابن حجر) ۵۰
فتوحات میران شاہی ۳۱۶
فردوس التوارنخ ۳۱۶
فرہنگ آصفیہ ۵۵
فضلی ۷۰
فہرست کتب الشیعہ ۲۰۲

(ق)

قران السعدین ۴۱

(ک)

کانفرنس گزٹ ۲۱۲، ۲۸۴
کتاب التوحید ۲۰۴
کتاب الطواسین ۱۰۰
کتاب اللمع ۲۰۵
کشف الظنون ۳۱۶
کشف المحجوب ۲۰۵
کلکتہ ریویو ۱۹۹
کلیلہ و دمنہ ۵۶
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۱۵۲

(گ)

گجرات کی علمی تاریخ (یاد ایام) ۲۳۳
گربہ نامہ ۷۰
گل رعنا (حکیم سید عبدالحئی) ۲۳۰
گلشن بیخار ۱۴۰

(ل)

لباب التاویل (خازن) ۱۸۵
لباب التفاسیر ۱۸۵

(م)

ماڈرن ریویو ۱۹۹
مبادی علم انسانی ۵۵
مبادی فلسفۂ اخلاق ۲۵۶
مبسوط (طوسی) ۲۰۲
مبسوط خواب و خیال ۲۴

مثنوی نل دمن (فیضی) ۲۷۲
مجالس النفائس ۳۱۶
مجمع البحار (محمد بن طاہر) ۱۸۵
مجمع البیان ۲۰۲
مجمع النوادر ۳۱۶
مجموعہ تالیف رومی ۳۱۶
مراٹھی انسائیکلوپیڈیا ۴۸، ۱۳۲
مرآۃ الجنان (یافعی) ۲۰۱
مسالک ممالک (مشہدی) ۳۱۶
مستدرک علی الصحیحین (حاکم) ۲۰۲، ۲۸۸، ۳۰۲
مسلمانی ریاست ۳۰۲، ۳۲۶
مشارق الانوار (صغانی) ۲۳۸
مصباح المتہجد ۲۰۲
مضامین شبلی ۱۰
معجم الادبار (یاقوت) ۳۰۴
معلوم القرآن ۲۰۲
معالم السنن (خطابی) ۲۱۱
مفاتیح الرحموت ۵۰
مفردات ابن بیطار ۶۹
مکاتیب شبلی ۱۰، ۳۸، ۴۲
مکالمات برکلے ۵۵، ۶۶
ملالی ۳۳۸
ملل ونحل (شہرستانی) ۹۲
مناجات بیوہ (ہندی) ۲۱۶
منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان ۶۹
موطا (امام مالک) ۴۴

(ن)

نزہۃ القلوب ۳۱۶
نقصانات مسکرات ۲۵۶
نکت الہمیان فی نکت العمیان ۲۸۸
نوائے کیمبرج ۱۱۸، ۳۴۶
نورالانوار ۲۲۵
نہایہ (طوسی) ۲۰۲
نیگرو ورلڈ ۲۷۶

(و)

وصایائے خواجہ نظام الملک ۳۱۶
وقار حیات ۲۲

(ہ)

ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ ۱۵۴

# موضوعات

(الف)

آبادی (بعض ملکوں کی) ۳۲۰
اردو (بمبئی یونیورسٹی میں) ۲۱۹
اردو (لندن یونیورسٹی) ۱۹۸
اردو (یونیورسٹیوں میں) ۲۱۱
اردو انگریزی کا مقابلہ ۲۹۳
اردو ٹریننگ کالج پونا ۲۱۹
اردو ذریعہ تعلیم ۳۱
اردو شاعری کی تاریخ ۴۴
اردو عام ملکی زبان ۱۴، ۷۴
اردو کانفرنس ۱۸، ۲۸، ۱۴۵، ۲۶۰
اردو کے فرنگی شاعر ۱۴۰
اردو و لغت ۳۳۱
اردو مصنفین کو یونیورسٹی انعامات ۳۰۱
اردو ہندی کا مسئلہ ۱۸، ۷۲، ۷۳
آریہ سماجی روش ۳۲۵
اسلام کی ریاست ۳۰۷
اسلام کی عبادت گاہیں ۲۱۴
اسلامی اکاڈمی (انگورہ) ۲۵۶
اسلامی مدارس اور نصاب تعلیم ۲۷۱
اسلامی قوانین انگریزوں کے عہد میں ۲۳۸
اسلامیہ کالج (پیشاور) ۵۰
اشاعت اسلام ۵۱
اعظم گڈھ میں طاعون ۲۸۳
افلاس و عسرت ۹۸
المجمع العلمی العربی ۲۳۰، ۲۷۵
الہ آباد یونیورسٹی ۲۱۰
امارت شرعیہ ۳۰۷، ۳۱۴
امریکا میں خودکشی کی واردات ۲۵۱
امریکا میں مسلمانوں کی تعداد ۲۷۶
انجمن اردو (کیمبرج) ۱۸
انجمن اسلام (سنگاپور) ۲۷۵
انجمن اصلاح تمدن (ناندیر) ۲۷۲
انجمن المعین (امریکا) ۲۷۷
انجمن ترقی اردو ۸، ۱۱، ۱۸، ۳۱، ۴۶، ۱۳۴،
۱۳۵، ۱۸۷
انجمن علمائے بنگال ۴۸

انجمن علمائے بہار ۶۰
انجمن مستشار العلماء ۷۵
انجمن معین الندوہ ۵۳
انجمن مفید الاسلام (کلکتہ) ۴۳
انفلوئنزا لفظ کی تحقیق ۶۳
انگریزی کے ہندوستانی ادیب ۱۳۱
اوقاف کی اسلامی نگرانی ۲۹۱
اہرام مصر کی کھدائی ۲۲۹
ایجوکیشنل کانفرنس (آل انڈیا) ۲۷۳
اینگلو عربک اسکول (پٹنہ) ۵۱

(ب)

بائبل سوسائٹی ۲۰۷
بحری طاقت ۲۰۸
برطانوی سلطنت کا مستقبل ۱۶۵
بڑودہ کی علم دوستی ۱۲، ۲۲۱، ۲۹۷
بزم اردو (آکسفورڈ) ۱۸۷
بشپ لکھنؤ کی دعا ۸۹
بغداد ۳۹
بمبئی میں تربیت کی کمی ۲۶۹
بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ۳۷، ۹۸، ۲۲۲
بین الاقوامی زنانہ کانفرنس ۸۵

(ت)

ترک موالات تحریک ۷۱
تصوف (سندھ میں) ۲۵۴
تعلیم کا مغربی نظریہ ۲۰۰
تعلیم کی زبان (کلکتہ یونیورسٹی) ۱۹۸
تعلیم مادری زبان میں ۳۳۱
تعلیم و تربیت، مغرب میں ۲۰۴
تعلیمی کانفرنس کی علمی نمائش ۲۸۴
"تہذیب" لفظ ۲۰۵

(ٹ)

ٹری نداد میں مسلمان ۸

(ج)

جامعہ زیتون ۱۸۵، ۲۸۷
جامعہ عربیہ (دمشق) ۲۷۵
جامعہ ملیہ اسلامیہ ۲۳۴، ۲۸۶
جنسی امراض انگلستان میں ۱۲۴، ۱۵۷
جنگ کے تلخ نتیجے ۲۳۲

(ح)

حرم سرائے مغل اعظم ۲۶۸
حیات دنیوی ۱۱۶
حیدرآباد میں مشرقی یونیورسٹی (شبلی کا خواب) ۳۰

خ

خلافت ۳۰۶

خلع اور علمار کا اختلاف ۳۰۶

دارالمصنفین ۳، ۹، ۱۳، ۲۹، ۳۰، ۹۷، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۹۳، ۲۰۰، ۳۰۰، ۳۳۸

دارالتشمی (انگورہ) ۲۷۷

دائرۃ المعارف ۸، ۵۷، ۲۰۱، ۲۸۸، ۳۰۲

درس نظامیہ دہلی میں ۲۸۶

دنیا کا بزرگ ترین انسان ۱۲۵

دیوان غالب کا مکمل نسخہ ۶۲

دیوبند ۳۰، ۹۷

(ر)

رائل ایشیا ٹک سوسائٹی ۵۷، ۹۸

ریویو نگاری (یورپ میں) ۱۰۷

(ز)

زنانہ یونیورسٹی پونا ۹۷

زہریلی گیس کا استعمال ۸۳

(س)

سائنس اور مذہب ۳۱۸

سرسید کی قرآن فہمی ۱۷۲

سہیدہ کے مذہبی عقائد ۲۸۰

سرطان کی بہتات ۲۰۹

سرکاری خطابات ۱۸۹

سکھ ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۳، ۲۴۲

سنسکرت مردہ زبان ۱۰۶

سود کا مسٔلہ ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۱۳

سیرۃ النبی کی غلطیاں ۲۸۵

سینٹ زیویرس کالج بمبئی 9

(ش)

شانتی نکیتن میں فارسی عربی کتابیں ۲۱۲

شبلی سوسائٹی ۵۳

شعرالعجم پر انعام ۳۰۰

(ع)

عباسی حکومت میں اسلامی علوم ۳

عثمانیہ یونیورسٹی ۴۴، ۶۳، ۱۱۱، ۱۳۳، ۱۶۰، ۱۹۵، ۲۲۱

علمار (نابینا) ۲۸۸

علمار کا باہمی اختلاف ۳۰۸

علمار کی تعداد ۵۱

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ۵، ۹، ۱۵، ۳۹، ۸۱، ۸۷، ۸۸، ۹۷، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۷۵، ۱۹۳، ۲۳۲، ۲۶۳، ۲۸۶۔

عورتوں کے حقوق و خصائص ۲۳، ۲۴۶، ۲۴۸، 255

عورتیں اور ملازمتیں ۲۹۶

عورتیں مشترکہ اجتماع میں ۲۸۷

عیسائی (ہندوستان میں) ٢٣٦

(ف)

فارسی (جدید) ١٦٢
فتنۂ ارتداد (شدھی) ٢٥٢
فتوی (بمبئی کے مولویوں کا) ٢٣٠
فرانس اور جرمنی کی دشمنی ٣٣٤
فرانس میں اسلامی علوم ٣٣٤
فرنگی محل ٣٠
فسادات کے اسباب ٣٢٧
فلسفۂ ازدواج اور اسلامی اصول ٢٨١

(ق)

قدیم اور جدید جماعتیں ٦
قحط و وبا ١٣٤، ١٨١
قرآن مجید (بہ خط حضرت عثمانؓ) ٣٣٠
قرآن مجید کا منظوم ترجمہ ٣٣
قرآن مجید کے نادر نسخے ٣٣٩
قرون اولیٰ ١٩٤
قرطبہ ٣٩

(ک)

کابل عربی مدرسہ ٣٣٦
کانگریس میں دو فریق ٦٥، ١٣٨، ٢١٤
کتابوں میں زہریلا مواد ٣٢٤
کتابیں (روس میں) ٣٢٠
کتب خانہ حبیب گنج ٢١٣
کتب خانہ شاہ علی خاں ١٨٥
کتبے (عہد عثمانی میں) ٣١٧

(گ)

گب میموریل سیریز ٣٣٣
گجرات قومی یونیورسٹی ٣٣٨

(ل)

لندن میں اخلاقی گراوٹ ١٠٨، ١٢٦، ٢٠٨

(م)

"ماسٹر پیس" لفظ کا مترادف ٢٠١
مجرموں کا اعترافِ جرم ٢٩١
مجلس اتحاد ٣٢٢
مجلس اشاعت اسلام ٧
مجلس علمائے جنوبی ہند ٥٩
مجلس ملیہ (انگورہ) ٢٢٣
محکمہ اسلامیہ دینیہ علمیہ ٣٤١
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ١٨، ٣٦، ٦٦، ٢١٢، ٢١٩، ٢٢٥
مدرسہ اشرفیہ (مبارکپور) ٦٧
مدرسۃ الاصلاح سرائمیر ٦٧

مدرسہ باقیات الصالحات ۵۹
مدرسہ بنات المسلمین ۴۱، ۶۷
مدرسہ دار العلوم (مئو) ۷۱
مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) ۷۱
مدرسہ عالیہ (دار الحدیث) ۲۶، ۷۱
مدرسہ عالیہ (مئو) ۶۷
مدرسہ عربیہ اسلامیہ احیاء العلوم (مبارکپور) ۶۷
مذہبی یونیورسٹی (کابل) ۲۴۵
مراٹھی خواتین کا فارسی شوق ۱۲
مسجد کانپور ۳۹
مسلم گریجویٹ کی تعلیم و تربیت ۲۸۱
مسلم لیگ ۶۵
مسلم یونیورسٹی (دیکھو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)
مشرقی انجمن (جرمنی) ۱۹۴
مشرقی (علامہ) کی تحریک و نظریے ۳۰۹، ۳۲۸
معارف ۳۰۱، ۱۷
معارف کے ایڈیٹر کا سفرِ حجاز ۳۲۵

(ن)

نامی پریس ۴۳
ندوہ ۵۲-۵۸، ۷۱، ۹۷، ۲۲۶، ۲۳۷
ندوہ کتب خانہ کی فہرست ۵۷
نظام حیدرآباد کا عطیہ ۲۳۷
نوبیل پرائز ۸۴
"نیشنلسٹ" لفظ کا مترادف ۲۲۲

(و)

وقوع جرائم ۱۰۲
ویمنس فریڈم لیگ۔ ۹۲

(ہ)

ہدایۃ الاسلام ۷
ہندو برہمن کا عطیہ ۵۳
ہندوستان قدیم کے تین عناصر ۲۶۶
ہندوستان کا افلاس ۱۱۴
ہندوستان۔ کئی قوموں کا ملک ۲۸۹
ہندوستان میں عربی کی خدمات ۱۰۷

ہندوستان میں موٹریں ۱۲۵
ہندوستانی (زبان) ۷۲، ۱۳۸، ۱۶۱
ہندوستانی قومیت ۷۳
ہندوستانی اخبارات ۲۶۰
ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ۱۸، ۲۲۴، ۳۲۲
ہندو یونیورسٹی بنارس ۸۸، ۱۴۸
ہندی کا اثر اردو شاعری پر ۶۴
ہندی کی قدردانی اور ترویج ۳۳۱

(ی)

یک جہتی (زنداں خانوں میں) ۱۵۰
ینگ مینس اسلامک سوسائٹی (ہانگ کانگ) ۲۷۴
یو۔ پی۔ شعبۂ اشاعت کی مطبوعات ۲۸۲
یورپ اور روحانیت ۳۳۲
یورپی تمدن ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۶۸، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۲، ۲۰۳، ۲۲۷، ۲۳۵، ۲۵۷۔
یونین آف ویسٹ اینڈ ایسٹ ۷۵